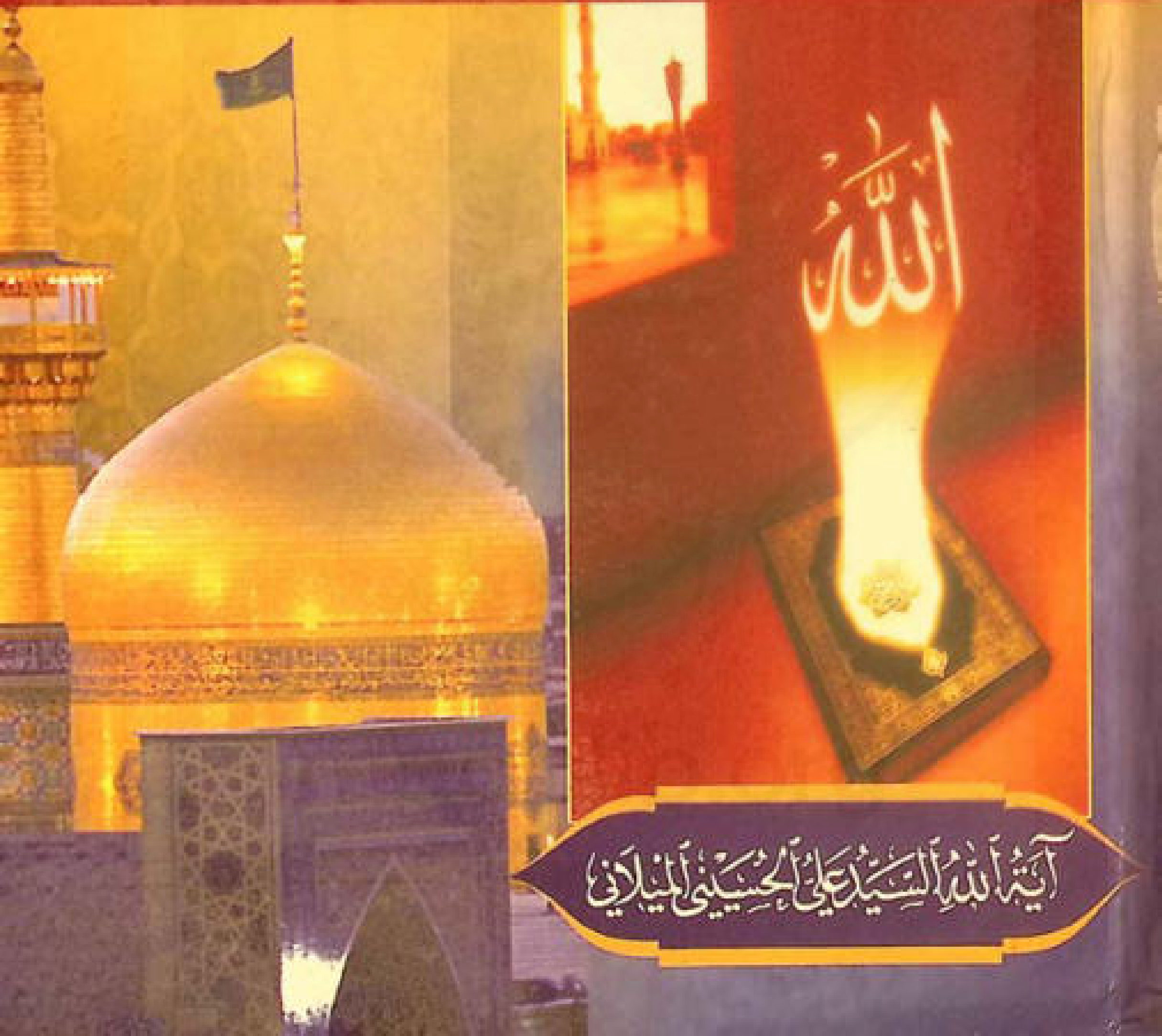
حقائق عاشورہ

کے مخفی پہلو



آیۃ اللہ السید علی الحسینی المیلانی

حقائق عاشورہ کے مخفی پہلو

مؤلف

آیت اللہ سید علی حسینی میلانی مدظلہ العالی

ناشر

مرکز الحقائق اسلامی (قم)

کتاب : حقائق عاشورہ کے مخفی پہلو

مؤلف : آیت اللہ سید علی حسینی میلانی مدظلہ العالی

ناشر : مرکز حقائق اسلامی

اشاعت : ۲۰۰۹ء

ہدیہ : 235 روپے

ملنے کا پتہ

مرکز الحقائق اسلامی

صفائیہ کوچہ ۳۴، کوچہ ایرانی زادہ بلاک ۳۳ قم (ایران)

فون: ۰۰۹۸-۲۵۱-۷۷۳۹۹۶۸

اجمالی فہرست

مضامین | صفحات

عرضِ مترجم

الحمدللّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء و المرسلین و علیٰ آلہِ الطیبّین الطاھرین

امابعد!

خداوندعالم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہدایت اور دین برحق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور پھر ولایت علیؑ کے اعلان کے ساتھ ہی یہ دین مکمل ہوگیا۔

اب آفتابِ قیامت کے طلوع ہونے تک کسی نئے دین کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی نئی شریعت کی۔ اگر ضرورت ہے تو اس شریعت کو جہالت کے اندھیروں سے بچانے کی ہے۔

چناں چہ اِسلام کو بچانے کا جب نام آتا ہے تو تاریخ کے جھومر پر حسینؑ ابن علی علیہ السلام کا نام چمکتا ہوا نظر آتا ہے۔ جنھوں نے کربلا کے تپتے ہوئے ریگزار کو اپنے خون سے گل زار بنادیا اور دین مبین کو اس انداز سے بچایا کہ لوگوں میں عام ہوگیا۔

اِسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

چناں چہ جس راہ نما نے بھی واقعہ کربلا سے درس لیا وہ حریت کا علم بردار ثابت ہوا۔ وہ عالم اِسلام کا عظیم راہ نما آیت اللّٰہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا ہندوستانی راہ نما مہاتما گاندھی سب ہی حریت کی بھیک کا کشکول لیے حضرت امام حسین علیہ السلام کی چوکھٹ پر سجدہ ریز نظر آتے ہیں۔

چناں چہ دشمنانِ اِسلام نے پوری سعی کی کہ اس عظیم واقعہ کو طاقِ نسیان میں رکھ دیا جائے یا پھر تحریف کا لبادہ اوڑھا دیا جائے۔ چناں چہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ کربلا کے بہت سارے گوشے پنہاں ہوتے چلے گئے۔

لیکن علمائے شیعہ نے ہر دور میں اس عظیم واقعہ کو اُجاگر کیا ہے۔ عہد حاضر میں اس کام کا بیڑا آیت اللّٰہ سید علی حسینی میلانی دامت برکاتہ نے اُٹھایا ہے۔ موصوف ایران کے علمی حلقوں

میں انتہائی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں: جنھوں نے اس عظیم واقعہ کے مخفی گوشوں سے پردہ اُٹھایا ہے جن پر تاریخ کی دبیز جم چکی تھی۔

انھوں نے اُچھوتے انداز سے واقعہ کربلا کا تجزیہ و تحلیل کیا ہے۔ یہ کتاب محققین اہل منبر اور تشنگان علوم آلِ محمدؐ کے لیے یکساں طور پر مفید ہے۔

خداوند عالم بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری اس ناچیز سعی کو شرف قبولیت بخشے اور ہمیں سید الشہداؑ کی سیرت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ رب للعالمین و الصلاۃ والسلام علی خیر خلقه أشرف بریته محمد و آله الطاهرین و لعنة اللہ علی أعدائهم أجمعین

واقعہ کربلا اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت' تاریخ کا انتہائی اہم واقعہ ہے۔ جس کی وسعت نے دانش ور اور مفکرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مجموعی طور پر اس واقعہ میں تین پہلوؤں کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے:

(۱) واقعہ عاشورہ کے وقوع پذیر ہونے کے علل واسباب۔

(۲) واقعہ کربلا میں پیش آنے والے واقعات۔

(۳) تاریخ اسلام اور انسانی معاشروں پر اس عظیم واقعہ کے اثرات۔

مندرجہ بالا جہات میں سے ہر جہت کے مختلف پہلو ہیں- جن میں سے بعض کا تجزیہ کرتے ہوئے واقعہ کربلا کے بارے میں پیدا ہونے والے بعض شکوک وشبہات کے جوابات دیں گے۔

قابل ذکر ہے کہ یہ تصنیف کسی کے نظریات کی نفی ہے اور نہ ہی کسی شخصیت کا انکار ہے' بل کہ یہ اس عظیم واقعہ کی مختلف جہات سے تحقیق ہے اور اس سے جو نتائج برآمد ہوئے ہیں ان کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابھی تک کسی نے ان سے پردہ نہیں اُٹھایا تھا۔ اسی وجہ سے اس تصنیف کا نام ''حقائق عاشورہ کے مخفی پہلو'' رکھا گیا ہے (واضح رہے کہ محرم الحرام ۱۴۲۸ ہجری کے آخر میں مرکز حقائق اسلامی اور حوزۂ علمیہ قم المقدسہ کے طلبا کرام کے لیے حضرت آیت اللہ میلانی نے ''حقائق عاشورہ کے مخفی پہلو'' کے عنوان سے درس دیے تھے۔ جنھیں مدون ومرتب کر کے محققین اور محبان اہل بیت علیہم السلام کی خدمت میں کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے)۔

اس بحث میں ہم اپنے مذہب کے علما اور بزرگان کا طرز اسلوب اپنائیں گے' وہی اسلوب جو زمانہ قدیم سے لے کر دورِ حاضر تک اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ مربوط مسائل کے سلسلے میں اپنایا گیا ہے یعنی دفاعی طریقہ کار اور شبہات کو دور کرنا۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ علمائے امامیہ ہمیشہ سے مکتبِ تشیع کے مبانی کو بیان کرتے چلے آ رہے ہیں اور تاریخی واقعات سے بھی پردہ اُٹھاتے رہے ہیں۔ جن میں اغیار کی طرف سے اس مکتب پر کیے گئے حملوں کا جواب بھی شامل رہا ہے اور تقریر و تحریر میں زیادہ تر دفاعی حالت میں رہے تھے اور اب بھی ہیں اور ہمارے مذہب کے دشمن ہمیشہ سے مختلف ہتھکنڈوں سے ہمارے بنیادی مبانی پر حملہ کرتے رہے ہیں' جس کے جواب میں علمائے امامیہ ہمیشہ ان کے جوابات دیتے رہے ہیں۔

اس کے علاوہ مکتبِ تشیع کے دانش مند اپنی بحث و گفتگو میں ہمیشہ دوسرے مذاہب اور مکاتبِ فکر کے ساتھ حُسنِ معاشرت اور ان کے ادب و احترام کا خیال رکھتے آئے ہیں اور شیعیانِ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ دوسرے مذہب کے پیروکاروں بل کہ دوسرے ادیان کے پیروکاروں کے ساتھ بحث و تمحیص کے موقع پر اپنے کردار و گفتار میں ہمیشہ ادب و احترام کو ملحوظِ خاطر رکھیں۔

جب کہ اس کے برعکس تاریخ کے اوراق گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے مخالفین نے اپنی گفتگو' کتب اور تقاریر میں ہمیشہ سے ہمارے مذہب اور شیعیانِ علیؑ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا ہے۔ انھوں نے ہر ممکن طریقے سے اس مذہب اور اس کے پیروکاروں کے خلاف محاذ جنگ کھڑا کیا ہے' حتیٰ کہ بعض اوقات تو قتل کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا ہے اور آج بھی بعض ممالک میں یہ سلسلہ جاری ہے۔

اسی وجہ سے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ ہمیشہ اسلامی فرقوں کے مابین اختلافات کو ہوا دینے اور ان میں تفرقہ ڈالنے میں پیش قدم رہے ہیں اور غالباً ہمارے علما کی روش ان حملوں کا دفاع کر رہی ہے۔ اس بنیاد پر ہم نے بھی اس تصنیف میں ادب و متانت کا

دامن تھاما ہے اور پوری کوشش کی ہے کہ تند و سخت گفتگو سے اجتناب کیا جائے۔

قابل ذکر ہے کہ اس تصنیف میں درج ذیل مآخذ اور منابع سے استفادہ کیا گیا ہے:

- انساب الاشراف، فتوح البلدان، بلاذری۔
- الطبقات الکبری، ابن سعد۔
- تاریخ طبری۔
- تاریخ مدینہ دمشق، ابن عساکر۔
- تاریخ حلب، ابن عدیم حلبی۔
- المعجم الکبیر، ابوالقاسم طبرانی۔
- کتب ابوالفرج ابن جوزی حنبلی بغدادی۔
- تاریخ الاسلام و سیرہ اعلام النبلاء، شمس الدین ذہبی۔
- الکامل فی التاریخ، ابن اثیر۔
- البدایہ والنہایہ، ابن کثیر دمشقی۔
- الفتوح، ابن الاعثم کوفی۔
- الاخبار الطوال، دینوری۔
- مروج الذہب، مسعودی۔
- مقاتل الطالبیین، ابوالفرج اصفہانی۔
- المستدرک علی الصحیحین، حاکم نیشاپوری۔
- مسند احمد بن حنبل۔
- الاستیعاب، ابن عبدالبر مالکی قرطبی۔
- اسد الغابہ، ابن اثیر۔

اسی طرح ابن حجر عسقلانی کی کتب اور اہل سنت کی تفاسیر، تواریخ اور حدیثی کتب جو ان

کے قدیمی مآخذ میں شمار ہوتی ہیں اور ہمارے زمانے میں شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہیں [اور غالباً گذشتہ علما کی دسترس سے باہر تھیں] سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ نیز اس کتاب کو شیعہ علما کی کتب سے بھی مزین کیا گیا ہے جو درج ذیل ہیں:

* الارشاد، مفید۔
* لہوف، سید ابن طاؤس۔
* بحار الانوار، علامہ مجلسی۔

......*......

واقعہ کربلا
تاریخ کے آئینے میں

واقعہ کربلا کو زندہ رکھنے کے لیے ائمہ طاہرینؑ کی کوششیں

شیعہ اثنائے عشری ہمیشہ سے ہی مخالفین کے حملوں کا نشانہ بنتے آئے ہیں اور ہمارے علما اعتقادی، فقہی...... محاذ پر مکتب تشیع کا دفاع کرتے رہے ہیں۔ حیلہ بازوں نے جن بہانوں کے ذریعے مکتب تشیع پر حملہ کیا ہے ان میں سے ایک "واقعہ کربلا" بھی ہے۔

محرم ۶۱ ہجری جس سال یہ دل خراش واقعہ پیش آیا اسی دن سے ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان کے شیعوں نے اپنے رہبروں کی پیروی کرتے ہوئے اس عظیم دن کو زندہ رکھا ہے، البتہ سیدالشہداؑ کی عزاداری کی بنیاد خود سرور کونینؐ نے رکھی تھی اور اس مطلب پر شیعہ اور سنی احادیث کی کثرت، تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں (قارئین گرامی اس سلسلہ میں اہل سنت کی روایات سے آگاہی کے لیے علامہ امینی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سیرتنا وسنتنا اور علامہ سید شرف الدین کی کتاب "المجالس الفاخرہ" کے مقدمہ کی طرف رجوع کریں)۔

دوسری طرف ہمارے دشمنوں اور مخالفین کی پوری کوشش رہی ہے کہ اس دن کو طاقِ نسیان میں رکھ دیا جائے اور اس واقعہ کے آثار کو ختم کر دیا جائے۔ درحقیقت ائمہ طاہرین علیہم السلام اور خاندانِ رسالت کے دوسرے افراد نے جتنی کوشش اس واقعہ کو زندہ رکھنے کے سلسلے میں کی ہے اور اس عظیم دن کو باقی رکھنے میں صرف کی ہے اتنی ہی کوشش مخالفین نے کی کہ اس واقعہ کے اثرات ونتائج کو ختم کر دیا جائے اور یہ دن صفحۂ تاریخ سے محو ہو جائے۔ اس بنا پر روزِ عاشورہ، موافق اور مخالف دو محاذوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ ایک جماعت کی پوری جدوجہد ہے کہ یہ دن ہمیشہ باقی رہے اور دوسری جماعت کی حتیٰ المقدور یہ کوشش وسعی ہے کہ اس اہم اور تاریخی دن کو محو کر دیا جائے۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ تاریخِ اسلام میں ان خصوصیات کا حامل کوئی اور دن نہیں ہے۔

البتہ بطور نمونہ روزِ غدیر کو اس دن جیسا قرار دے سکتے ہیں کہ جیسے ہی واقعہ غدیر رونما ہوا ہے اس وقت کچھ افراد ایسے تھے جنھوں نے کوشش کی کہ اس واقعہ کا انکار کریں۔ بعض نے اپنی توانائیاں اس بات پر صرف کر دی ہیں کہ واقعہ غدیر کو بے اہمیت یا کم اہمیت پیش کریں اور اس

کے برعکس اہل ولایت نے پوری کوشش کی ہے کہ اس تاریخی و جاودانہ دن کو ہمیشہ زندہ رکھا جائے۔ یہ خصوصیات اور اہتمام روزِ غدیر اور روزِ عاشورہ کی عظمت اور اہمیت پر دلالت کرتا ہے۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جس دن واقعہ عاشورہ وقوع پذیر ہوا اس دن معاویہ یزید اور نہ ہی بنی اُمیہ کسی کے ذہن میں یہ بات کھٹکی تھی کہ یہ واقعہ اور اس کے نتائج بنی اُمیہ اور ان کے پیروکاروں کے خلاف اور مکتبِ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں نکلیں گے۔

اس لیے عزاداری کو برپا کرنا اور سید الشہداؑ اور ان کے باوفا اصحابؓ کی عزاداری کے سلسلے میں تقریبات منعقد کرنا تمام شیعیانِ حیدرِ کرارؑ کی ذمہ داری ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اس دن کے احترام کو ہمیشہ زندہ رکھیں۔ یہ ہمارے واجبات میں شامل ہے لہٰذا جو شخص جس منصب اور عہدہ پر فائز ہے وہ اپنے مقام اور حیثیت کے مطابق اس دن کو زندہ رکھنے میں سعی و کوشش کرے۔

یہ بات بھی واضح ہے کہ عزاداری سید الشہداؑ کے احکام اور آداب ہوتے ہیں جنھیں ملحوظِ خاطر رکھنے کے لیے مومنین اپنے مراجع تقلید کی طرف رجوع کریں اور دوسرے مذہبی اُمور کی طرح عزاداری سید الشہداؑ کو بھی شرعی حدود کے اندر رہ کر برپا کریں۔

البتہ خالق اکبر اور حضرت ولی عصرؑ کے لطف و کرم کے طفیل ایران میں عزاداری سید الشہداؑ احسن طریقہ سے برپا ہوتی ہے اور ان باشکوہ تقریبات میں دوسرے ادیان کے پیروکار بھی شرکت کرتے ہیں اور ان مجالس کی برکات کو انھوں نے بھی محسوس کیا ہے۔ سید الشہداؑ کی مجالس، مذہبی تقریبات ہیں اس لیے ان پر پابندی لگانا شائستہ حرکت نہیں ہے لیکن بعض اسلامی ممالک میں سید الشہداؑ کی عزاداری کے بارے میں فتنہ انگیز گفتگو اور حرکات کا ارتکاب کیا جاتا ہے جس کے انتہائی تلخ اور قابلِ افسوس نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

واقعہ کربلا کو مٹانے کی ناکام کوششیں

اس سے قبل اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بعض دشمنوں کی یہ پوری کوشش رہی ہے کہ ہر ممکنہ طریقے سے اس عظیم اور تاریخی واقعہ کو فراموش اور طاقِ نسیان میں رکھ دیا جائے۔ بعض علمائے

اہلسنت نے کتابیں' مقالہ جات اور مختلف حربے استعمال کیے ہیں تا کہ واقعہ عاشورہ اور عزاداری سیدالشہداؑ کی حیات جاودانی کو روکا جاسکے۔ ذیل میں چند نمونے پیش کرتے ہیں:

① عرفان و تصوف:

شیخ عبدالقادر جیلانی اہل سنت کے نامور عالم دین اور سلسلہ تصوف کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا مزار بغداد میں زیارت گاہ بنا ہوا ہے' وہ کہتے ہیں:

قد طعن قوم على صام هذا اليوم العظيم و ماورد فيه من التعظيم و زعموا انه لا يجوز صيامه لأجل قتل الحسين بن على رضى الله عنهما فيه. و قالوا: ينبغي أن تكون المصيبة فيه عامّةً لجميع الناس لفقده فيه' و أنتم تتخذونه يوم فرح و سرور و تأمرون فيه بالتوسعة على العيال و النفقة الكثيرة و الصدقة على الفقراء و الضعفاء و المساكين و ليس هذا من حق الحسين رضى الله عنه على جماعة المسلمين

"بعض لوگ اہل سنت پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم روز عاشورہ روزہ کیوں رکھتے ہو! یہ صحیح کام نہیں ہے کیوں کہ اس دن نواسۂ رسولؐ حسینؑ ابن علیؑ کو شہید کیا گیا ہے اور فرزند رسولؐ کی مصیبت کے دن سزاوار ہے کہ تمام افراد عزاداری برپا کریں (اولاً اس مقام کے کتاب کے ترجمہ میں صلواۃ کی جگہ صرف [ص] لکھا ہوا ہے اور ثانیاً عبارت میں آگے چل کر عبدالقادر جیلانی نے [صلی اللہ علیہ وآلہ] مکمل لکھا ہے)۔ لیکن اہل سنت حضرات نے اس دن کو خوشی و سرور کا دن قرار دیا ہے اور لوگوں کو خوشی و شادمانی کی محافل برپا کرنے اور نئی پوشاکیں اور ایسی غذا تناول کرنے کی ترغیب دلاتے ہیں جو عید کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے' یہ کام صحیح نہیں ہے۔"

اس کے بعد وہ یوں جواب دیتے ہیں:

هذا القائل خاطی و مذهبه قبیح فاسد؛ لأن الله تعالی اختار لسبط نبیّه صلی الله علیه وآله الشهادة...... یوم عاشوراء لا یتّخذ یوم مصیبة لأنّ یوم عاشوراء أن یتّخذ یوم مصیبة لیس بأولی من أن یتّخذ یوم موته فرح و سرور......

"اعتراض کرنے والے نے اشتباہ کیا ہے اور اُس کا عقیدہ صحیح نہیں ہے کیوں کہ خالق اکبر نے سبطِ رسولؐ کو شہادت کے اعلیٰ منصب پر فائز کیا ہے اس لیے روزِ عاشورہ کو روزِ مصیبت قرار دینا معقول نہیں ہے، کیوں کہ اس دن عاشق کو اپنے معشوق کا وصال نصیب ہوا ہے اس لیے اس دن کو خوشی وسرور کا دن قرار دینا چاہیے۔"

عبدالقادر مزید لکھتے ہیں:

ولوجاز أن نتّخذ یوم موته یوم مصیبة لکان یوم الاثنین أولی بذلك؛ اذ قبض الله تعالیٰ نبیّه محمدًا صلی الله علیه وآله فیه و کذلك أبوبکر الصدیق قبض فیه......

"اگر یہ طے پا جائے کہ روزِ عاشورہ کو روزِ عزا و ماتم قرار دیا جائے تو پھر بدرجہ اولیٰ سوموار کے دن کو روزِ غم قرار دیں کیوں کہ اس دن پیغمبرؐ خاتم اور حضرت ابوبکر کی رحلت ہوئی تھی" (غنیۃ الطالبین، ۶۸۳-۶۸۷؛ نفحات الازہار، ۴/۲۳۵)۔

② تقدس اور پرہیزگاری

علمائے اہلِ سنت کے بعض علما ایک اور انداز سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل کو مشتبہ بنا کر مقابلے پر اُتر آئے ہیں۔ غزالی نے اپنی کتاب "احیائے علوم الدین" میں تقدس اور پرہیزگاری کا سہارا لے کر پوری کوشش کی ہے کہ عزاداری سیدالشہدا علیہ السلام کو کم اہمیت ثابت کریں، وہ لکھتے ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ سیدالشہدا علیہ السلام کے قتل کا یزید کی طرف منسوب ہونا اور یزید کا

حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہونا ثابت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص حسینؑ ابن علیؑ کا قاتل تھا، ممکن ہے اس نے مرنے سے پہلے توبہ کر لی ہو۔ چناں چہ سید الشہداء علیہ السلام کے قاتل پر لعنت بھیجنا صحیح نہیں ہے۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

سید الشہداء علیہ السلام کے قاتل پر لعنت بھیجنے سے ذکر الٰہی کرنا زیادہ بہتر ہے (احیائے علوم الدین، ۱۲۵/۳-۱۲۶)۔

یعنی ''لا الہ الا اللہ'' اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت بھیجنے سے ''لا الہ الا اللہ'' کا ذکر کرنا زیادہ ثواب کا حامل ہے۔

غزالی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے:

① معلوم نہیں ہے کہ یزید سید الشہداء علیہ السلام کا قاتل ہے اور پھر جو بھی قاتل تھا شاید اس نے مرنے سے قبل توبہ کر لی ہو۔

② حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل پر لعنت بھیجنے سے بہتر یہ ہے کہ ہم ذکر الٰہی کریں۔

③ تکذیب واقعہ

تیسرا طریقہ کار جو استعمال کیا گیا ہے وہ واقعہ عاشورہ کی تکذیب ہے اور یہ طریقہ ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے کہ یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو ہرگز قتل نہیں کیا ہے اور نہ ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کی ازواج اور خاندانِ رسالت، رشتہ داروں اور حامیوں کو اسیر کیا ہے۔

چناں چہ ان باتوں کا یزید کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے، وہ اس طرح لکھتا ہے:

ان یزید لم یأمر بقتل الحسین باتفاق النقل و لکن کتب الی ابن زیاد ان یمنعه عن ولایة العراق و الحسین رضی الله عنه کان یظن أن أهل العراق ینصرونه...... فقاتلوه حتی قتل شهیدًا مظلومًا رضی الله عنه

ولما بلغ یزید أظهر التوجع علی ذلك و ظهر البکاء فی داره و

لم یسب له حریمًا أصلاً بل أکرم أهل بیته و أجازهم حتی یردّهم الی بلدهم...... (منہاج السنہ: ۴/۴۷۲)۔

"تمام علما (راوی اور تاریخ نویس) اس مطلب پر اتفاق نظر رکھتے ہیں کہ یزید نے سید الشہدا علیہ السلام کے قتل کا حکم نہیں دیا تھا۔ یزید نے ابن زیاد کو خط لکھ کر اس بات پر مامور کیا تھا کہ عراق میں حسینؑ کی حکومت قائم نہ ہونے دو۔ حضرت امام حسین علیہ السلام یہ سوچ رہے تھے کہ اہل عراق ان کی مدد کریں گے لیکن وہ حسینؑ ابن علیؑ کے خلاف جنگ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے حتیٰ کہ انھیں مظلومیت کے ساتھ شہید کر دیا۔ جب اس بات کی خبر یزید کو پہنچی تو اس نے غم و غصہ کا اظہار کرتے ہوئے گریہ کیا۔ اس نے سید الشہدا علیہ السلام کے خاندان کو ہرگز اسیر نہیں بنایا' بل کہ انھیں عزت و احترام سے نوازا' یہاں تک وہ اپنے شہر واپس چلے گئے۔"

چناں چہ سید الشہدا علیہ السلام شہید ہیں اور انھیں مظلومیت کے ساتھ شہید کیا گیا لہٰذا سزاوار ہے کہ انھیں "رضی اللہ عنہ" کہا جائے لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل یزید نہیں ہے اور نہ ہی اس نے سید الشہدا علیہ السلام کے خاندان کو اسیر کیا ہے' وہ مزید لکھتا ہے:

لیس ما وقع من ذلك بأعظم من قتل الأنبیاء...... و قتل النبی أعظم ذنبًا و مصیبةً

"حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت اور ان کا قتل انبیائے الٰہی کے قتل سے عظیم نہیں ہے لہٰذا اگر عزاداری کرنا ہی ہے تو پھر انبیائے الٰہی کے قتل پر کی جائے" (منہاج السنہ: ۲/۲۴۷، ۴/۵۵۰)۔

جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ عبدالقادر جیلانی کا بھی عقیدہ تھا کہ عاشورہ کے دن عزا اور عزاداری برپا کرنے سے تو بہتر یہ ہے کہ رسولؐ خدا اور حضرت ابوبکر کی وفات پر عزاداری کی جائے۔

دوسری طرف ابن تیمیہ نے بھی اسی انداز کو اپناتے ہوئے کہا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل انبیائے الٰہی کے قتل کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تو پھر انبیاءؑ کے قتل کے دن کو روزِ عزا قرار نہیں دیتے؟ اس بنا پر بعض اہل سنت علما کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قتل یزید ابن معاویہ کے توسط سے یا اس کی ایما پر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل نہیں کہہ سکتے یا کم از کم اس بات میں (کہ یزید قاتل امام حسینؑ ہے) شک پایا جاتا ہے اور اس بات میں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کوئی نیک عمل تھا اور شرعی تقاضوں کے مطابق تھی یا نہ تھی...... اہل سنت کی تاریخ خاموش ہے۔

جی ہاں! ان کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اعلیٰ درجے پر فائز ہوئے ہیں لہٰذا جس دن ان کی روح ملکوتی نے پرواز کی ہے اس دن کو سرور اور خوش حالی کا دن قرار دینا چاہیے اور ایسی محافل جو اعیاد کے شایانِ شان ہیں برپا کرنا چاہیں۔ یہ سب کچھ کس غرض و مقصد کی خاطر ہے؟......

حقائق کا ایک جلوہ

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ علمائے عرفان اور تصوف اپنے مخصوص طریقہ کار کے مطابق واقعہ عاشورہ کے خلاف کمربستہ ہوئے ہیں اور اس روش کے بانی عبدالقادر جیلانی ہیں جو اہل سنت کے ہاں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں لیکن ان سب واقعات کے باوجود بھی حقیقت پنہاں نہیں رہی اور بعض علمائے اہل سنت کی قلم و گفتار سے ان نظریات کی رد میں حقائق منظر عام پر آتے رہے ہیں۔

ابوالفرج ابن جوزی حنبلی جو اہل سنت کے نامور علما میں سے ہیں، اس بارے میں کچھ اس طرح رقم طراز ہیں:

قد ذهب قم من الجهال بمذهب أهل السنة، فقصدوا غيظ الرافضة، فوضعوا احاديث في فضل عاشوراء، و نحن برآء من الفريقين (الموضوعات: ۱۹۹/۲)

ان کاموں (یعنی عاشورہ کے روز جشن اور خوشی و سرور کی محافل کا انعقاد کرنا) کو شام کے ناصبی انجام دیتے ہیں تا کہ ان کے ذریعے شیعان علیؑ کو اذیت دے سکیں۔ حتیٰ کہ انھوں نے ان کاموں کے جواز میں احادیث بھی گھڑ رکھی ہیں ہم دونوں گروہوں سے (یعنی وہ گروہ جو اس دن عزاداری برپا کرتا ہے اور وہ گروہ جو اس دن خوشی و سرور کی محافل منعقد کرتا ہے) بیزاری کا اعلان کرتے ہیں۔

اہل سنت کے ایک اور محقق ''مناوی'' اس نظریے کو رد کرتے ہوئے مجدالدین فیروز آبادی صاحب ''قاموس'' کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

اختلق أعداء أهل البيت أحاديث في استحباب التوسعة على العيال يوم عاشوراء و الاغتسال و الخضاب و الاكتحال (فیض القدیر:۶/۳۰۶)۔

عاشورہ کے دن روزہ رکھنا' نماز' انفاق' خضاب' تیل اور سرمہ لگانا کی فضیلت میں جو کچھ بیان ہوا ہے' وہ بدعت ہے۔ جسے قاتلین حضرت امام حسین علیہ السلام نے شروع کیا ہے' لہٰذا عاشورہ کے دن سرمہ لگانا' اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کی علامت ہے' لہٰذا اس کا ترک کرنا واجب ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ عاشورہ کا دن عید کا دن ہے اور اہل بیت علیہم السلام اور شیعیانِ علیؑ کو اذیت دینے کی خاطر احادیث گھڑی ہوئی ہیں انھیں ''ناصبی'' کہا جاتا ہے۔

ایک اور موقف

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ ایک گروہ ایسا ہے جو یزید کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت اور قتل کا ذمہ دار نہیں ٹھہراتا بلکہ اس کا انکار کرتا ہے۔ اس کے مقابلے میں کچھ دوسرے گروہ بھی ہیں جن کا موقف مختلف ہے' یہ اہل سنت کے بلند پایہ علما اور ان کے نزدیک عظیم قدر و منزلت پر فائز ہیں۔ انھوں نے اس بات کا واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل یزید ہے البتہ واقعہ کربلا کے بارے میں ان کا کوئی خاص نظریہ نہیں ہے اور اس عظیم تاریخی واقعہ سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

ابن تیمیہ کے نامور شاگرد ابن قیم جوزی کہتے ہیں:

و نعتقد حب آل محمد و أزواجه و سائر أصحابه رضوان الله عليهم، و نذكر محاسنهم و ننشر فضائلهم و نجل السنتنا و قلوبنا عن التطلع فيما شجر بينهم، و نستغفر الله لهم و نتوسل الى الله تعالى باتباعهم و نرى الجهاد و الجماعة ماضيًا الى يوم القيامة و السمع و الطاعة لولاة الأمر من المسلمين و اجبًا في طاعة الله تعالى دون معصيته، لا يجوز الخروج عليهم و لا المفارقة لهم. ولانكفر أحدًا من المسلمين بذنب عمله و لوكبر، و لاندع الصلاة عليهم، بل نحكم فيهم بحكم النبي، و نترحم على معاوية، و نكل سريرة يزيد الى الله تعالى

''ہم رسولؐ خدا کے خاندان' ازواجِ رسولؐ اور دوسرے صحابہ سے محبت کرتے ہیں اور ان پر اعتقاد رکھتے ہیں اور ان کے فضائل اور مناقب نقل کرتے ہیں اور ان سے جو غیر شائستہ حرکات سرزد ہوئی ہیں' ان سے اپنی زبان اور دل سے کوئی چیز بھی نقل نہیں کرتے' ان کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں اور ان کی پیروی کو بارگاہِ خداوندی میں وسیلہ قرار دیتے ہیں (اجتماع الجیوش الاسلامیہ:۱/۱۰۳)۔

...... اور حاکم وقت کے خلاف قیام کرنا کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے اگرچہ اس سے گناہِ کبیرہ ہی کیوں نہ سرزد ہو جائے! کسی کے لیے جائز نہیں ہے کہ اسے کافر کہا جائے...... اور معاویہ کے لیے رحمت طلب کرتے ہیں اور یزید کا معاملہ خدا پر چھوڑتے ہیں تاکہ وہ جو چاہے انجام دے'' (ابن قیم کی طرف خداوند عالم کی بارگاہ میں توسل کا اظہار محققین کے لیے بذاتِ خود ایک جالب مطلب ہے)۔

شمس الدین ذہبی بھی اہل سنت کے بزرگ علما میں شمار ہوتے ہیں وہ بھی یزید کے قاتل اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے شہید ہونے کا اعتراف کرنے کے باوجود واقعہ کربلا کی طرف عدم توجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

افتتح دولته بمقتل الشهيد الحسين عليه السلام و اختتمها بواقعة الحره' فمقته الناس

"یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کر کے اپنی حکومت کا آغاز کیا اور اس کی حکومت کا اختتام واقعہ حرہ پر ہوا" ...... (سیرہ اعلام النبلاء:۴/۳۸)۔

وہ آگے چل کر لکھتے ہیں:

يزيد ممن لا نسبه و لا نحبه

"یزید ان افراد میں سے ہے جنھیں ہم گالیاں دیتے ہیں اور نہ ہی ان کی محبت کا دم بھرتے ہیں" (سیرہ اعلام النبلاء:۴/۳۸)۔

کربلا کے واقعہ کی طرف عدم توجہ یہ بھی ایک حربہ ہے تا کہ واقعہ کربلا کو کم اہمیت ظاہر کیا جائے۔ اہل سنت کے بعض علما نے اسی ہتھکنڈے کو استعمال کیا ہے۔

کیا یہ علما' تاریخ وعلوم دینی پر لکھی گئی اتنی تالیفات کے باوجود حقیقت کو نہیں جانتے؟ اگر حقیقت حال ان پر واضح ہے تو پھر خاموشی کیوں سادھ رکھی ہے؟ انکار کرتے ہیں اور نہ ہی تائید کرتے ہیں؟ یزید کے اعمال پر سوالیہ نشان کیوں نہیں لگاتے؟ اور اسی طرح کے دسیوں سوالات؟

پیش نظر تحقیق میں مذکورہ بالا سوالات کے جوابات بعض اہل سنت کے اقوال سے تلاش کر کے منظر عام پر لائے جائیں گے جس میں بعض اہل سنت علما کا یہ بیان واضح طور پر موجود ہے کہ یزید نے حسینؑ بن علی علیہ السلام کو قتل کر کے اچھا کام کیا ہے۔

جی ہاں! یہ افراد نہ صرف امامیہ کے ہاں قابل نفرت ہیں بل کہ ان پر اہل سنت کے بزرگان نے بھی لعنت اور پھٹکار بھیجی ہے جیسا کہ آگے آئے گا۔

خلاصۂ کلام

اہل سنت کے بعض علما نے مختلف حربوں سے روزِ عاشورہ کی مخالفت کی ہے اور اس دن کو زندہ رکھنے اور سید الشہدا علیہ السلام کے نام کو باقی رکھنے کے خلاف نبرد آزما رہے ہیں۔ اُنھیں اس بات کا بہ خوبی علم تھا کہ مسلمان ان مصائب اور مظالم کو جو نواسۂ رسولؐ پر ڈھائے گئے ہیں سننے کے بعد ظلم و جور کی حکومت پر اُنگلیاں اُٹھائیں گے' لہٰذا وہ اس دن کو زندہ رکھنے کے خلاف برسرِ پیکار ہو گئے۔ انھوں نے کبھی تقویٰ کا راستا اور کبھی واقعہ کربلا اور یزید کے قاتل ہونے میں شک و تردید اور کبھی عرفانی طریقہ اپنایا جس کی بنا پر حضرت امام حسین علیہ السلام وہ شہید ہیں جنھوں نے روزِ عاشورہ کمال و عظمت کا اعلیٰ مقام حاصل کیا ہے۔ چناں چہ اس دن کو خوشی و سرور کے دن کے طور پر یاد کیا جانا چاہیے۔

یزید کے قاتل ہونے کا اقرار اور اس کے کام کی تائید

اہل سنت کے ایک اور گروہ نے چراغِ ہدایت کو خاموش کرنے کے لیے نیا انداز اپنایا اور پہلے محققین سے بھی آگے نکل گئے ہیں۔ انھوں نے یزید کے قاتل ہونے کا اقرار کیا ہے' لیکن یزید بن معاویہ کے اس فعل پر شرعی رنگ چڑھا کر اس کے جرائم کی تائید کر ڈالی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یزید کی حکومت شرعی حکومت تھی لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام نے ایک شرعی و الٰہی حکومت کے خلاف قیام کیا ہے! بالفاظ دیگر یزید اور یزیدیوں کی شرعی ذمہ داری یہی بنتی تھی کہ وہ (العیاذ باللہ) حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کر دیں۔ حسینؑ بن علی علیہ السلام کے قاتلوں نے رسولِ خدا کے فرمان پر عمل کیا ہے!

ابن خلدون اور شہادت سید الشہدا علیہ السلام کی مخالفت

مشہور اور نامی گرامی مؤرخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی کتاب میں ایک مقدمہ تحریر کیا ہے جو علمی محافل میں مقدمہ ابن خلدون کے نام سے معروف ہے۔ البتہ اہل سنت کے ہاں یہ کتاب ایک خاص پہلو سے قابل توجہ ہے شاید اسی وجہ سے ہمارے ملک کے اہل قلم' کتاب اور

صاحب کتاب کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حافظ سخاوی کا شمار اہل سنت کے عظیم راویان حدیث اور تاریخ نویسوں میں ہوتا ہے۔ وہ ابن خلدون کے حالاتِ زندگی میں لکھتے ہیں: میرے اُستاد ابن حجر عسقلانی نے اپنے اُستاد ابوالحسن ہیثمی سے ابن خلدون کے بارے میں کچھ یوں بیان کیا ہے کہ میں نے ابوالحسن ہیثمی کو دیکھا جو بڑے غیظ و غضب میں ابن خلدون کو برا بھلا اور اس کے خلاف کلمات کہہ رہے تھے (ابن حجر عسقلانی 'اہل تسنن کے نزدیک ایک عظیم اور بزرگ شخصیت ہیں)۔

ابن حجر کہتے ہیں: میں نے ہیثمی سے ابن خلدون کے بارے میں اس موقف کی وجہ دریافت کی تو اُنھوں نے جواب دیا:

أنّه بلغه أنّه ذكر الحسين بن علي رضى الله عنهما فى تاريخه فقال: قتل بسيف جدّه

''ابن خلدون اپنی تاریخ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے: جس تلوار سے حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کیے گئے وہ ان کے جد بزرگوار رسولؐ خدا کی تلوار تھی۔''

ابن حجر مزید لکھتے ہیں:

و لما نطق شيخنا بهذا اللفظة أردفها بلعن ابن خلدون و سبّه و هو يبكي (الضوء اللامع: ۴/ ۱۴۷)۔

''جب ہمارے شیخ نے ابن خلدون کے قول کو نقل کیا تو اس پر لعنت بھیجی اور وہ اس وقت رو رہے تھے اور آنسو بہا رہے تھے۔''

اس کے بعد سخاوی' ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں کہ تاریخ ابن خلدون میں ایسی کوئی بات موجود نہیں ہے۔

لہٰذا یہاں سے پتا چلتا ہے کہ تاریخ ابن خلدون کے بھی مختلف نسخہ جات تھے اور جو نسخہ حافظ ابوالحسن ہیثمی کے پاس تھا۔ اس میں ابن خلدون کا شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلے

میں یہی نظریہ تھا۔ تاریخی کتب میں اس طرح کا ردوبدل بڑی کثرت سے کیا گیا ہے چناں چہ میں نے جب تاریخ ابن خلدون کی طرف رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ اس کتاب کے تین یا چار صفحات حذف کر دیے گئے ہیں۔

چناں چہ ابن خلدون کا جو نسخہ میرے پاس ہے اس میں سرے سے واقعہ کربلا اور شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں ابن خلدون کا کوئی کلام ذکر ہی نہیں ہوا ہے (تاریخ ابن خلدون: ۵/۵۰)۔

واقعہ کربلا پر پردہ ڈالنے کا ایک اور انداز یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کے حالات زندگی کو نقل ہی نہ کیا جائے۔ چناں چہ الطبقات الکبری نامی کتاب میں امام عالی مقام سید الشہدا علیہ السلام اور واقعہ کربلا کو ذکر ہی نہیں کیا گیا۔ البتہ ایک محقق کو اس کتاب کا خطی نسخہ ملا ہے جس میں سید الشہدا علیہ السلام کے حالات کو "ترجمہ الامام حسین علیہ السلام من تاریخ ابن سعد" جدا جلد کے طور پر لکھا گیا ہے۔

ستم تو یہ ہے کہ ہمارے پاس جو مقدمہ ابن خلدون ہے اور شاید اس کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا ہے۔ اس میں ایک باب "ولی عہد" کے عنوان سے موجود ہے جس میں امیر معاویہ کے زمانے میں یزید کی ولی عہدی کے بارے میں حالات لکھے ہوئے ہیں۔

شاید ابن حجر نے مذکورہ عبارت کو اس جگہ سے نقل کیا ہے البتہ ابن خلدون نے اپنے مقدمے میں جیسا کہ ابن حجر نے اشارہ کیا ہے ذکر نہیں کیا ہے لیکن اس باب میں سید الشہدا علیہ السلام کے حق میں بڑی گستاخی کی ہے اور یزید کا بہت زیادہ دفاع کیا ہے اور نہ صرف یزید کا دفاع کیا ہے بل کہ امیر معاویہ اور وہ صحابہ جو یزید کے ہم راہ تھے ان کی حمایت بھی کی ہے! چناں چہ وہ لکھتے ہیں:

"حسینؑ بن علیؑ نے یزید کی بیعت کو توڑ دیا جب کہ رسولؐ خدا کے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ یزید کی حکومت شرعی اور برحق ہے لہٰذا یزید کے خلاف قیام کرنا صحیح نہیں ہے......!"

اس نے اپنے تعصب کا اظہار کچھ اس انداز سے کیا ہے کہ گویا سید الشہداؑ نے یزید کی بیعت کی تھی اور بعد میں اُسے توڑ دیا (تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۲۱۲)۔

ابن خلدون کی عبارت سے جو اہم نکتہ حاصل ہوتا ہے اور ہماری بحث میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے وہ شہادت سید الشہداؑ کے سلسلے میں صحابہ اور امیر معاویہ کا دخیل ہونا ہے۔

ابن عربی مالکی کا نظریہ

ابن عربی مالکی (متوفی ۵۴۳ ہجری) اہل سنت کی بلند مرتبہ شخصیات میں شمار ہوتے ہیں (یہ ابن عربی مالکی' ابن عربی صاحب فتوحات مکیہ کے علاوہ ہے)۔

ان کے حالاتِ زندگی' تاریخی کتب اور ان کتابوں میں جو مفسرین اور راویوں کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہیں' دیکھے جا سکتے ہیں۔ ان کے حالاتِ زندگی کے بارے میں لکھا جاتا ہے:

الامام' العلامه' الحافظ و القاضی...... (سیر اعلام النبلاء ۲۰/ ۱۹۷)

وہ سنت کے حافظ' عالم' پیشوا اور منصبِ قضاوت پر فائز تھے۔ ابن عربی مالکی کے بارے میں بس اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے اپنی کتاب "العواصم من القواصم" میں اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کی ہے اور مکتبِ تشیع کے ساتھ دشمنی کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابن تیمیہ نے بہت سارے مطالب اس شخص اور اس کی کتابوں سے اخذ کیے ہیں۔ وہ سید الشہداؑ کے بارے میں اپنے نظریات کچھ یوں بیان کرتا ہے:

لم يقتل الحسين الا بسيف جدّه

"حسینؑ اپنے نانا کی تلوار سے قتل ہوئے ہیں" (شرح قصدہ الہمزیہ: ۲۷۱' فیض القدیر: ۱/ ۲۶۵' ح ۲۸۱' العواصم من القواصم: ۲۱۳)۔

دوسرے علما نے ابن عربی کے کلام پر تنقید کی ہے۔ ابن حجر مکی شیعوں کے ساتھ دشمنی و عداوت کے باوجود وہ بھی ابن عربی مالکی کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں:

يقشعر منه الجلد (شرح قصدة الہمزة: ۲۷۱)

"اس کے کلام میں لرزہ طاری جاتا"

ان دو سوالوں کے ضمن میں اہل سنت کے نزدیک خلافت و ولایت تک پہنچنے کی بنیاد کیا ہے؟ اور ابن عربی کے کلام کا کیا نتیجہ نکلتا ہے؟ اپنی بحث کو جاری رکھتے ہیں۔

ابن حجر مکی ابن عربی کے کلام کو یوں نقل کرتے ہیں اور اس کی وضاحت بیان کرتے ہیں:

انه الخليفة، و الحسين باغ عليه و البيعة سبقت ليزيد و يكفي فيها بعض أهل الحلّ و العقد، و بيعته كذلك، لأنّ كثيرين أقدموا عليها مختارين لها. هذا مع عدم النظر الى استخلاف ابيه له، امّا مع النظر لذلك، فلا يشترط موافقة احد من اهل الحلّ و العقد على ذلك (شرح قصدۃ الہمزۃ: ۲۷۱)

”یزید خلیفہ ہے اور کسی حکومت یا خلافت کی شرعی حیثیت کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اہل حل وعقد میں سے بعض اس کی بیعت کر لیں۔ یزید کی حاکمیت، بیعت کی صورت میں تشکیل پائی ہے کیوں کہ بعض صحابہ رسولؐ خدا نے اس کی بیعت کو قبول کیا ہے اور اسے انجام دیا ہے اور اس عمل کو انجام دینے میں مکمل طور پر با اختیار تھے۔ البتہ ہمیں صرف اس صورت میں اہل حل وعقد کی بیعت کرنے کی ضرورت ہے جب یزید کی ولایت عہدی اور جانشینی معاویہ کے توسط سے وقوع پذیر نہ ہوئی ہو لہٰذا یزید کی جانشینی جو معاویہ کے توسط سے وقوع پذیر ہوئی ہے اور اس نے خود یزید کو اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اس صورت میں اہل حل وعقد میں سے کسی شخص کی موافقت کی شرط نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر تمام اہل حل وعقد بھی اس کی مخالفت کریں پھر بھی اس کی شرعی حیثیت کے لیے معاویہ کی وساطت سے یزید کو پیش کیا جانا اور اسے جانشین بنانا کافی ہے۔“

ابن حجر ابن عربی کے کلام کی اس طرح وضاحت کرتے اور پھر اس پر تنقید کرتے ہیں۔

حجر مکی کی یہی تھی:

یقشعر منه الجلد

"اس کے کلام سے لرزہ بر اندام ہو جاتا ہے۔"

جب علمائے اہل سنت کے ثابت شدہ مآخذ سے اس قسم کی گفتگو کی حکایت کی جائے تو اس صورت میں یزید کی حکومت کی حقانیت اور حجت کے لیے معاویہ کا اسے جانشین بنانا ہی کافی ہوگا اور یزید کے خلاف کیا جانے والا قیام باطل ہوگا۔ خواہ قیام کرنے والے حسینؑ بن علیؑ ہی کیوں نہ ہوں وہ حسینؑ جو جگر گوشۂ بتول ہے اور......

لہٰذا اگر وہ قیام کرنے کے نتیجے میں قتل کیے جاتے ہیں تو ان کا قتل کیا جانا برحق ہے اور ان کا قیام کرنا ایک باطل عمل تھا۔ مناوی ابن عربی کے کلام کو بے ہودہ قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد غلب على ابن الغض من أهل البيت حتّى قال: قتله بسيف جدّه (رجوع کریں فیض القدیر: ۱/۲۶۵)

"اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی اور انھیں حقیر دکھانا' ابن عربی کے دل و دماغ پر غلبہ پا چکا ہے اور یہ باعث بنا ہے کہ وہ یہاں تک کہہ ڈالے کہ حسینؑ اپنے ناناؐ کی تلوار سے قتل ہوئے ہیں۔"

ابن حجر کی طرف سے دوبارہ معاویہ اور صحابہ کا ذکر کرنا ناقابل فراموش ہے۔ درحقیقت یہی وہ صحابہ تھے جن کی یزید کے ساتھ ہم راہی سبب بنی کہ یزید کی حکومت کی بنیادیں انھی کے کاندھوں پر اُستوار کی جائیں' یہ کون سے صحابہ تھے؟ کیا وہی لوگ تھے اگر نہ ہوتے تو یزید کی حکومت کو استحکام نہ ملتا؟ مختلف ابحاث کے ذیل میں ان سوالات کے جواب دیں گے۔

ابن عربی مالکی' معاویہ کی وساطت سے یزید کے جانشین اور اس کی طرف سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لینے کی بحث میں' اس منصب خلافت کے لیے یزید کی لیاقت و صلاحیت کی گفتگو کے بعد' صحیح بخاری کی ایک یا چند احادیث کو ذکر کرتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی تھی (واضح رہے کہ صحیح بخاری ایک ایسی کتاب ہے جس میں کوئی بھی اہل سنت شک نہیں کر سکتا)۔

وہ مزید لکھتا ہے:

فهذه الاخبار الصحاح كلّها تعطيك أنّ ابن عمر كان مسلّمًا في أمر يزيد و انّه بايع و عقد له و التزم الناس ودخل فيما دخل فيه المسلمون و حرّم على نفسه و من اليه بعد ذلك أن يخرج على هذا أو ينقضه و ظهرلك أنّ من قال: انّ معاوية كذب في قوله: بايع ابن عمرو لم يبايع و أنّ ابن عمرو أصحابه سئلوا فقالوا: لم نبايع. فقد كذب' وقد صدق البخاري في روايته قول معاوية على المنبر: انّ ابن عمر قدبايع

"ان احادیث سے یہی اخذ ہوتا ہے کہ ابن عمر یزید کی خلافت کے تابع تھے اور اس کی ولایت کو قبول کیا اور اس کی بیعت کی اور جس طرح دوسرے لوگ یزید کی خلافت کے پابند تھے اسی طرح وہ بھی تھے اور جس بیعت کے حصار میں دوسرے مسلمان تھے' یہ بھی داخل ہو گئے۔ اس کے علاوہ اپنے اور اپنے اہل وعیال اور اپنے دوستوں پر یزید کی مخالفت کو حرام قرار دیا۔ اس کے بعد معاویہ نے فرازِ منبر سے اعلان کیا: عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کر لی ہے اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے اور معاویہ جھوٹ بولتا ہے وہ شخص خود جھوٹا ہے۔

اس بنا پر پہلا صحابی جس کی طرف یزید کی حکومت' خلافت اور ولایت کے قبول کرنے کی نسبت دی گئی اور اس کی حکومت کو استحکام ملا' وہ عبداللہ بن عمر ہے۔"

ابن عربی مالکی مزید لکھتا ہے:

فان قيل: كان يزيد خمارًا' قلنا: لا يحل الاّ بشاهدين' فمن شهد بذلك عليه؟...... (العواصم من القواصم: ۲۰۹-۲۱۱)

"اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ یزید تو شرابی تھا (تو پھر کس طرح اسلامی

حکومت کی باگ ڈور سنبھال لی) تو اس کے جواب میں کہیں گے کہ آپ
کے لیے ایسے کلمات کہنا جائز نہیں ہے بل کہ دو عادل گواہ اس بات کی
گواہی دیں گے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ یزید نے شراب پی ہے۔اب کس
میں دم ہے جو یہ کہے کہ یزید نے شراب پی ہے؟"

شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے سلسلے میں ابن عربی مالکی کے تنقیدی کلام کا خلاصہ کچھ اس طرح ہوگا:

① جب اہل کوفہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دی اور امام علیہ السلام کوفہ کی جانب سے چل پڑے تو امام علیہ السلام کا یہ اقدام صحابہ میں سے ایک بزرگ ہستی یعنی ابن عمر کی رائے کے خلاف تھا۔ گویا یہ بھی سید الشہداء علیہ السلام کا ایک کم زور پہلو ہے کہ انھوں نے ابن عمر کی بات کو قبول نہیں کیا اور کوفیوں کی دعوت کو قبول کر لیا (عدَلَ عن رأی شیخ الصحابة ابن عمر)۔

② جب لوگوں نے سید الشہداء علیہ السلام کو شہید کیا اور امام علیہ السلام کے ساتھ جنگ وقتال کیا تو انھوں نے رسولؐ خدا کے فرمان کی روشنی میں یہ اقدام کیا تھا۔ ہم سوال کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ خاتم نے اس سلسلے میں کیا فرمایا ہے؟ جواب دیتے ہیں کہ رسولؐ خدا فرما گئے ہیں:

فمن اراد ان یفرق امر هذا الامة وهی جمیع فاضربوه بالسیف کائنًا من کان (مسند احمد:۳/۳۴۱،۲۶۱، صحیح مسلم:۶/۲۲ اور دوسرے مآخذ)۔

"اگر اُمت متحد ہو اور کوئی شخص اُمت میں تفرقہ اندازی کرے تو اسے قتل کر دیا جائے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔"

حتیٰ وہ شخص "حسینؑ بن علیؑ" ہو!

جی ہاں! اگرچہ وہ حسینؑ بن علیؑ ہی کیوں نہ ہو۔

اگر یہ حدیث رسولؐ خدا سے صادر ہوئی ہے تو ابن عربی مالکی نے اس حدیث کا مصداق سید الشہداء علیہ السلام کو قرار دیا ہے اور امام عالی مقام علیہ السلام کو اس حدیث کی روشنی میں واجب القتل سمجھا ہے۔

نظریات کا خلاصہ

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ہم یوں کہہ سکتے ہیں:

① یزید کی حکومت شرعی و الٰہی تھی۔

② معاویہ کو برا بھلا کہنا صحیح نہیں ہے۔

ابن خلدون اس سلسلے میں لکھتا ہے:

ایاك أن تظن بمعاویة رضی اللّٰه عنه انه علم ذلك من یزید فانّه أعدل من ذلك و أفضل (تاریخ ابن خلدون:۱/۲۱۲)

''معاویہ کے لیے غیر شائستہ گمان سے پرہیز کرو بے شک اس کی عدالت اس سے کہیں زیادہ ہے اور ان کا مرتبہ عظیم ہے۔''

③ یزید کی حکومت پر اعتراض کرنا حقیقت میں معاویہ اور صحابہ اور خصوصاً شیخ الصحابہ ابن عمر پر اعتراض کرنے کے مترادف ہے۔ یہ وہ صحابی ہے کہ بخاری نے اس کی طرف سے یزید کی بیعت کرنے کو ذکر کیا ہے اور صحابہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنانا کفر کے مساوی ہے۔

④ سید الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام نے برحق حکومت کے خلاف قیام و خروج کیا لہٰذا وہ خارجی ہیں۔

⑤ جن لوگوں نے بھی شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام میں حصہ لیا ہے انھوں نے قول رسولؐ خدا پر عمل کیا ہے اور پیغمبرؐ اکرم کی پیروی و اطاعت میں اس عمل کو انجام دیا ہے۔

ایسے کلمات جن کو لکھنے اور کہنے سے دل کانپتا ہے۔ ہم خداوند عالم کی پناہ میں جاتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے یزید کی برحق حکومت کے خلاف قیام کیا تھا لہٰذا وہ واجب القتل تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتلوں نے نا صرف کوئی گناہ نہیں کیا ہے بل کہ رسولؐ خدا کے فرمان پر عمل کیا ہے لہٰذا اجر و ثواب کے مستحق بھی ہیں۔

جی ہاں! ایسے اعتقادات رکھ کر ہماری سرزنش کرتے ہیں۔ وہ شخص جو واجب القتل تھا

اور برحق قتل کیا گیا' اس کی عزاداری کرتے ہو اور عاشورہ کے دن اس کے لیے مجالس عزا برپا کرتے ہو؟ لہٰذا ہم تمھارے خلاف برسرِ پیکار رہیں گے اور ان مجالس عزا کو ختم کر کے دم لیں گے حتیٰ کہ اگر ہمارا بس چلا تو عزادارانِ حسینؑ کو بھی ختم کر دیں گے۔

واقعہ عاشورہ کے خلاف جہاد کیوں؟

سید الشہداؑ کی عزاداری برپا کرنا ایک ایسا تیر ہے جو معاویہ کے سینے میں پیوست ہوتا ہے۔ اگر حضرت امام حسینؑ کا تذکرہ کریں تو لامحالہ اس کا نتیجہ معاویہ کی طعن و تشنیع پر ختم ہوتا ہے لہٰذا ان کے لیے ایک ہی راہِ حل ہے کہ عزاداری کے خلاف کمربستہ ہو جائیں اور عاشورہ کی مجالس میں رخنہ ڈالیں تاکہ ان صحابہ کی آبروریزی نہ ہو سکے جو معاویہ اور یزید کے ہم راہ تھے اور انھوں نے یزید کی بیعت کی تھی۔

عبدالمغیث حنبلی بغدادی کا نظریہ

ایک اور محقق جس نے واقعہ عاشورہ کے بارے میں اظہارِ نظر کیا ہے۔ وہ عبدالمغیث بن زہیر حنبلی بغدادی ہے جس کا انتقال ۵۸۳ ہجری قمری کو ہوا۔ اہل سنت کے سیرہ نویس اس کے حالاتِ زندگی میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

كان صالحًا متدينًا صدوقًا ثقةً ورعًا أمينًا حسن الطريقة جميل السيرة حميد الأخلاق مجتهدًا فى اتباع السنّة

"وہ صالح' متدین' صادق' پرہیزگار' مطمئن' امین' خوش رفتار' بااخلاق اور ہمیشہ سنت پیغمبرؐ کی پیروی میں کوشاں رہنے والے شخص تھا" (شذرات الذہب ۴/۲۷۵)۔

اہل سنت کے نزدیک ان تمام اوصاف و القاب و عظیم منزلت والے محقق نے یزید بن معاویہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل کتاب کو تالیف کیا ہے۔ وہ معاویہ کی شان میں رسولؐ خدا کے فرمان کو یوں نقل کرتا ہے:

اللّٰهم اجعله هاديًا و اهد به (الردعلی المتعصب العنید، ۵۰)

"پالنے والے! تُو معاویہ کو ہادی قرار دے اور لوگوں کو یہ توفیق عنایت فرما
کہ وہ معاویہ کے طفیل ہدایت حاصل کر سکیں۔"

لہٰذا اس حدیث کی مدد سے ہمیں معاویہ کے فرزند کی ولایت کو قبول کرنا چاہیے۔ یہ محقق آگے چل کر یوں کہتا ہے:

ومن كان هادٍ لا يجوز أن يطعن عليه فيما اختار من ولاية يزيد (الرد علی المتعصب العنید، ۷۵)

"وہ شخص جو خود ہادی ہے اس کے خلاف کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایسے شخص کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائے اور کہے کہ معاویہ نے یزید کو اپنا جانشین کیوں مقرر کیا ہے......!"

آگے چل کر لکھتا ہے:

ولاية يزيد ثبتت برضى الجميع ...... (الرد علی المتعصب العنید، ۷۷)

"یزید کی ولایت اجماع سے ثابت ہو جاتی ہے۔"

علمائے اہل سنت کے متعصب علما کے نظریات کا خلاصہ ایک جملے میں یوں ہوگا: رسولؐ خدا کی احادیث جو خلفا اور امرا کی پیروی کو واجب گردانتی ہیں' کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کہیں کہ حسینؑ بن علیؑ ایک باغی ہیں!

جی ہاں! ایسی باتوں کو لکھنے اور پڑھنے سے وہ دل جو سید الشہداؑ کی محبت سے سرشار ہے' وہ غم و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر مذہب اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کا دفاع ہماری ذمہ داری نہ ہوتی تو ایسے کلمات کو ہرگز نقل نہ کرتے۔

اس کے بعد عبدالمغیث حنبلی بغدادی یزید پر وارد ہونے والے اعتراضات کے جواب میں لکھتا ہے کہ یزید کے باپ کے احترام میں یزید کو برا بھلا نہیں کہنا چاہیے۔

جی ہاں! یہ نہ کہو کہ یزید شراب پیتا تھا...... یہ بھی نہ کہو کہ یزید محارم کے ساتھ نکاح کرتا تھا...... کسی کو بھی حق نہیں پہنچتا کہ وہ یزیدی کردار کو دوسروں کے سامنے بیان کرے......

زبان پر مُہر خاموشی کیوں لگا دیں؟ یزید کے باپ کے احترام میں لب کشائی نہ کریں!
یہ سب مطالب اس کتاب میں ملتے ہیں جسے حنبلی بغدادی نے تاریخ کے حقائق پر پردہ ڈالنے کے لیے تحریر کیا ہے۔

لیکن حقائق پر کبھی پردہ نہیں ڈالا جا سکتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات یہ حقائق انھی کے مذہب کے علما اور دانش وروں کی نوک قلم سے جاری ہو جاتے ہیں اور یہ دلیل اور سرچشمہ بن جاتے ہیں کہ اہل سنت کے بعض علما یزید اور اس کی بدکرداری کا دفاع کریں اور پھر دوسرے علما اس کے بارے میں گفتگو اور کتابیں لکھیں۔

عبدالمغیث حنبلی کی کتاب کے جواب میں ابوالفرج ابن جوزی حنبلی نے کتاب لکھی ہے وہ عبدالمغیث کے ہم عصر تھے اور ان کا انتقال ۵۹۷ ہجری میں ہوا تھا۔ البتہ عبدالمغیث کی کتاب جو یزید کے دفاع اور اس کے فضائل پر مشتمل ہے ہماری دسترس میں نہیں آئی لیکن ابن جوزی کی کتاب "الردّ علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید" ہمارے پاس موجود ہے۔
اہل سنت کے بزرگ محققین ذہبی، ابن کثیر دمشقی اور دوسرے علما نے واضح طور پر کہا ہے کہ اے کاش! عبدالمغیث اس نوعیت کی کتاب نہ لکھتے (سیر اعلام النبلاء: ۲۱/۱۶۰)۔

اب اگر خود اس شخص یعنی عبدالمغیث ابن زہیر حنبلی سے سوال کیا جائے کہ کس دلیل کی وجہ سے آپ اور آپ جیسے دوسرے محققین یزید بن معاویہ کا دفاع کرتے ہیں وہ جواب دیں گے:

انما قصدتُ کفَّ الألسنة عن لعن الخلفاء و الاّ فلو فتحنا هذا الباب لکان خلیفة الوقت احق اللعن (سیر اعلام النبلاء: ۲۱/۱۶۱)

"میں نے یزید کا اس لیے دفاع کیا ہے تا کہ اس کام کے ذریعے خلفا پر لعنت بھیجنے والی زبانوں کو قطع کروں ورنہ اگر لعن طعن کو نہ روکا جائے اور اس کام کی اجازت دے دی جائے تو ہمارے زمانے کے خلفا لعنت کے زیادہ مستحق ہیں۔"

جی ہاں! ایسا کام کریں جس کی وجہ سے خلفا لعنت کی زد میں نہ آئیں۔ اب تک معاویہ

اور عبداللہ بن عمر کا سہارا لے کر یزید کو لعنت سے بری الذمہ قرار دیا جا رہا تھا اور اب خلفا کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے۔ پس آہستہ آہستہ شعائر حسینی اور عزاداری سید الشہداؑ کی مخالفت کا راز کھل رہا ہے اور دوسری طرف شیعیانِ علیؑ کی طرف سے عزاداری سید الشہداؑ کو برپا کرنا اور اسے مستحکم کرنے کی علت بھی واضح ہو رہی ہے۔ حضرت امام حسینؑ کے حق کی قسم! اتنی عظیم الشان عزاداری برپا کرنے کے باوجود ابھی تک ہم نے عزاداری سید الشہداؑ کا حق ادا نہیں کیا ہے اور یہ حق ہماری گردن پر موجود ہے۔

خلفا پر لعن کے سلسلے میں تفتازانی کا نظریہ

اہل سنت کے ایک اور محقق جس نے خلفا کو لعن طعن سے بچانے پر کمر ہمت باندھی ہے وہ سعد الدین تفتازانی ہیں۔ وہ گذشتہ عبارت کی نسبت زیادہ واضح الفاظ میں یزید پر لعنت نہ کرنے کی علت کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فان قیل: فمن علماء' المذهب من لم یجوّز اللعن علی یزید مع علمهم بانّه یستحق ما یربو علی ذلك و یزید

قلنا: تحامیًا عن أن یرتقی الی الاعلی فالاعلی (شرح المقاصد:۲/۳۰۷)

"اگر کوئی کہے کہ علمائے مذہب یہ جانتے ہوئے کہ یزید لعنت کا مستحق ہے بلکہ لعنت کا زیادہ سزاوار ہے پھر بھی اس پر لعنت کرنے کو جائز نہیں جانتے پس یزید پر لعنت کرنے سے کس لیے روکتے ہیں؟ تو ان کے جواب میں کہا جائے گا کہ یزید پر لعنت کرنے سے اس لیے روکا گیا ہے کہ مبادا یہ لعنت اس کے باپ اور پھر معاویہ سے قبل دوسرے خلفا تک سرایت نہ کر جائے۔ گویا کہیں لعنت یزید کا سلسلہ معاویہ سے ہوتا ہوا دوسرے خلفا تک نہ جا پہنچے۔"

اس لیے ابن خلدون، ابن عربی مالکی، عبدالمغیث بن زہیر اور تفتازانی میں سے کسی نے بھی حقیقت حال کو بیان نہیں کیا ہے کیوں کہ اس تاریخی واقعہ کے کچھ حقائق ہیں۔ جن کی ہم

کمال ادب و احترام کے ساتھ تحقیق کرتے ہیں۔ وہ مجبور ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ کو واجب القتل سمجھیں اور تاریخ کے اس دائمی حماسہ یعنی شہادت سیدالشہداعلیہ السلام کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جائیں کیوں کہ وہ موعظہ و نصیحت کے طریقۂ کار سے اس مقصد میں کام یاب نہ ہو سکے کہ عزاداری سیدالشہداعلیہ السلام کو سبوتاژ کریں۔

یہ سوچنے کا مقام ہے کہ وہ عزاداری سیدالشہداعلیہ السلام کے ساتھ کیوں برسرپیکار ہیں؟ اس لیے کہ اس واقعہ میں صحابہ کا کردار بھی شامل ہے...... کیوں کہ معاویہ اور اس سے پہلے دوسرے خلفا بھی اس جرم میں برابر کے شریک ہیں۔

واقعہ کربلا میں معاویہ کے کردار پر ایک نظر

واقعہ کربلا میں معاویہ کا کردار اس وقت شروع ہو گیا تھا جب اس نے اپنے فاسق و فاجر بیٹے کو اپنا ولی عہد بنایا' کیوں کہ یزید کی عیب جوئی خود بہ خود اس شخص کی جانب منتقل ہو جائے گی۔ جس نے اسے یہ منصب سونپا تھا اور مزید یہ کہ خلفائے ماقبل بھی اس جرم میں شریک قرار پائیں گے۔

ہمارے نزدیک عراق میں سیدالشہداعلیہ السلام کی شہادت کا منصوبہ خود معاویہ نے تشکیل دیا تھا۔ یزید نے تو اس کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ آنے والے عاشورہ کے مخفی پہلوؤں میں صبر و دقت کے ساتھ' غور و فکر کرنے سے ان حقائق سے پردہ اُٹھ جائے گا۔

اب تحقیق و بحث کے لیے مجبور ہیں کہ جو مطالب بیان کیے گئے ہیں ان میں مزید دقت اور چھان بین کریں۔ اس سے قبل اس متعصب گروہ کے سیدالشہداعلیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں جو نظریات بیان کیے جا چکے ہیں کہ بعض دوسرے اہل سنت کے محققین نے اس متعصب گروہ پر شدید نکتہ چینی کی ہے۔

حافظ ابن حجر مکی' ابن عربی مکی کے موقف کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس کے کلام سے تو انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ عبدالقادر جیلانی جس نے کہا تھا کہ روز عاشورہ خوشی اور شادمانی کا دن ہونا چاہیے' اس کے جواب میں ابن جوزی حنبلی نے کہا ہے کہ یہ بے ہودہ اور

باطل گفتگو ہے۔

ہم آگے چل کر اہل سنت کے مختلف ادوار کے دوسرے محققین اور دانش وروں احمد بن حنبل سے لے کر شہاب الدین آلوسی بغدادی اور شیخ محمد عبدہ مصری تک کے اقوال آپ کی خدمت میں پیش کریں گے اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ یہ تمام بزرگان یزید پر لعنت بھیجنے اور اس کے کام سے بیزاری و نفرت کا اعلان کرتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے تو یزید کو واضح طور پر کافر بھی کہا ہے۔

لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کو واجب القتل سمجھنا اہل سنت کے مخصوص علما کے گروہ کا نظریہ ہے۔ انھیں دوسرے علمائے اہل سنت سے جدا سمجھنا چاہیے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے پیروکار یزید کو "امیرالمومنین یزید بن معاویہ" یا "خلیفۃ المظلوم یزید بن معاویہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔ جب یہ ہمارے مولا و آقا حضرت ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کو واجب القتل سمجھتے ہیں تو پھر لامحالہ ہم جو امام عالی مقام علیہ السلام کے پیروکار ہیں ہمیں بدرجہ اولیٰ کافر سمجھیں گے اور ہمارے خون کو بھی مباح خیال کریں گے۔

اس سخت گیر گروہ کا اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں تعصب و غصہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ حجاج بن یوسف کے بارے میں کتابیں تالیف کر ڈالی ہیں اور تاریخ کے اس بڑے مجرم اور خون خوار کا دفاع کرتے ہیں حتیٰ کہ معاویہ کی ماں [ہندہ] جگر خوارہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل کتاب لکھ ڈالی ہے۔

ان لوگوں کی عموماً اہل سنت کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہے اور اکثر مسلمان ان سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا تھا کہ شیعوں کے علاوہ عام مسلمان بھی عاشورہ کی مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس افراطی و تندرو گروہ کی مخالفت میں خود اہل سنت کے بزرگ علما کھڑے ہو گئے ہیں اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان کا شمار ان علما میں ہوتا ہے جن کے اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں کوئی اچھے نظریات نہیں ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس افراطی و متعصب ٹولے کے نظریات کو مسترد کرتے ہیں۔ ان

علما میں ابوالحسن ہیثمی' ابن حجر مکی اور ابن جوزی حنبلی وغیرہ شامل ہیں جو اپنے اپنے زمانے کے حافظ تھے۔

متعصب علمائے اہل سنت کے نظریات کا تنقیدی جائزہ

گذشتہ بیانات کی روشنی میں ان متعصب و سخت گیر گروہ کے فکری نظریات واضح ہو جاتے ہیں۔ جوانانِ جنت کے سردار سید الشہداؑ کی شہادت کے بارے میں ان کے نظریات ذیل میں بیان کیے جاتے ہیں:

① تمام صحابہ کا یزید کی حاکمیت اور ولایت کو قبول کرنا

یہ بات تاریخی حقائق کے خلاف ہے چناں چہ آگے بیان کریں گے کہ اس زمانے میں بزرگ صحابہ اور نام ور شخصیات یزید کی حکومت و ولایت کی مخالف تھیں۔ اسی وجہ سے معاویہ کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور یزید کی ولی عہدی کے لیے مختلف حربے استعمال کیے تاکہ اپنے مخالفین کو یزید کی جانشینی قبول کرنے پر مجبور کر سکے۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ، ابوسعید خدری' سہل بن سعد انصاری' زید بن ارقم اور دوسرے صحابہ نے یزید کی جانشینی کے مقابلے میں سکوت اختیار کیا۔ واضح سی بات ہے کہ ان کا سکوت یزید کی جانشینی پر رضامندی کے طور پر نہ تھا بل کہ وہ حالت تقیہ میں تھے اور معاویہ کے دورِ حکومت میں اصحابِ رسولؐ کے مابین تقیہ عام طور پر رائج تھا کیوں کہ انھیں خوف تھا کہ جو حشر دوسروں کا ہوا ہے کہیں ان کے ساتھ بھی وہی حشر نہ ہو......!

لہٰذا اصحابِ رسولِؐ خدا کا سکوت معاویہ کے کام پر ان کی رضامندی کی دلیل نہیں ہے۔

اس کے علاوہ صحابہ کا معاویہ کے ساتھ تعاون' طمع یا خوف یا ڈرانے دھمکانے کی وجہ سے تھا۔

② یزید کی ولایت میں عبداللہ بن عمر کا کردار

ابن عربی مالکی نے صحیح بخاری میں آنے والی احادیث کہ عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی اور اس کی ولایت کو قبول کر لیا تھا' کا حوالہ دیا ہے' اس کے کلام کے نقد میں ہم یہ کہیں گے کہ خود ابن عربی مالکی کہتا ہے کہ بعض علمانے عبداللہ بن عمر کی طرف سے یزید کی بیعت کرنے

کی نفی کی ہے اور اس بات کی تصدیق نہیں کرتے (العواصم من القواصم:۲۰۸)۔

اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل سنت عبداللہ بن عمر کی جانب سے یزید کی بیعت کرنے کے سلسلے میں اختلاف رکھتے ہیں۔ البتہ یہ صحیح بخاری میں ذکر ہوا ہے اور خود بخاری بھی اسی متعصب گروہ سے ہے کہ یزید اور شہادت سیدالشہداؑ کے بارے میں جن کے نظریات بیان کیے گئے ہیں۔

عبداللہ بن عمر کی شخصیت میں معمولی سی تحقیق کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ وہ نظریاتی ونفسیاتی طور پر کمزور انسان تھے اور ان کی اپنی کوئی شخصیت نہ تھی اور اگر ان کا احترام کیا بھی جاتا تو وہ باپ کی وجہ سے تھا اور ابن عربی نے انھیں ''شیخ الصحابہ'' کا لقب دے دیا ہے تاکہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے۔

جی ہاں! وہ کبھی بھی ''شیخ الصحابہ'' نہیں تھے اور اس زمانے میں وہ کسی مقام پر فائز نہ تھے۔ حتیٰ کہ دوسرے خلیفہ حضرت عمر [جو ان کے باپ تھے] وہ بھی انھیں قبول نہیں کرتے تھے۔ جب حضرت عمر کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے عبداللہ کو کوئی منصب یا عہدہ دیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ عبداللہ کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ کس طرح زوجہ کو طلاق دی جاتی ہے؟ اس حالت میں کس طرح اسے کوئی منصب یا عہدہ دیا جا سکتا ہے (الطبقات الکبریٰ:۳/۳۴۳)۔

حتیٰ کہ بعض مقامات پر عبداللہ بن عمر اپنے باپ کی مخالفت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چناں چہ ''متعہ'' کے مسئلے میں معروف ہے کہ اُنھوں نے کہا کہ میرے باپ نے حرمت متعہ کا جو حکم صادر کیا ہے یہ رسولؐ خدا کے حکم کے خلاف ہے اور ہمیں چاہیے رسولؐ خدا کے حکم کی اطاعت کریں نہ کہ میرے باپ کے حکم کی (قابل ذکر ہے کہ ہم نے متعۃ النساء اور حج تمتع کے سلسلے میں جداگانہ تحقیق کی ہے جو عن قریب زیور طبع سے آراستہ ہو جائے گی)۔

یزید کی ولی عہدی کے سلسلے میں ملتا ہے کہ معاویہ نے عبداللہ بن عمر کو ایک لاکھ درہم دیے۔ اُنھوں نے اس رقم کو قبول کر لیا اور یزید کی جانشینی پر خاموشی اختیار کر لی (فتح الباری:۱۳/۶۰، الکامل فی التاریخ:۵/۳۷۳)۔

جی ہاں! اس نے خاموشی اختیار کر لی لیکن کیا یہ حقیقت ہے کہ عبداللہ بن عمر نے معاویہ کے زمانے میں یزید کی بیعت بھی کی تھی یا نہیں؟

اس سلسلے میں علمائے اہل سنت اور ان کے بزرگان میں اختلاف نظر پایا جاتا ہے۔ اس شخص کی شخصیت کے کم زور پہلوؤں کو ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کے بعد عبداللہ بن عمر نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کی۔ اس کے برعکس جب مدینے کے لوگوں نے یزید کے خلاف قیام کیا اور واقعہ حرہ رونما ہوا۔

اس وقت عبداللہ بن عمر نے یزید کی بیعت کی اور پھر یزید کے بعد جب حکومت کی باگ ڈور عبدالملک بن مروان کے ہاتھوں میں آئی تو عبداللہ بن عمر نے کہا: میں نے رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اس حالت میں صبح کرتا ہے کہ اس نے وقت کے خلیفہ کی بیعت نہ کی ہو تو وہ شخص مسلمان نہیں ہے۔ اسی وجہ سے رات کی تاریکی میں حجاج بن یوسف ثقفی جو عبدالملک بن مروان کی جانب سے اس علاقہ کا گورنر تھا' کے پاس گیا اور بیعت کر دی۔ حجاج نے اس سے کہا کہ اتنی بھی جلدی کیا تھی کہ تُو رات کی تاریکی میں آ گیا صبح تک صبر کر لیتے......!

عبداللہ نے جواب دیا کہ مجھے ڈر ہے کہ آج رات اس دنیا سے کوچ کر جاؤں اور عبدالملک بن مروان کی بیعت میری گردن پر نہ ہو۔ وقت کے خلیفہ کی بیعت نہ کرنے سے کاندھوں پر ذمہ داری آ جاتی ہے اور مجھے چاہیے کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں!

حجاج نے کہا کہ میں کام میں مصروف ہوں۔ اس کے بعد اپنے پاؤں کو دراز کیا اور کہا کہ میرے پاؤں پر بیعت کرو! (شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید: ۱۳/ ۲۴۲)۔

عبداللہ بن عمر نے حجاج بن یوسف ثقفی کے پاؤں پر بیعت کی تاکہ اس طرح وقت کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کی بیعت کر سکے۔

جی ہاں! عبداللہ جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت نہ کی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے اتنا رسوا ہونا پڑا۔

۳ یزید پر لعنت نہ بھیجنے کا سبب

اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ اہل سنت کے بعض علما کا عقیدہ ہے کہ یزید پر لعنت نہ بھیجی جائے۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ یزید نے جو مظالم ڈھائے ہیں پھر اس پر لعنت کیوں نہ کی جائے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ اگر یزید پر لعنت کی گئی تو پھر لعنت کا سلسلہ "الاعلیٰ فالاعلیٰ" یزید پر رُکنے والا نہیں ہے بل کہ اس سے بھی اُوپر جائے گا اور ان لوگوں کا دامن بھی اس کی لپیٹ میں آ جائے گا جن کے لیے ایسی جسارت کرنا سزاوار نہیں ہے۔

جی ہاں! واقعہ کربلا میں خلفا کا کردار اس وقت سے شروع ہو گیا تھا جب حضرت عمر بن خطاب کے زمانے میں مسلمانوں نے شام کے بعض علاقوں کو فتح کیا تھا اور یزید بن ابی سفیان کو حضرت عمر بن خطاب کی طرف سے ان علاقوں کا حاکم بنایا گیا اور یزید کے انتقال کے بعد اس کا بھائی معاویہ اس علاقہ کا حاکم بن گیا اور اس کے بعد جب پورے شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو معاویہ اس پورے علاقے کا حاکم مطلق بن گیا۔ حضرت عثمان بن عفان نے بھی اپنے عہد حکومت میں معاویہ کو اس علاقے پر حاکم برقرار رکھا (تاریخ مدینہ دمشق: ۵۹/۵۵)۔

اس موقع پر ابوسفیان نے خوش ہو کر حضرت عثمان سے کہا تھا:

وصلتك رحمٌ (الاستیعاب: ۳/۱۳۶۷؛ اسد الغابہ: ۳/۳۸۶؛ تاریخ مدینہ دمشق: ۶۵/۲۵۱)

"تُو نے صلہ رحمی کی۔"

لہٰذا جن افراد نے بھی معاویہ کو اس مقام تک پہنچایا ہے وہ اس کے اچھے اور برے کاموں میں برابر کے شریک ہیں۔

کیا معاویہ نے کوئی اچھا کام بھی انجام دیا؟ بڑی واضح سی بات ہے کہ معاویہ کے کرتوت "الاعلیٰ فالاعلیٰ" تک پہنچنے والے اس کے کاموں کی فہرست میں معمولی سا غور و فکر کرنے سے یہ سوال اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ کس شخص نے اسے اس منصب پر فائز کیا تھا؟ معاویہ کو کس مقصد کے لیے شام کا حاکم بنایا گیا......؟

معاویہ کی مدح میں من گھڑت حدیث

بعض اہل سنت رسولؐ خدا کی حدیث کو نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا نے معاویہ کی شان میں فرمایا:

اللّٰھم اھدہ و اھد بہ

''پروردگار! معاویہ کو ہدایت عطا فرما اور پھر اسی کے طفیل دوسروں کو بھی ہدایت یافتہ بنا!'' (تاریخ مدینہ دمشق:۵۹ /۷۹؛ الاستیعاب:۳ /۸۴۳؛ الطبقات الکبریٰ:۷ /۴۱۸؛ تاریخ بغداد:۱ /۲۲۳ اور دوسرے مآخذ)۔

لہٰذا رسولؐ خدا کے فرمان کی روشنی میں یزید کو جانشین بنانے کی وجہ سے معاویہ کو لعن طعن نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ معاویہ پیغمبرؐ اکرم کی دعا سے ہدایت یافتہ ہے اور اُمت کا ہادی ہے اور جس شخص کی ذمہ داری اُمت کی ہدایت ہو وہ غلط کام انجام نہیں دے سکتا لہٰذا معاویہ پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اس نظریہ کی مختلف پہلوؤں سے تحقیق و تجزیہ کی ضرورت ہے

① رسولؐ خدا نے معاویہ کی شان میں کبھی کوئی حدیث بیان نہیں کی ہے۔ یہ ایک بڑا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔ رسولؐ خدا نے کبھی معاویہ کی فضیلت میں کوئی بھی حدیث بیان نہیں فرمائی اور یہ وہ بات ہے جس پر ایسے مدارک دلالت کرتے ہیں جو سب کے لیے قابل قبول ہیں۔

صحیح بخاری اہل سنت کی معتبر اور صحیح ترین کتاب شمار کی جاتی ہے جس میں اصحاب کے بارے میں ابواب ذکر کیے گئے۔ مثلاً ''فضائل فلاں'' فضائل فلاں وغیرہ اور جب معاویہ کی باری آتی ہے تو اس باب کا عنوان یہ نہیں ہے کہ ''فضائل معاویہ'' بل کہ اس باب کا عنوان ''باب ذکر معاویہ'' رکھا ہے۔

کتاب بخاری کی شرح اور اس کی وضاحت بیان کرنے والوں نے اس کا راز یہ بتایا ہے کہ کیوں کہ معاویہ کی فضیلت میں احادیث نہیں تھیں اس لیے بخاری نے باب کا

عنوان "باب فضائل معاویہ" نہیں رکھا۔ پس کب رسولؐ خدا نے ارشاد فرمایا تھا: "اللّٰھم اھدہ واھد بہ" یہ وضاحت اہل سنت کی نامور کتاب شرح صحیح بخاری میں موجود ہے (رجوع کریں، فتح الباری: ۸۱/۷)۔

۲) کیا معاویہ کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ اپنی زندگی میں یزید کو اپنا جانشین مقرر کرے؟ کیا معاویہ کا یہ اقدام شرع مقدس میں قابل قبول ہے؟ کیا اہل سنت کے نظریات اس مسئلے کو صحیح قرار دیتے ہیں؟

۳) اگر یہ فرض بھی کرلیں کہ معاویہ کو اس قسم کا حق حاصل تھا کہ وہ اپنے بعد کسی کو جانشین بنائے اور لوگوں سے اس کی بیعت لے تو اس کام کو کس طرح انجام دینا چاہیے تھا؟ بطور مثال یزید کا تعارف کراتا اور کہتا کہ وہ ایک صالح انسان ہے اور میری جانشینی اور حکومتی اُمور کو چلانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور پھر انتہائی ادب و احترام کے ساتھ لوگوں سے تقاضا کرتا کہ اپنی مرضی اور آزادی کے ساتھ یزید کی بیعت کریں۔
اگر معاویہ کو اس قسم کا حق حاصل تھا تو کیا اس نے یہ طریقہ کار اپنایا ہے؟ ہرگز نہیں۔ اس کے برعکس اس نے اپنے منصوبے کے مخالفین کو مختلف ہتھکنڈوں سے سرکوب کیا ہے بعض کو لالچ دے کر اور تجوریوں کے منہ کھول کر خریدا ہے اور بعض کو ڈرایا دھمکایا ہے اور کچھ تقیہ اختیار کر کے خاموش ہو گئے۔ اس طرح اس نے یزید کو متعارف کروایا ہے آئندہ اس بحث کو تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

۴) تحقیقات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ شدت پسند ٹولہ معاویہ کی عظمت کے گن اس لیے گاتا ہے کہ اپنے مقاصد میں کام یاب ہو سکے اور انھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ معاویہ صحابہ کے لیے سد سکندری کی حیثیت رکھتا ہے۔
اگر کوئی شخص معاویہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے تو پھر یہ لعنت صحابہ تک پہنچ جائے گی۔

ان حالات میں معاویہ کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے جہاں جعلی اور جھوٹی احادیث کا سہارا لیتے ہیں وہیں عام لوگوں حتیٰ کہ شیعیانِ علیؑ کو بھی منع کیا جاتا ہے کہ وہ معاویہ کو برا بھلا نہ کہیں

تا کہ اس کے کام من جملہ یزید کو جانشین بنانا صحیح قرار پائیں۔ نمونہ کے طور پر تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر اور دوسری کتب کی طرف رجوع کریں۔ وہ معاویہ کے حالات زندگی کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ اسلام ایک گھر کی مانند ہے اور ہر گھر کے دروازے ہوتے ہیں اور صحابہ کرام اس گھر کے محافظ اور دروازوں کی مانند ہیں اور معاویہ کی مثال ان دروازوں کی کنڈی کی طرح ہے' لہٰذا جو شخص معاویہ سے معترض ہوتا ہے گویا وہ صحابہ اور اسلام سے برسرپیکار ہے (تاریخ مدینہ دمشق: ۲۱۰/۵۹)۔

اس نظریہ کو دو طرح سے باطل قرار دیا جا سکتا ہے:

پہلا جواب: اصلاً یہ بات ہی باطل ہے کیوں کہ قطعی اور محکم احادیث کے صریحاً خلاف ہے جو رسولؐ اسلام سے صادر ہوئی ہیں کیوں کہ رسولؐ اسلام تو ارشاد فرماتے ہیں:

إِنِّی تَارِکٌ فِیکُمُ الثَّقَلَینِ کِتَابَ اللّٰهِ وَ عِترَتِی اَهلِ بَیتِی

"یاد رکھو! میں تمھارے درمیان دو گراں بہا چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنے اہل بیت علیہم السلام"۔[1]

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

اَنَا مَدِینَةُ العِلمِ وَ عَلِیٌّ بَابُهَا

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے"۔[2]

---

(۱) یہ حدیث شریف شیعہ و سنی دونوں کے اہم منابع میں ذکر ہوئی ہے۔ بطور مثال: چند منابع کا ذکر کرتے ہیں: بصائر الدرجات: ۴۳۳ باب ۱۷، امالی، شیخ صدوق رحمہ اللہ: ۵۰۰، الارشاد، شیخ مفید: ۱/ ۲۳۳، الاحتجاج: ۱/ ۲۱۶-۲۱۷، بحار الانوار: ۲۳/ ۱۳۳-۱۳۴، مسند احمد: ۳/ ۱۴-۱۷-۵۹ اور ۱۸۴، فضائل الصحابہ، نسائی: ۱۵، المستدرک علی الصحیحین: ۳/ ۱۰۹، ۱۴۸، السنن الکبری، نسائی: ۵/ ۴۵-۱۳۰، مجمع الزوائد: ۹/ ۱۹۳ منابع دیگر۔

(۲) یہ حدیث شریف بھی شیعہ و سنی دونوں کے اہم منابع میں ذکر ہوئی ہے بطور مثال: چند منابع کا ذکر کرتے ہیں: امالی شیخ صدوق رحمہ اللہ: ۴۵۳، عیون الاخبار الرضا علیہ السلام: ۱/ ۷۲ ح ۲۹۸، بحار الانوار: ۴۰/ ۷۰ ح ۱۰۴، المستدرک علی الصحیحین: ۳/ ۱۲۶، المعجم الکبیر: ۱۱/ ۵۵، سنن ترمذی: ۵/ ۳۰۱ رقم ۳۷۰۷، ذخائر العقبی: ۷۷، کنز العمال: ۱۳/ ۱۴۸ اور دوسرے مآخذ۔

ہمارا منبع رسولؐ خدا کا کلام ہے جسے خود اہل سنت نے پیغمبرؐ اسلام سے نقل کیا ہے۔ جب کہ اس کے برعکس یہ شدت پسند افراد کہتے ہیں صحابہ اسلام میں داخل ہونے کا دروازہ ہیں اور معاویہ صحابہ کرام کا محافظ ہے' کیوں؟ کیوں کہ ان کے خیال میں اگر معاویہ کے بند کو توڑ دیا گیا تو اسلام کا دروازہ ٹوٹ جائے گا۔ جس کے نتیجے میں اسلام کی ہتک حرمت ہو گی لہٰذا جس نے بھی معاویہ کو برا بھلا کہا اس نے گویا اسلام کے خلاف جسارت کی۔

معاویہ کے بارے میں اس قسم کے باطل نظریات رکھنے کا مقصد کیا ہے؟ صرف اس لیے کہ زبانوں کو معاویہ کی سرزنش کرنے سے روکیں' مبادا یہ طعن و تشنیع معاویہ سے اوپر سرایت کر جائے اور صحابہ کا دامن بھی داغ دار ہو جائے۔

دوسرا جواب: یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کے بعض محققین نے ان حقائق سے پردہ اُٹھایا ہے اور اس سخت گیر ٹولہ کے نظریات کو باطل قرار دیتے ہیں جیسے نسائی کہ اس نے ان کے کلمات پر مُہرِ بطلان ثبت کر دی ہے۔

نسائی اہل سنت کے نام ور محقق ہیں اور ان کی کتاب سنن نسائی اہل سنت کی چھے معروف کتابوں میں شمار ہوتی ہے جسے تمام اہل سنت قبول کرتے ہیں۔ مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ جب نسائی شام میں داخل ہوا تو وہاں کے لوگوں کے دلوں میں علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے بارے میں سخت دشمنی اور کینہ پایا جاتا تھا۔ لہٰذا نسائی نے لوگوں کی ہدایت کی خاطر امیر المومنین علی علیہ السلام کے مناقب اور فضائل پر مشتمل کتاب لکھ ڈالی۔

شام کے لوگ اس کے پاس آئے اور تقاضا کیا کہ معاویہ کے فضائل و مناقب میں روایات نقل کرو۔ اس نے جواب دیا: کیا معاویہ کے بھی فضائل و مناقب ہیں جنھیں بیان کروں؟ جب لوگوں نے نسائی کی زبان سے یہ جواب سنا تو اس پر حملہ کر دیا اور اسے اتنا مارا کہ وہ بیماری میں مبتلا ہو گیا اور اس کے بدن کے نازک حصوں پر بیماری کے اثرات پیدا ہو گئے۔ اسے مکہ لے گئے اور پھر وہ اسی بیماری میں انتقال کر گئے۔ اس وجہ سے مؤرخین جب نسائی کے حالاتِ زندگی لکھتے ہیں تو کہتے ہیں:

توفی بہا مقتولاً شہیدًا (تہذیب الکمال:١/٣٣٩؛ خصائل امیرالمومنین علیہ السلام؛ نسائی:١١؛ تہذیب التہذیب:١/٣٣؛ البدایہ والنہایہ:١١/١٣١)۔

''نسائی کو قتل کیا گیا ہے اور وہ شہید ہے۔''

یہ داستان کتاب سیرہ اعلام النبلاء میں آئی ہے جو کہ بہت بڑا مجموعہ ہے جس میں اہل سنت کے علما اور دوسرے فرقوں کے علما کے حالاتِ زندگی درج ہیں۔ اس کتاب کے مصنف حافظ ذہبی ہیں جو اہل سنت کے نام ور مؤرخ، رجال شناس اور محدث ہیں (سیر اعلام النبلاء:١٣/١٢٩-١٣٠)۔

اس کے باوجود ذہبی کا شمار اہل سنت کے متعصب علما میں ہوتا ہے وہ یزید کے بارے میں کہتے ہیں:

لا نحبّہ و لا نسبّہ (سیرہ اعلام النبلاء:٤/٣٦)

''ہم یزید کو دوست رکھتے ہیں اور نہ ہی اس کو برا بھلا کہتے ہیں۔''

یہ جملہ اس کے تعصب کو بیان کرتا ہے اس کو برا بھلا نہیں کہتے؟ کیا یزید نے اہل بیت علیہم السلام کو اذیت نہیں دی؟ اس نے فرزند فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کو بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔ اہل بیت علیہم السلام کو اذیت دینا رسولؐ خدا کو اذیت دینے کے مترادف ہے اور رسولؐ خدا کو اذیت دینا خداوندِ عالم کو اذیت دینے کے مساوی ہے جو کفر ہے۔

اے ذہبی! آپ نے یہ کیوں کہا ہے:

لا نحبّہ و لا نسبّہ

البتہ اہل سنت کے علما تعصب اور سخت گیری میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ اہل سنت کے ایک اور محقق جس نے اپنے آپ کو اجازت نہ دی کہ وہ معاویہ کے لیے فضیلت کا قائل ہو وہ حاکم نیشاپوری صاحب کتاب المستدرک علی الصحیحین ہیں۔ اہل سنت انھیں ''امام المحدثین'' کے عنوان سے یاد کرتے ہیں اور وہ ان کے نزدیک بڑی فضیلت کے حامل ہیں۔ اس کے ساتھ بھی نسائی جیسا واقعہ پیش آیا۔ انھیں کہا گیا کہ معاویہ کی فضیلت کو نقل کرو۔ انھوں نے جواب دیا: کیا معاویہ کی بھی کوئی فضیلت ہے جسے میں نقل کروں؟

لوگوں نے ان پر دھاوا بول دیا...... منبر کو توڑ دیا...... اس نے فرار ہو کر اپنے گھر میں پناہ لے لی۔ لوگوں نے اس کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور اس کو گھر میں نظر بند کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد ایک شخص کو اس تک رسائی حاصل ہوئی۔ اس نے حاکم سے کہا: گھر سے باہر نکل کر معاویہ کی فضیلت میں روایت کو بیان کرو تا کہ لوگوں کے شر سے محفوظ رہ سکو۔

حاکم نیشاپوری نے جواب دیا:

لا یجئ من قلبی

''میرا جی نہیں مانتا''۔[1]

واضح رہے کہ معاویہ کے بارے میں علمائے اہل سنت کے نظریات بیان کرنے کے لیے جداگانہ کتاب کی ضرورت ہے (کچھ عرصہ قبل مدینہ منورہ کے سفر کے دوران ہمارے ہم عصر محقق کی لکھی ہوئی کتاب "اقوال الرسول الاعظم سیدنا محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم" دیکھی جس میں اس نے معاویہ اور اس کے باپ ابوسفیان کی سرزنش میں رسولؐ خدا سے منقول روایات کو جمع کیا ہے۔ اس کے بعد اہل سنت کے ماہرین علم رجال کی روشنی میں ان احادیث کی تحقیق کی ہے اور ان احادیث کو صحیح قرار دیا ہے)۔

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ معاویہ اور یزید کا اس حد تک احترام و اکرام مسلمانوں کے مخصوص گروہ کے ساتھ خاص ہے حتیٰ کہ اہل سنت مسلمانوں کے دوسرے فرقے بھی ان نظریات کے معتقد نہیں ہیں۔

⑤ شیعیانِ عراق کی حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت

واقعہ کربلا کے بارے میں اہل سنت کے شبہات میں سے ایک یہ ہے کہ شیعوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو عراق آنے کی دعوت دی۔ اس کے بعد اپنے عہد پر پورا نہ اُترے اور انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا۔ یزید نے عبیداللّٰہ بن زیاد کو خط لکھ کر یہ حکم دیا تھا

---

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۷/۱۷۵، الوافی بالوفیات: ۳/۲۶۰، تاریخ الاسلام ذہبی: ۲۸/۱۳۲، المنتظم: ۷/۲۷۵۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں اہل سنت کا حوزہ علمیہ نیشاپور میں تھا اور حاکم نیشاپوری اس خطے کا رہنے والا تھا۔ اس شخص کو فارسی زبان میں جواب دیا: دلم نمی آید "میرا دل نہیں چاہتا"۔

کہ حسینؑ بن علیؑ کو عراق آنے اور کوفہ میں حکومت قائم کرنے سے روکو؛ لہٰذا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت میں یزید کا کوئی کردار نہیں ہے بل کہ یہ شیعہ ہی ہیں کہ جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا ہے۔ انھوں نے اپنی بات کے اثبات کے لیے کتاب "من هم قتله الحسین علیه السلام؟" (کن افراد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا؟) تالیف کی ہے اور اس میں شیعوں کو خطاب کر کے کہتے ہیں کہ تم شیعوں نے خود ہی حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا ہے پھر کس لیے عزاداری کرتے ہو؟

ہم ان کے جواب میں کہیں گے کہ کوفہ کے شیعوں کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں کوئی کردار نہیں ہے۔ تحقیقات کی روشنی میں کربلا میں عمر سعد کے سپہ سالار یا تو بنی اُمیہ سے تھے یا پھر ان کا تعلق خوارج سے تھا۔ حتیٰ کہ بعض لوگ شام سے آئے تھے۔ ایسے شواہد موجود ہیں کہ بعض افراد نے دمشق سے کوفہ تک آٹھ روزہ سفر کو طے کیا تا کہ اپنے آپ کو کربلا پہنچا سکیں؛ ان مطالب کو چند حصوں میں بیان کریں گے اور یہ بات تحقیق سے ثابت ہو جائے گی۔

* شہادت سید الشہداء علیہ السلام میں معاویہ کا کردار
* واقعہ کربلا میں یزید بن معاویہ کا کردار
* شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام میں اہل کوفہ کا کردار

اس حصہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمر بن سعد کے سپہ سالاروں اور خطوط لکھنے والوں کا تعارف کروائیں گے اور اس ضمن میں بعض شبہات کے جوابات بھی دیں گے جو آج کل عمداً یا غیر دانستہ طور پر بیان کیے جاتے ہیں۔

……✱……

پہلا حصہ

شہادت سید الشہدا علیہ السلام میں معاویہ کا کردار

یزید کی خلافت اور جانشینی

سیدالشہداءؑ کی شہادت کے سلسلے میں معاویہ کے کردار کی دو پہلوؤں سے تحقیق کی جائے گی:

① یزید کی خلافت اور جانشینی

اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہے کہ خود معاویہ نے ہی یزید کو خلافت سونپی اور اپنا جانشین بنایا ہے۔ اس لحاظ سے یزید کے تمام اعمال اور کردار کو آسانی سے شرعاً، عرفاً اور قانوناً معاویہ کی طرف نسبت دی جاسکتی ہے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے اسی متعصب اور سخت گیر ٹولے کے کلام سے حاصل کیا گیا ہے۔ وہ گروہ جس نے پوری کوشش کی ہے کہ معاویہ کو لعنت کے طوق سے محفوظ رکھیں تاکہ یہ لعنت رسولؐ اکرم کے ان صحابہ تک سرایت نہ کر جائے جنھوں نے معاویہ کو شام کا گورنر بنایا تھا۔

② تاریخی مسائل میں دقیق جستجو اور اس موضوع کے ساتھ مرتبط دوسرے اُمور میں تحقیق کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ سیدالشہداءؑ کی عراق میں شہادت کی سازش خود معاویہ نے تیار کی تھی۔ اس نے اس تاریخی جرم کا پروگرام اور ابتدائی مراحل مکمل کیے تھے اور یزید نے اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا۔ البتہ ہم کتاب کے دوسرے حصے میں واقعہ عاشورہ میں یزید کے کردار پر بھی روشنی ڈالیں گے۔

ان مقدمات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یزید کی جانشینی اور ولی عہدی انتہائی مشکل کام تھا جسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے زحمت اور سیاست کو بروئے کار لانا پڑا، کیوں کہ معاویہ کے ان ناپاک عزائم کے مقابلے میں بہت زیادہ رکاوٹیں اور موانع تھے۔

پہلی رکاوٹ:

اس زمانے میں نام ور شخصیات موجود تھیں، جن کی موجودگی میں معاویہ کی اتنی جرأت نہیں تھی کہ اپنی اس ناپاک فکر کا اظہار بھی کرے چہ جائیکہ اس کو عملی جامہ پہنائے۔

دوسری رکاوٹ:

اس زمانے میں بعض افراد نے لباسِ خلافت کو زیب تن کرنے کے لیے اپنے آپ کو آمادہ کر لیا تھا اور وہ حاکم ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ واضح سی بات ہے کہ اس قسم کا گروہ بھی یزید کی ولی عہدی کا مخالف تھا۔

معاویہ نے ناپاک مقاصد کے حصول اور ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے چند حربوں کا سہارا لیا۔ بعض افراد کو زہر دغا دے کر اپنے راستے سے ہٹایا اور بعض افراد کے لیے تجوریوں کے منھ کھول دیے اور انھیں خرید لیا اور بعض کو جلاوطن کر دیا تاکہ اپنے بیٹے کی جانشینی کی راہ ہم وار ہو سکے۔

نمونے کے طور پر ہم چند مقامات کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہیں:

① حضرت امام حسن علیہ السلام جانشینی یزید کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ

علمائے اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام کی زندگی میں ہی معاویہ نے یزید کو اپنا جانشین بنانے کا عزم کر لیا تھا (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۱۹۱-۱۹۳)۔

دو لحاظ سے حضرت امام حسن علیہ السلام کا وجود معاویہ کے لیے بہت بڑی رکاوٹ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا۔

① مدینے میں حضرت امام حسن علیہ السلام اور ان کے برادر عزیز سید الشہداء علیہ السلام عظیم المرتبت شخصیت کے مالک تھے۔

② حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان طے پایا جانے والا صلح نامہ جس کی ایک شق یہ تھی کہ معاویہ کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین بنائے بل کہ اس کے بعد زمام حکومت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور اگر وہ دنیا میں موجود نہ ہوں تو پھر ان کے بھائی حضرت امام حسین علیہ السلام کے سپرد کی جائے گی۔

فریقین کے ہاں یہ بات طے شدہ تھی اور اہل سنت کے نام ور محققین نے اس مطلب کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے اور شیعہ دانش مندوں نے صلح نامہ کی اس شق کی وضاحت کی ہے۔

اہل سنت کے نام ور عالم دین ابن حجر عسقلانی نے ایک قوی سند کے ساتھ مذکورہ مطلب کی روایت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن علیہ السلام نے فرمایا: میں نے معاویہ کے ساتھ شرط رکھی ہے کہ اس کے بعد خلافت مجھے لوٹائی جائے گی۔ آپؑ نے معاویہ سے فرمایا: میں نے اس سے یہ عہد لیا ہوا ہے اور ہمارے درمیان یہ بات طے ہے کہ اس کے بعد خلافت مجھے لوٹائی جائے گی۔

ایک اور جگہ پر ابن حجر عسقلانی اپنی سند کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں:

لمّا قتل علی سار الحسن بن علی (علیہما السلام) فی اہل العراق و معاویۃ فی اہل الشام

"جب امام علی علیہ السلام درجۂ شہادت پر فائز ہوئے تو اس وقت اہل عراق کی عظیم المرتبت شخصیت حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور اہل شام کے بزرگ معاویہ تھے۔"

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، معاویہ کے ساتھ جنگ کی خاطر کوفہ سے ایک لشکر کے ہم راہ نکلے اور معاویہ بھی اہل شام کے ہم راہ میدانِ کارزار کی جانب چل پڑا۔ پھر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا، اور بعد والے واقعات کے نتیجے میں فریقین کے درمیان صلح ہو گئی۔ چناں چہ ان کے درمیان جس صلح نامہ پر دستخط کیے گئے اس کی ایک شق یہ تھی:

علی ان یجعل العہد للحسن من بعدہ[1]

"معاویہ کے بعد خلافت کی باگ ڈور حضرت امام حسن علیہ السلام کے ہاتھوں میں ہو گی۔"

حضرت امام حسن علیہ السلام کی سماجی شخصیت کے مقابلے میں یزید کی کوئی حیثیت نہ تھی اور یزید وہ شخص تھا جس کی بعض خصوصیات کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور اس طرح معاویہ اور

---

(۱) فتح الباری:۱۳/ ۵۵ اور رجوع کریں: سیرہ اعلام النبلاء:۳/ ۲۶۴، تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/ ۲۶۱، الاستیعاب:۱/ ۳۸۶، تہذیب التہذیب:۲/ ۲۵۹، البدایہ والنہایہ:۸/ ۴۱، الاصابہ فی تمیز الصحابہ:۲/ ۱۲، تاریخ الخلفاء:۱۹۳ اور دیگر ماخذ۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کے مابین طے پانے والے صلح نامہ کی رو سے یزید کا جانشین بننا ممکن نہ تھا۔

حافظ بن عبدالبر قرطبی کہتے ہیں:

لا خلاف بین العلماء، انّ الحسن انما سلّم الخلافة لمعاویة حیاته لا غیر، ثمّ تکون له من بعده، و علی ذلك انعقد بینهما ما انعقد فی ذلك (الاستیعاب: ۱/۳۸۷)

"علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے معاویہ کو صرف اس کی حیات تک ہی حکومت دی تھی اور یہ حکومت اس کے مرنے کے بعد دوبارہ حضرت امام حسن علیہ السلام کو لوٹا دی جائے گی اور فریقین کے درمیان اس بات پر سمجھوتہ ہوا تھا۔"

اس بات میں دقت کریں کہ یہ طے پایا تھا کہ معاویہ کو اپنے بعد کسی دوسرے کو خلیفہ بنانے کا کوئی حق نہیں ہے اور خلافت حضرت امام حسن علیہ السلام کو واپس لوٹا دی جائے گی۔ ان حالات میں معاویہ کے پاس کیا طریقہ تھا کہ اپنے ناخلف بیٹے [یزید] کو اپنا جانشین بنائے؟ صرف ایک ہی راستا باقی تھا کہ وہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو اپنے راستے سے ہٹا دے اور آں حضرت کو شہید کرا دے۔

احنف بن قیس معاویہ کے زمانے کی نام ور شخصیت ہیں۔ وہ ان حالات میں معاویہ سے کہتے ہیں:

انّ اهل الحجاز و اهل العراق لایرضون بهذا و لا یبایعون لیزید ما کان الحسن حیّاً (الامامة والسیاسة: ۱/۱۹۱)

"جب تک حسنؑ بن علیؑ زندہ ہیں اس وقت تک حجاز اور عراق کے لوگ یزید کی جانشینی کو قبول نہیں کریں گے اور اس کی بیعت نہیں کریں گے۔"

معاویہ صرف اہل عراق ہی نہیں بل کہ شام کے لوگوں کو بھی حسنؑ بن علیؑ کی موجودگی میں یزید کی بیعت پر راضی نہیں کر سکتا تھا، کیوں کہ وہ یزید کو اچھی طرح جانتے تھے۔ معاویہ کے

پاس صرف ایک راستا تھا کہ وہ جُعدہ بنت اشعث کے ذریعے زہر دغا دے کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زندگی ختم کر دے۔

زمخشری اس بارے میں لکھتے ہیں:

جعل معاویہ لجعدۃ بنت اشعث امراۃ الحسن مائۃ الف حتّی سمتہ(ربیع الابرار:۴/۲۰۸،۲۰۹)

''معاویہ نے حضرت امام حسن علیہ السلام کی زوجہ جُعدہ بنت اشعث کے لیے ایک لاکھ درہم مقرر کیے تا کہ وہ حسنؑ بن علی علیہ السلام کو زہر سے شہید کرے۔''

مسعودی بھی اس بارے میں کہتے ہیں:

انّ امراتہ جعدۃ بنت الاشعث بن قیس الکندی سقتہ السمّ و قد کان معاویۃ دسّ الیھا انّك ان احتلت فی قتل الحسن و جّھت الیك بمائۃ الف درھم و زوجتك من یزید(مروج الذھب:۱/۷۱۳،۷۱۴)

''حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی زوجہ جُعدہ بنت اشعث بن قیس الکندی تھی۔ جُعدہ نے معاویہ کے اُکسانے پر حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے دیا۔ معاویہ نے جُعدہ کے ساتھ یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر حسنؑ بن علی علیہ السلام کو زہر دے ڈالے تو ایک لاکھ درہم کے علاوہ یزید کے ساتھ اس کا عقد بھی کر دیا جائے گا۔''

اس کے بعد جب جُعدہ بنت اشعث نے زہر دغا دے کر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو شہید کر دیا تو معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس کے لیے بھیجے لیکن اسے یزید کے حبالہ عقد میں نہ دیا اور کہا کہ مجھے ڈر ہے کہ جو کام تُو نے حسنؑ کے ساتھ کیا ہے کسی دن میرے بیٹے یزید کے ساتھ بھی نہ کر ڈالے۔

حضرت امام حسن علیہ السلام کی اسی زہر کے ساتھ شہادت جسے معاویہ نے فراہم کیا تھا ان

واقعات میں سے ہے جسے علمائے اہل سنت نے تواتر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لیکن ابن خلدون جیسے محقق کی آنکھ پر تعصب اور عناد کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔ وہ اس سلسلے میں کہتا ہے کہ معاویہ نے جُعدہ بنت اشعث کے ذریعے اس جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ معاویہ ایسا نہیں کر سکتا! یہ صرف شیعوں کی گھڑی ہوئی داستان ہے (تاریخ ابن خلدون: ۲/۱۸۷)۔

جی ہاں! اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کا قاتل معاویہ ہے اور اہل سنت کے مؤرخین مزید اضافہ کرتے ہیں کہ جب معاویہ کو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی شہادت کی خبر پہنچی:

اظهر فرحًا و سرورًا حتّی سجد و سجد من کان معه (الامامة و السیاسة: ۱/۱۹۶-۱۹۷، ربیع الابرار: ۴/۱۸۶-۱۸۷ اور ۲۰۹)

"معاویہ اتنا خوش ہوا کہ وہ سجدے میں گر پڑا اور اس کے پاس بیٹھے ہوئے دوسرے افراد بھی سجدہ ریز ہو گئے۔"

معاویہ نے اس چال کے ذریعے یزید کی جانشینی کے سب سے بڑے مانع کو اپنے راستے سے ہٹا دیا۔

۲ دوسری رکاوٹ' سعد بن ابی وقاص

معاویہ کے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے میں ایک مانع سعد بن ابی وقاص بھی تھا اگرچہ اس کے نظریات امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں بھی کوئی اچھے نہ تھے لیکن وہ معاویہ کے احترام کا بھی قائل نہ تھا چہ جائیکہ یزید کو قبول کرے۔

دوسرے الفاظ میں سعد بن ابی وقاص کی طرف سے معاویہ کے ساتھ بے اعتنائی اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کے محبین میں سے تھا بلکہ اس لیے کہ اس کے دل میں معاویہ کا بغض تھا لہٰذا وہ معاویہ کو قبول نہ کرتا تھا۔

اہل سنت سعد بن ابی وقاص کو "عشرہ مبشرہ" میں شمار کرتے ہیں اور اس طرح وہ حضرت عمر بن خطاب کی طرف سے بنائی گئی چھ نفری کونسل کا بھی رکن تھا' جس نے خلیفہ کا تعین کرنا تھا

چناں چہ اس کونسل کے خفیہ اجلاس میں بھی سعد بن ابی وقاص نے امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف داری نہیں کی تھی (عشرہ مبشرہ سے مراد وہ دس افراد ہیں جنھیں اہل سنت رسولؐ خدا کی ایک روایت کی روشنی میں بہشتی خیال کرتے ہیں البتہ دوسرے مقام پر اس حدیث کا من گھڑت ہونا ثابت کیا گیا ہے)۔

چناں چہ معاویہ جب مدینے کے سفر پر آیا تھا اور اس زمانہ کی نام ور شخصیات اس سے ملنے کے لیے آئی تھیں' ان میں سعد بن ابی وقاص بھی تھا۔ سعد جب ملاقات کے لیے آیا تو معاویہ نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور اپنے ساتھ بٹھا کر اس سے معروف گفتگو ہو گیا۔ حتیٰ کہ معاویہ نے اس سے یہ بھی کہا کہ تم علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام پر لعن طعن کیوں نہیں کرتے؟

سعد نے معاویہ کو جواب دیا کہ میں نے رسولؐ خدا سے علیؑ بن ابی طالب علیہ السلام کے حق میں فضائل سنے ہیں چناں چہ جب تک وہ میرے ذہن میں محفوظ ہیں اس وقت تک یہ کام ہرگز انجام نہ دوں گا۔ معاویہ' سعد بن ابی وقاص کا جواب سن کر غصہ سے آگ بگولہ ہو گیا اور اسی عالم میں محفل سے اُٹھ کر چلا گیا[1]

معاویہ اس جیسے شخص کی موجودگی میں آسانی سے اپنے منصوبے کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتا تھا' چناں چہ اس نے سعد بن ابی وقاص کو بھی اپنے راستے سے ہٹا دیا اور جس طرح حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر دغا سے شہید کر دیا اسے بھی قتل کرا دیا (مقاتل الطالبین: ۸۰ و شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۴۹/۱۶)۔

④ یزید کی جانشینی کے مسئلے میں حضرت عائشہ کی مخالفت

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ معاویہ جس وقت مدینہ آیا تھا تو اس نے مختلف شخصیات سے ملاقات کر کے یزید کی جانشینی کے مسئلے کو بیان کیا تھا۔ ان افراد میں سے ایک حضرت عائشہ تھی چناں چہ معاویہ نے ان سے بھی ملاقات کی اور یزید کی جانشینی کے سلسلے میں کہا:

...... انّ امر یزید قضاء من القضاء و لیس للعباد الخیرة من

(۱) سنن ترمذی: ۵/۳۰۱' شرح مسلم: ۱۵/۱۷۵' فتح الباری: ۷/۶۰' السنن الکبریٰ (نسائی): ۵/۱۰۷' خصائص امیر المومنین (نسائی): ۴۸' الاصابہ: ۳/۳۶۸' اسد الغابہ: ۴/۲۵ اور دوسرے مآخذ۔

امرهم و قد اخذ الناس بيعتهم في اعناقهم و اعطوا عهودهم على ذلك و مواثيقهم' افترين أن ينقضوا عهودهم' و مواثيقهم؟

''میں نے یزید کو جانشین بنانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ مشیت الٰہی کے مطابق ہے اور خداوند متعال کا بھی ارادہ ہے۔ یہ بات طے ہو چکی ہے اور اس سلسلے میں لوگوں کو اظہار رائے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اے عائشہ! کیا تو یہ احتمال دیتی ہے کہ لوگوں نے جو عہد و پیمان کیا ہوا ہے اس سے دست بردار ہو جائیں گے۔''

حضرت عائشہ نے اسے جواب دیا:

امّا ما ذكرت من عهود و مواثيق' فاتق الله في هولاء الرهط و لا تعجل فيهم (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/ ۲۰۵)

''خوف خدا کھاؤ' کون سا عہد و پیمان؟ کون سی موافقت؟ کیوں بڑی شخصیات کی جانب جھوٹ کی نسبت دیتے ہو؟ ان کے نظریات کے برخلاف کوئی ارادہ اور اقدام نہ کرو اور ان کے لیے شرعی وظائف کا تعین نہ کرو۔''

جن شیعہ منابع میں حضرت عائشہ کی طرف سے مخالفت بیان کی گئی ہے ان میں ایک کتاب ''صراط مستقیم'' ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عمدہ کتاب ہے اور اس کے مؤلف قدیم علما میں سے شمار ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ معاویہ فراز منبر پر تھا اور یزید کی ولی عہدی کے لیے لوگوں سے بیعت لے رہا تھا۔ اسی اثنا میں حضرت عائشہ نے اسے خطاب کرتے ہوئے کہا:

اهل استدعى الشيوخ لبنيهم البيعة؟

''کیا رسولؐ خدا کے بڑے صحابہ جو خلیفہ رسولؐ خدا تھے انھوں نے لوگوں سے اپنے بیٹوں کے لیے بیعت لی ہے؟ کیا انھوں نے اپنے بیٹوں کو اپنا جانشین بنایا ہے؟''

معاویہ نے جواب دیا: نہیں۔ حضرت عائشہ نے کہا:

فبمن تقتدی

"پس تُو جو اپنے بیٹے کو اپنا جانشین بنا رہا ہے تجھ سے پہلے کس نے یہ کام انجام دیا ہے؟ اس دوران معاویہ کو کافی خفت اُٹھانا پڑی۔"

اس کے بعد حضرت عائشہ نے ارادہ کیا کہ وہ معاویہ کے گھر جا کر اس سے ملاقات کرے۔ وہ اس کے گھر کی جانب گام زن ہو گئیں۔ معاویہ نے حکم دے رکھا تھا کہ راستے میں گڑھا کھود کر اسے ڈھانپ دیا جائے۔ حضرت عائشہ اس گڑھے میں گر کر جاں بحق ہو گئیں۔ عبداللہ بن زبیر نے اسی مناسبت سے اشعار کہے ہیں جن میں کنایۃً معاویہ کا ذکر کیا ہے

(.....فجعل فلمّا زارته عائشة في بيته. هيّأ حفرة' فوقعت فيها و كانت راكبة' فماتت فكان عبدالله بن زبير يعرّض به.....) صراط مستقیم: ۱۳/۴۵)۔

لہٰذا حضرت عائشہ کی موت معاویہ کی سازش کے نتیجے میں واقع ہوئی ہے کیوں کہ حضرت عائشہ یزید کی جانشینی کی مخالف تھی۔ لہٰذا انھیں راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ اسی طرح مدینے کی دوسری شخصیات بھی یزید کی ولی عہدی کی مخالف تھیں' جن کے نام درج ذیل ہیں:

عبدالرحمٰن بن ابوبکر' عبداللہ بن عمر' عبداللہ بن زبیر' منذر بن زبیر' سعید بن عثمان' عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید اور زیاد بن ابیہ۔

۴ معاویہ کی جانب سے نام ور شخصیات کا قتل

عبدالرحمٰن' حضرت ابوبکر کا بیٹا اور حضرت عائشہ کا بھائی تھا' وہ بھی یزید کی ولی عہدی کا سخت مخالف تھا۔ شروع میں معاویہ نے ایک لاکھ درہم اس کے لیے بھیجے تو اس نے معاویہ کو جواب دیا:

لا ابیع دینی بدنیای

"میں دنیا کی خاطر اپنے دین کو نہیں بیچ سکتا۔"

"الاستیعاب" ایک معتبر کتاب ہے جس میں آیا ہے کہ جب معاویہ نے عبدالرحمٰن کے لیے پیسے بھیجے اور اس نے قبول نہ کیے تو کچھ ہی عرصہ کے بعد عبدالرحمٰن دنیا سے چل

ہے (الاستیعاب: ۲/ ۸۲۵-۸۲۶)۔

تھوڑی سی وقت اور جستجو کرنے سے عبدالرحمٰن کی وفات کے حقائق کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اہل سنت کے محققین رقم طراز ہیں: معاویہ نے عبدالرحمٰن کو قتل کی دھمکی دی تھی (تاریخ طبری: ۳/ ۲۲۶)۔

معاویہ نے باقاعدہ طور پر اسے قتل کی دھمکی دی اور پھر تھوڑے ہی عرصے کے بعد بغیر کسی وجہ سے عبدالرحمٰن کا مردہ جسد پایا گیا۔

ابن اثیر نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے:

فقام مروان فیهم و قال: ان امیرالمومنین (معاویة) قد اختار لکم فلم یال و قد استخلف ابنه یزید بعده فقام عبدالرحمن بن ابی بکر فقال: کذبت' واللّٰه یا مروان! و کذب معاویة' ما الخیر اردتما الامة محمد و لکنکم تریدون ان تجعلوها هر قلیة. کلما مات هرقل قام هرقل...... (الکامل فی التاریخ: ۳/ ۵۰۶ وقائع سال ۵۶ ہجری قمری)۔

"جب مروان مدینے کا گورنر تھا تو اس نے اپنے خطبے میں یوں کہا: امیرالمؤمنین (معاویہ) نے اپنے بیٹے یزید کو تمھارے لیے اپنا جانشین بنایا ہے۔ یہ بات سن کر عبدالرحمٰن کھڑا ہوگیا اور کہا: اے مروان! تم اور معاویہ دونوں جھوٹ بولتے ہو۔ تم اُمت محمدؐ کے خیرخواہ نہیں ہو' تم صرف بادشاہت اور سلطنت کے متمنی ہو تم تو موروثی سلطنت قائم کرنا چاہتے ہو۔ اس طرح کہ جب تم میں سے کوئی ایک مرجائے تو اس کے خاندان کا کوئی دوسرا شخص مسند خلافت پر بیٹھ جائے۔"

جب عبدالرحمٰن نے اس انداز سے اعتراض کیا تو حکومتی سپاہیوں نے اسے گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے اپنی بہن حضرت عائشہ کے گھر میں پناہ لے لی۔ حضرت عائشہ نے

اس کا دفاع کیا اور مروان پر برملا لعن طعن کیا۔

حقائق سے پردہ پوشی

ہم علمائے اہل سنت کے علمی طریقۂ کار اور روش میں غور کرنے سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ انھوں نے صرف خلافت رسولؐ خدا جو کہ انتہائی اہم مسئلہ ہے اسے بازیچہ اطفال بنایا ہوا ہے اور تاریخ و تاریخی واقعات کو نقل کرنے میں بھی یہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ عبدالرحمٰن کے بارے میں جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے یہ واقعہ صحیح بخاری میں بھی ردو بدل کے ساتھ ذکر ہوا ہے لیکن کس انداز کی تبدیلی کی گئی ہے؟

بخاری اس سلسلے میں لکھتے ہیں: جب مروان نے حجاز میں خطبہ دیا اور یزید کی جانشینی اور اس کی بیعت لینے کا تذکرہ کیا تو عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے اسے کچھ کہا(فتح الباری:۸/ ۳۶۷-۳۶۸)۔

بخاری نے صرف اتنا ہی ذکر کیا ہے اس کے علاوہ کچھ ذکر نہیں کیا اور واقعہ کو مزید بیان کرنے سے گریز کیا ہے۔

جی ہاں! عبدالرحمٰن نے کیا کہا تھا جسے نقل کرنے سے بخاری کو ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی ہے؟ عبدالرحمٰن نے معاویہ کی توہین کی تھی اور کہا تھا: اے مروان! تُو اور معاویہ دونوں جھوٹے ہو اور چاہتے ہو کہ خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر دو۔

اس قسم کی باتیں بخاری جیسے افراد کی طبع نازک پر گراں گزرتی ہیں اور قابل تحمل نہیں ہیں کیوں کہ ان کا شمار معاویہ کے مدافعین میں ہوتا ہے لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس قسم کی باتیں لکھنے سے گریز کریں جن سے ان کے آقا و سردار کا دامن داغ دار ہوتا ہو۔

بخاری صرف یہ لکھتے ہیں کہ عبدالرحمٰن نے کچھ کہا اور مروان نے حکم دیا: اسے گرفتار کر لو اور اس نے بھاگ کر حضرت عائشہ کے گھر میں پناہ لے لی جس کی وجہ سے اسے گرفتار نہ کر سکے۔ عبدالرحمٰن کو گرفتار کیوں نہ کر سکے اس لیے کہ رسولؐ خدا کی زوجہ حضرت عائشہ وہاں پر موجود تھی اور وہ اس کی حرمت و احترام کے قائل تھے۔

لیکن طبری واضح طور پر حقیقت کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ معاویہ نے عبدالرحمٰن کو کہا:

واللّٰہ لقد هممت ان اقتلك...... (تاریخ طبری: ۴/ ۲۲۶)

"خدا کی قسم! میں تمھیں قتل کر دوں گا......"

اس دھمکی کے کچھ ہی عرصے بعد عبدالرحمٰن مردہ حالت میں پائے گئے۔

⑤ عبدالرحمٰن بن خالد ایک اور رکاوٹ

یزید کی جانشینی کے مخالفین میں خالد بن ولید کے بیٹے عبدالرحمٰن بھی تھے۔ خالد بن ولید کے دو بیٹے عبدالرحمٰن اور مہاجر تھے۔ خالد بن ولید اہل بیت علیہم السلام کا دیرینہ اور ازلی دشمن تھا لیکن یہ ارادہ الٰہی تھا کہ اس کا بیٹا مہاجر جنگِ صفین میں امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کا علم بردار بھی تھا اور اسے "حامل اللواء الاعظم" بنایا ہوا تھا اور اہل شام اس کو خاص عقیدت اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

حافظ ابن عبدالبر کہتے ہیں: جب معاویہ نے اہل شام سے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو خطبہ دیا اور کہا: اے لوگو! میں عمر رسیدہ ہو گیا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اپنے بعد تمھاری سرپرستی کسی ایسے شخص کو سونپ دوں جو تمھاری وحدت اور یگانگت کو برقرار رکھ سکے اور حکومت چلا سکے۔ میں بھی تمھاری طرح ایک فرد ہوں لہٰذا اپنی رائے کا اظہار کریں۔ تمام لوگوں نے بہ یک زبان ہو کر کہا: ہم عبدالرحمٰن بن خالد کو آپ کی جانشینی کے لیے منتخب کرتے ہیں (الاخبار الطوال: ۲/ ۱۷۰)۔

لوگوں کا اس طرح رائے دینا اور اظہار کرنا معاویہ کے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ اس نے اپنی ناراضگی کو ظاہر نہ ہونے دیا حتیٰ کہ عبدالرحمٰن مریض ہو گیا تو معاویہ نے اپنے مخصوص یہودی طبیب کو اس کے علاج کے لیے بھیجا۔

اس نے طبیب کو یہ حکم دیا: عبدالرحمٰن کی دوا میں زہر ہلاہل ملا دو‘ جس کی وجہ سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ عبدالرحمٰن اسی بیماری کے سبب طبیعی موت مرا ہے۔

یہودی طبیب نے معاویہ کے دستور پر عمل کیا اور اس کے منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچایا‘ اس دوا نے عبدالرحمٰن کے پھیپھڑوں اور اندرونی اعضا کو بری طرح متاثر کیا جس کے نتیجے میں ان کا انتقال ہو گیا (الاستیعاب: ۲/ ۸۲۹)۔

ابن عبدالبر داستان میں مزید لکھتا ہے:

دخل اخوہ المهاجر بن خالد دمشق مستخفیًا هو و غلام له فرصدا ذلك اليهودی. فخرج ليلاً من عند معاوية فخرج ليلاً عن عند معاويه فهجم عليه و معه قوم هربوا عنه' فقتله المهاجر و قصته هذه مشهورة عند اهل السيرة و العلم الآثار و الاخبار...... (استیعاب:۲/۸۳۰، ح۱۴۰۲)

''عبدالرحمٰن کی مشکوک موت کے بعد اس کا بھائی مہاجر بن خالد اپنے غلام کے ہم راہ مخفی طور پر دمشق آیا اور اس یہودی طبیب سے اپنے بھائی کا انتقام لیا اور اسے قتل کر دیا۔ یہ واقعہ تمام مؤرخین اور ماہرین علم رجال کے ہاں بھی معروف ہے۔''

ان معاويه حبس مهاجر بن خالد بن الوليد و لم يخرج من الحبس حتى مات معاويه (تاریخ مدینہ دمشق:۱۶/۲۱۵)

''معاویہ نے مہاجر کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور حکومتی سپاہیوں نے مہاجر کو گرفتار کر کے زندان میں ڈال دیا۔ معاویہ کے مرنے تک وہ زندان میں ہی قید تھا۔''

عبدالرحمٰن جو معاویہ کا قریبی ساتھی اور اس کے سپہ سالاروں میں سے تھا وہ کیوں اس طرح مارا جاتا ہے کیوں کہ وہ معاویہ کے بعد یزید کی جانشینی کا مخالف تھا اور جب تک وہ زندہ رہتا یزید کی جانشینی کا منصوبہ پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا تھا' لہٰذا اسے راستے سے ہٹانے کی ضرورت تھی تاکہ مستقبل میں یزید آسانی سے مسند خلافت پر متمکن ہو سکے اور اپنے باپ کی جگہ لے سکے۔

ابن عساکر نے اس تمام واقعہ کو بیان کرنے کے بعد اسی یہودی طبیب کے نام کو بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

فامر ابن اثال ان یحتال فی قتله و ضمن له ان هو فعل ذلك ان یضع عنه خراجه ما عاش و ان یولیه جبایة خراج حمص' فلمّا قدم عبدالرحمن حمص منصر فا من بلاد الروم دسّ الیه ابن اثال شربة مسمومة مع بعض ممالیکه' فشربها' فمات بحمص فوفی معاویة بما ضمن له و ولاه خراج حمص و وضع عنه خراجه (تاریخ مدینہ دمشق:۱۶۴؍۱۶)

''معاویہ نے ابن اثال کو حکم دیا کہ عبدالرحمٰن کے قتل کی منصوبہ بندی کی جائے اور اس کا انعام یہ ہے کہ جو ٹیکس غیر مسلموں سے لیے جاتے ہیں وہ معاف کر دیے جائیں گے۔ ابن اثال نے معاویہ کے حکم کے مطابق عبدالرحمٰن بن خالد کو زہر دے دیا اور وہ حمص میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد معاویہ نے اپنے قول و قرار پر عمل کیا۔''

زیاد بن ابیہ کا انجام

زیاد بن ابیہ یزید کی جانشینی کا مخالف تھا۔ اس کے حالاتِ زندگی سب پر آشکار ہیں۔ وہ ایسا شخص ہے جس کے باپ کا علم نہیں ہے (زنا زادہ ہے)۔ معاویہ نے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان کی طرف منسوب کیا ہے اور اسے سماج میں اپنے بھائی کے طور پر متعارف کرایا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاویہ نے ایسے شخص کو کس وجہ سے قتل کر دیا؟

زیادؔ ان افراد میں سے تھا جو یزید کی جانشینی کے سخت مخالف تھے وہ نا صرف یزید کی جانشینی کا مخالف تھا بلکہ معاویہ کے بعد حکومت لینے کی بھی فکر کو اپنے ذہن میں پروان چڑھا رہا تھا' لہٰذا اس نے خیر خواہی اور نصیحت کے طور پر معاویہ کو خط لکھا: اے معاویہ! اپنے بعد یزید کی جانشینی کے اعلان کرنے میں جلدی نہ کرو۔

جب یہ خط معاویہ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا: عبیدہ کے بیٹے پر پھٹکار ہو[1] مجھے اطلاع

(۱) زیاد کے کثیر باپوں میں سے ایک کا نام عبید تھا جس کی طرف اسے منسوب کیا

ملی ہے کہ اس شخص کے دل میں حکومت کرنے کا انگیزہ ہے اور اس نے خیال کیا ہے کہ وہ میرا جانشین بنے گا۔ خدا کی قسم! اپنے باپ ابوسفیان کی طرف اس کی نسبت کو ختم کر دوں گا اور معاشرے میں اس کی عزت خاک میں ملا دوں گا (تاریخ یعقوبی ۲/۲۲۰ میں آیا ہے کہ زیاد بن ابیہ نے معاویہ کو کہا کہ وہ یزید کی خلافت کے اعلان میں جلدی نہ کریں اور بعض دوسری تاریخی کتب سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خود خلافت کا اُمیدوار تھا۔ جب معاویہ کے پاس زیاد بن ابیہ کا خط آیا تو معاویہ نے کہا کہ ابن عبیدہ پر پھٹکار ہو مجھے یہ بتایا گیا ہے کہ زیاد میرے بعد خلیفہ بننے کا سوچ رہا ہے خدا کی قسم! میں اس کے حسب نسب کو اس کی ماں سمیہ اور باپ عبیدہ کی طرف پلٹا دوں گا)۔

زیاد ابن ابیہ معاویہ کے ساتھ اس تبادلہ خیال کے چند ہفتے بعد ہاتھ پر زخم کی وجہ سے اس جہاں سے کوچ کر گیا اور لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ طاعون کی بیماری میں مبتلا تھا۔ بہت سارے لوگوں نے یہ احتمال دیا ہے کہ زیاد بھی ان افراد میں شامل ہے جنھیں معاویہ نے زہر دیا ہے (ایضاً: ۲/۲۳۵ سیر و اعلام النبلاء: ۳/۴۹۶ تاریخ مدینہ دمشق: ۱۹/۲۰۳)۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے کہ یہ یزید کی ولی عہدی کی مخالفت کرنے والوں کے انجام کے چند نمونے ہیں جنھیں شام اور حجاز میں مختلف طریقوں سے قتل کیا گیا۔

دوسری روش: مخالفوں کی جلاوطنی

معاویہ کے پاس یزید کی ولی عہدی کا انکار کرنے والوں کو سرکوب کرنے کا ایک طریقہ جلاوطن کرنا بھی تھا۔ اس نے اس زمانہ کی نام ور شخصیات کو [جو یزید کی ولی عہدی کی مخالف تھیں] دور دراز علاقوں میں جلاوطن کیا' تا کہ وہ اس کے منصوبہ میں روڑے نہ اٹکا سکیں۔ اس میں ایک حضرت عثمان کا بیٹا سعید بن عثمان بن عفان ہے۔

ابن عساکر اسی سلسلے میں لکھتے ہیں: مدینے کے لوگوں کا خیال تھا کہ معاویہ کے بعد خلافت سعید بن عثمان بن عفان کو ملے گی' کیوں کہ وہ اپنی قوم بنی اُمیہ اور ان کے پیروکاروں کے نزدیک قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور لوگوں کو پختہ یقین تھا کہ معاویہ کے بعد قبائے خلافت سعید بن عثمان کے ہی جسم پر سجے گی۔ چناں چہ اس صورت میں یزید کی خلافت تک

دسترس مشکل تھی اور اس سلسلہ میں لوگوں نے منظوم کلام بھی کہنا شروع کر دیا تھا اور لوگوں میں یہ شعر بہت معروف تھا۔

والله لا ينالها يزيد

حتّى ينال هامه الحديد

ان الأمير بعده سعيد

"خدا کی قسم! یزید کبھی حکومت تک رسائی حاصل نہ کر سکے گا اور اگر اس فکر و سوچ میں ہے تو قتل کر دیا جائے گا۔ معاویہ کے بعد زمامِ حکومت سعید کے ہاتھوں میں ہے" (تاریخ مدینہ دمشق:۲۱/۲۲۳)۔

اس سلسلے میں ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ ایک دن سعید، معاویہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: میں نے سنا ہے کہ تُو یزید کو اپنا جانشین مقرر کر رہا ہے۔

سعید نے کہا: میرے باپ (عثمان) نے ہمیشہ تجھ پر لطف و کرم کیا ہے اور میرے باپ کے خون کے انتقام کی برکت سے تو اس مقام پر پہنچا ہے اور اب اپنے بیٹے کو مجھ پر مقدم کر رہا ہے؟ میں یزید سے حسب نسب (باپ ماں) اور ذاتی کمالات کی بدولت زیادہ مستحق ہوں، خلافت مجھے دی جائے۔ اگر باپ کے لحاظ سے مقائسہ کرنا ہو تو میرا باپ عثمان اور یزید کا باپ معاویہ ہے اس طرح یزید کی ماں نصرانی ہے اور نصرانی اُصولوں کے تحت ہی یزید کی پرورش کی گئی ہے۔

معاویہ نے اسے یوں جواب دیا:

أمّاما ذكرت من احسان أبيك الىّ فانّه أمر لاينكر، و امّا كون ابيك خيرًا من أبيه فحق و امّك قريشية و اُمّه كلبية فهي خيرمنها، و امّا كونك خيرًا منه فو الله لو ملئت الى الغوطة رجالاً مثلك لكان يزيد أحبّ الىّ منكم كلّكم (البدایہ والنہایہ:۸/۸۷)

"جی ہاں! تیرے باپ نے میرے حق میں اچھائی کی ہے، تیرا باپ واقعاً

یزید کے باپ سے بہتر ہے اور تیری ماں بھی یزید کی ماں سے بہتر ہے۔ یہ سب قابل انکار نہیں ہیں لیکن تُو خود یزید سے بہتر ہرگز نہیں ہے۔ خدا کی قسم! اگر پورے دمشق کی فضا تجھ جیسے افراد سے بھر جائے پھر بھی یزید مجھے ان سب سے عزیز ہوگا۔"

بالآخر معاویہ نے حضرت عثمان کے نورِ نظر کو جو اہل مدینہ کے نزدیک معزز و محترم تھا یہ پیش کش کی کہ تیرے لیے یہی بہتر ہے کہ تُو خراسان چلا جا اور وہاں کی گورنری سنبھال لے(وفیات الاعیان: ۳۸۹/۵-۳۹۰)۔

وہ چاہتا تھا کہ حضرت عثمان کا بیٹا مرکز سے دور رہے اور خراسان چلا جائے تاکہ معاویہ اور یزید اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اس کے بعد جب سعید خراسان چلا گیا تو معاویہ کی حکومت کے عہدہ داروں اور غلاموں نے یہ مشورہ دیا کہ سعید کو قتل کرا دیا جائے اور اس کے قتل کی سازش کو بے نقاب ہونے سے بچانے کے لیے غلاموں کو یہ حکم دیا کہ ایک دوسرے کو قتل کر لیں۔

جب ان غلاموں نے سعید کا کام تمام کر دیا تو ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور ایک دوسرے کو قتل کر دیا اور ان میں کوئی بھی باقی نہ بچا(تاریخ یعقوبی: ۲۳۷/۲' انساب الاشراف: ۲۵۱۳)۔

مال و زر کے ذریعے اُمت کے بزرگوں کی خریداری

یزید کی ولی عہدی کے اثبات کے لیے معاویہ نے تیسری روش بھی اختیار کی جس کی رُو سے اس نے بعض مخالف بزرگ شخصیات کو پیسے دے کر خریدا اور بعض کو سکوت اختیار کرنے کے صلہ میں خرید لیا۔ جیسے کہ پہلے بھی گزر چکا ہے کہ معاویہ نے عبدالرحمٰن بن ابوبکر کے لیے ایک لاکھ درہم بھیجے لیکن اس نے یہ کہہ کر ٹھکرا دیے کہ میں اپنے دین کو دنیا کے عوض نہیں بیچنا چاہتا۔

چناں چہ اس سوچی سمجھی اسکیم کے تحت معاویہ نے کوفہ کے گورنر مغیرہ بن شعبہ کو حکم دیا کہ وہ اہل کوفہ کے چند افراد کو شام بھیجے تاکہ وہ معاویہ سے یزید کی جانشینی کی درخواست کریں تاکہ یہ کہا جا سکے کہ کوفہ کے لوگ یزید کی ولی عہدی چاہتے ہیں۔

مغیرہ نے چالیس افراد کا انتخاب کیا اور انھیں شام بھیج دیا۔ انھوں نے معاویہ کی تقریر میں شرکت کی اور اس سے کہنے لگے: اے ہمارے سردار! دیر کیوں لگا رہے ہو؟ لوگوں کو کیوں انتظار میں رکھا ہے؟ اے معاویہ! ہمیں مستقبل کی کوئی خبر نہیں ہے اور ہم نہیں جانتے کہ کیا ہوگا؟ مصلحت اسی میں ہے کہ یزید کو اپنا جانشین مقرر کردیں......!

معاویہ نے جواب دیا: کچھ دن صبر کرو میں اس بارے میں سوچ کر اعلان کروں گا۔

اس گروہ کا سربراہ مغیرہ بن شعبہ کا بیٹا عروہ تھا۔ معاویہ نے اس سے کہا: تمھارے باپ نے ان لوگوں کا دین کتنے پیسوں میں خریدا ہے؟ عروہ نے جواب دیا: تیس ہزار درہم میں۔ اس شخص نے کہا: تعجب ہے ان لوگوں کا دین کتنا سستا ہے (تاریخ مدینہ دمشق: ۴۰/ ۲۹۸، الکامل فی التاریخ: ۳/ ۳۵۰)۔

عبداللہ بن عمر اور ان کی خاموشی

تنہا وہ شخص جس کی ہم راہی سے معاویہ اور یزید کو بے تحاشا فائدہ ہوا اور اسلام اور اسلامی معاشرہ کو بہت زیادہ نقصان پہنچا' وہ عبداللہ بن عمر تھا۔ وہ بھی یزید کی ولی عہدی کا مخالف تھا لیکن پیسے لے کر خاموش ہو گیا۔

جس کے سکوت نے بہت زیادہ اثرات چھوڑے اس لیے کہ عبداللہ بن عمر ظاہری طور پر ایک مقدس شخص تھا اور اس زمانے میں معاشرہ میں ایک نمونہ کے طور پر معروف تھا اور پھر اس کے باپ کی وجہ سے بھی اس کا احترام کیا جاتا ہے۔ اس نے سکوت اختیار کرنے کے لیے ایک لاکھ درہم لیے اور پھر مرتے دم تک خاموشی کے ذریعے معاویہ کی اسکیم اور منصوبے کی تائید کرتا رہا (فتح الباری: ۱۳/ ۶۰)۔

منذر بن زبیر اور اس کا ناپائیدار سکوت

منذر' زبیر کا بیٹا تھا' وہ بھی یزید کی ولی عہدی کا مخالف تھا' اس نے ایک لاکھ درہم لے کر خاموشی سادھ لی لیکن اس کی خاموشی زیادہ دیر نہ رہ سکی' اس لیے کہ وہ لوگوں کو کہتا تھا:

انّه قد أجازني بمائة ألف، ولا يمنعني ما صنع بي أن أخبر

کم خبرہ، و اللہ انہ لیشرب الخمر، و اللہ انہ لیسکر حتّی یدع الصلاۃ (تاریخ طبری:۳/۳۶۸)

• "یزید نے میرے لیے ایک لاکھ درہم بھیجے ہیں لیکن یہ سبب نہ بنے گا کہ میں حقیقت کو بیان نہ کروں، خدا کی قسم! وہ شرابی اور "تارک الصلاۃ" ہے۔"

منذر نے پیسے لے لیے اور ساتھ حقیقت کو بھی عیاں کر دیا لیکن یزید کے ساتھ کسی قسم کا سروکار نہ رکھا اور اس کے خلاف بغاوت یا مخالفت کا مرتکب نہ ہوا۔ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ حجاز اور شام میں یزید کی ولی عہدی کے لیے معاویہ کے منصوبوں کی ایک جھلک تھی کہ مخالفین کو ہر ممکن وسیلہ سے سرکوب کیا جائے تا کہ وہ اس کے ناپاک عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں رکاوٹ نہ بنیں۔

کوفہ میں معاویہ اور اس کے گورنروں کی کوششیں

معاویہ کے دورِ حکومت میں کوفہ میں چھے گورنر رہے ہیں اور جو بات قابلِ توجہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ چھے گورنر اہل بیت علیہم السلام کے سخت ترین دشمن تھے، ان کا تعلق بنوامیہ سے تھا یا پھر معاویہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے انداز میں اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی روا رکھی ہے۔

* مغیرہ بن شعبہ (اہل بیت علیہم السلام کی دشمنی میں مشہور تھا)۔
* زیادہ بن ابیہ
* عبداللہ بن خالد بن اسید (یہ حضرت عثمان بن عفان کا داماد اور بنوامیہ میں سے تھا)۔
* ضحاک بن قیس (یہ جنگِ صفین میں لشکرِ شام کا کمانڈر تھا اور شام کی پولیس کا سربراہ تھا۔ اسی نے معاویہ کی نمازِ جنازہ پڑھائی، چوں کہ یزید ان ایام میں عیاشی اور تفریح کے لیے شہر سے باہر تھا اور ضحاک بن قیس ہی نے معاویہ کی موت کے بعد پورے شہر کو کنٹرول میں رکھا تا کہ یزید واپس آ جائے، وہ معاویہ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھا)۔
* عبدالرحمٰن بن اُمِّ حکم (ابن اُمِّ حکم معاویہ کی بہن اور ابوسفیان کی بیٹی ہے۔ روایت کے مطابق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام ہر نماز کے بعد اس پر اور کچھ افراد پر باقاعدہ لعنت کرتے تھے)۔

* نعمان بن بشیر (نعمان اہل بیت علیہم السلام کا سخت ترین دشمن ہے۔ یہ بشیر کا بیٹا ہے اور بشیر وہی ہے جس نے واقعہ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے درمیان اختلاف ڈالا اور حضرت ابوبکر کی حمایت کی۔ نعمان کا شمار ان لوگوں میں سے ہوتا ہے جو واقعہ کربلا سے پہلے اور بعد یعنی جب اسرا کو شام کی طرف بھیجا جاتا ہے تمام مراحل میں یزید کے ہم راہ تھا' حضرت مسلم علیہ السلام اور سید الشہداء علیہ السلام کے واقعہ میں اس کے کردار کا عن قریب تذکرہ کریں گے)۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کو معاویہ کی جانب سے کوفہ کی گورنری کا عہدہ سونپا گیا تھا۔

معاویہ کے دورِ اقتدار میں اس کے گورنروں کی سرگرمیاں

معاویہ کے بھانجے عبدالرحمٰن کے بارے میں ایک داستان' تاریخ کے اوراق میں پائی جاتی ہے کہ جن سے اس دور کے اسلامی حکم رانوں کے کردار و رفتار کا بہ خوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ابوالفرج بن جوزی لکھتے ہیں: ایک دن عربی جوان پریشان حالت میں معاویہ کے دربار میں حاضر ہوا' اور جب اس کی باری آئی۔ معاویہ نے سوال کیا: کیسے آئے ہو؟ اس نے کہا: میں کوفہ کا رہنے والا ہوں اور فلاں قبیلہ سے میرا تعلق ہے اور کچھ عرصہ پہلے میں نے اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کی۔

میرے پاس چند بھیڑوں اور کچھ اُونٹوں کے سوا کچھ بھی نہیں تھا اور ضروریاتِ زندگی کے لیے میں انھیں فروخت کرتا رہا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ میں تہی دست ہو گیا۔ تنگ دستی کی وجہ سے میرا چچا اپنی بیٹی کو گھر لے گیا ہے اور میں نے والی شہر عبدالرحمٰن بن اُمّ حکم کے پاس جا کر اس واقعہ کی شکایت کی۔

عبدالرحمٰن نے میرے چچا اور اس کی بیٹی کو اپنے دربار میں بلایا اور جب وہ اس کے ہاں حاضر ہوئے اور عبدالرحمٰن کی نگاہ میری اہلیہ اور اس کے حُسن و جمال پر پڑی تو اس نے میرے چچا کو دس ہزار درہم دے کر میری زوجہ کو اپنے حبالہ عقد میں لے لیا اور مجھے قید خانے میں ڈال دیا اور زندان بان کو حکم دیا گیا کہ میرے ساتھ سختی سے پیش آئے کہ میں بیوی کو طلاق دینے پر راضی ہو جاؤں۔ عبدالرحمٰن طلاق دینے سے پہلے اس لڑکی کو اپنے گھر لے گیا اور اس جوان نے بھی زندان کی سختیوں کی وجہ سے طلاق دی۔

جب معاویہ نے یہ شکایت سنی تو بہت زیادہ ناراض ہوا اور ایک دھمکی آمیز اور سخت لہجے میں عبدالرحمٰن کو خط لکھا اور ایک ایلچی کے ذریعے خط بھیجا تاکہ عبدالرحمٰن کو جا کر دے اور معاویہ نے حکم دیا کہ اس عورت کو طلاق دے کر اس کے شوہر کے حوالے کیا جائے۔

جب وہ خط عبدالرحمٰن کو ملا تو ایک ٹھنڈی آہ کھینچی اور کہا: اے کاش! معاویہ مجھے ایک سال تک اس عورت کے ساتھ رہنے دیتا اور بعد میں بے شک قتل کر دیتا۔ معاویہ کے ایلچی نے عبدالرحمٰن سے کہا کہ ابھی اس عورت کو طلاق دیں تو مجبوراً اسے طلاق دے دی۔

عبدالرحمٰن نے اس عورت کو ایلچی کے ساتھ شام بھیجا اور جب ایلچی کی نگاہ لڑکی کے حُسن و جمال پر پڑی تو دل ہی دل میں کہا ہے کہ صد افسوس کہ یہ عورت اس جوان کے لیے ہو بلکہ یہ عورت معاویہ کے لیے ہونی چاہیے۔

جب وہ دونوں شام پہنچے اور معاویہ کے پاس حاضر ہوئے تو جیسے ہی معاویہ کی نگاہ اس لڑکی پر پڑی تو اس کی خوب صورتی کا ایسا گرویدہ ہوا کہ اسے آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ معاویہ اس جوان کی طرف متوجہ ہوا اور کہا: اے جوان! اس عورت سے ہاتھ اُٹھا لے۔

جوان نے کہا: اس کی ایک ہی شرط ہے کہ میرے سر کو تن سے جدا کر دیا جائے۔

معاویہ یہ سن کر ناراض ہوا اور اس عورت سے کہا: تجھے میرے اور اس جوان میں سے جس کے ساتھ چاہتی ہو زندگی بسر کرنے میں اختیار ہے۔

اس عورت نے معاویہ کو جواب دیا: مجھے دنیا کے زر و زیور کی ضرورت نہیں ہے اور مجھے اسی جوان کی ضرورت ہے۔

معاویہ جوان کو مخاطب ہو کر کہتا ہے:

خذها لا بارك الله لك فيها (المنتظم: ۲۹۵/۵)

''اس کو لے لے اور خدا تجھے اس عورت میں برکت نہ دے۔''

کوفہ میں معاویہ کے ناپاک عزائم

معاویہ نے کوفہ میں اپنے گورنروں کے ذریعے سے مخالفین کا قلع قمع کیا' ان گورنروں کو

حکم دیا گیا تھا کہ کوفہ کے شیعوں کو ہر ممکن طریقے سے سرکوب کریں۔ یہ کارروائی درج ذیل دو مقاصد کی خاطر انجام دی گئی:

(۱) یزید کی خلافت کے مخالفوں اور دشمنوں کو ٹھکانے لگایا جائے۔

(۲) ممکن ہے کہ آئندہ کوفہ سید الشہداؑ کی مدد کرے لہٰذا کوفہ کو قابل قدر شخصیات سے خالی کر دیا جائے۔

اکثر شخصیات کو زیاد ابن ابیہ کے ذریعے راستے سے ہٹایا گیا چوں کہ وہ کوفہ میں بسنے والے تمام شیعوں کو جانتا تھا اور ان کی کڑی نگرانی بھی کرتا تھا۔ بعض مورخین نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس کے شیعوں کے ساتھ سلوک کو بیان کیا ہے:

کان زیاد تیتبّع شیعة علیٍّ[1]

"زیاد ابن ابیہ شیعیانِ علیؑ کے دَر پے تھا اور ان پر سخت نگرانی کا حکم دے رکھا تھا۔"

زیاد ابن ابیہ نے حجر بن عدی اور عمرو بن حمق جن کا شمار کوفہ کی نام ور شخصیات میں ہوتا تھا ان کو ساتھیوں سمیت گرفتار کیا (اسد الغابہ: ۱/ ۶۹۷، الاستیعاب: ۱/ ۳۲۹، الاستیعاب: ۳/ ۱۷۳)۔

علم رجال کے ماہرین ان دو شخصیات کی حالاتِ زندگی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"حجر اور عمرو بن حمق کا شمار پیغمبر اکرمؐ کے بڑے صحابہ میں ہوتا تھا" (الاستیعاب: ۳/ ۱۷۳)۔

روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ایسی شخصیات کو گرفتار کرنے کے لیے پہلے کچھ مراحل کو طے کرنے کی ضرورت تھی چوں کہ رسولؐ اکرم کے صحابہ معاشرے میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

انھوں نے حجر بن عدی سے کہا: امیر المومنین علیہ السلام پر سب و شتم کریں لیکن انھوں نے انکار کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امام علی علیہ السلام کو دشنام نہ دینا بہت بڑا جرم سمجھا جاتا تھا اور اس کو ثابت

---

(۱) المعجم الکبیر: ۳/ ۷۰، حدیث: ۲۶۹۰، تاریخ مدینہ دمشق: ۱۹/ ۲۰۲، سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹۶، تاریخ الاسلام: ۳/ ۲۱۰، الفتوح: ۳/ ۳۱۶۔

کرنے کے لیے ٹھوس دلائل کی ضرورت تھی۔

انھوں نے حجر بن عدی کے خلاف ایک لمبا چوڑا خط لکھا جس میں کوفہ کی بڑی بڑی شخصیات نے دستخط کیے اور کہا: چوں کہ حجر نے علی علیہ السلام پر تبرا نہیں کیا لہٰذا وہ قتل کے مستحق ہیں اور جن افراد نے اس خط پر دستخط کیے تھے تاریخ میں ان کے نام کچھ اس طرح ذکر ہوئے ہیں:

عمرو بن حریث، خالد بن عرفطہ، ابو بردة بن ابو موسیٰ اشعری، قیس بن ولید بن عبد شمس بن مغیرہ، اسحاق بن طلحہ، موسیٰ بن طلحہ، اسماعیل بن طلحہ، منذر بن زبیر بن عوام، عمر بن سعد بن ابی وقاص، عمارہ بن سعد بن ابی وقاص، عمارہ بن عقبہ بن ابی معیط، شبث بن ربعی، قعقاع بن شور ذھلی، حجار بن ابجر عجلی، عمرو بن حجاج زبیدی، شمر بن ذی الجوشن، زحر بن قیس، کثیر بن شہاب، عامر بن مسعود بن اُمیہ بن خلف، محرز بن جاریہ بن ربیعہ بن عبدالعزیٰ بن عبد شمس، عبیداللہ بن مسلم بن شعبہ حضرمی، عناق بن شرحبیل بن ابی دہم، وائل بن حجر حضرمی، مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی، قطن بن عبداللہ بن حصین حارثی، سائب بن اقرع ثقفی، لبید بن عطارد تمیمی، مخفر بن ثعلبہ، عبدالرحمن بن قیس اسدی اور عزرہ بن عزرہ احمسی۔

ہم نے چند مقاصد کے پیش نظر ان کے اسما کو ذکر کیا ہے:

① کوفہ کی ایسی بڑی شخصیات کی پہچان جو اس زمانے میں اہل بیت علیہم السلام کی مخالف اور دشمن تھیں۔

② ان میں سے بعض افراد حجر بن عدی کے واقعہ میں سرگرم رہے ہیں وہی حضرت مسلم علیہ السلام اور سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر یزید کے لشکر میں بھی نظر آتے ہیں۔ اگرچہ یہ لوگ کوفہ کے رہنے والے تھے لیکن یزید کے دوستوں اور پیروکاروں میں شمار ہوتے تھے۔

③ ان میں سے اکثر افراد صحاح ستہ کے راوی ہیں اور علمائے اہل سنت کے محققین ان کو قابل اعتماد اور متقی و پرہیزگار سمجھتے ہیں۔ علم فقہ اور تفسیر میں ان سے روایات نقل کرتے ہیں۔

اب یہاں سے اچھی طرح سمجھ میں آ گیا کہ اس زمانے میں کوفہ میں کون لوگ رہتے تھے لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہے کہ اس دور میں کوفہ میں رہنے والے امیر المومنین علیہ السلام کے

شیعہ یا اکثریت شیعوں کی تھی' نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے چوں کہ مذکورہ افراد نام ور شخصیات تھیں اوران میں ایک بھی شیعہ نہیں تھا اور جن لوگوں نے لمبے چوڑے خطوں پر دستخط کیے تھے ان میں شمر بن ذی الجوشن اور عمر بن سعد شامل ہیں جو عبیداللہ بن زیاد کے قریبی ساتھی اور آلہ کار تھے ہم عن قریب ان کا تعارف اور ان کے کردار کے بارے میں تحقیق کریں گے۔

عمرو بن حمق وہ ہیں جو زیاد ابن ابیہ کے ہاتھوں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور ان کی شہادت کے بعد زیاد نے ان کا سر شام بھیجا۔

مؤرخین لکھتے ہیں: اسلام کی تاریخ میں عمرو بن حمق کا سر وہ پہلا سر ہے جسے ایک شہر سے دوسرے شہر میں بھیجا گیا (الاستیعاب: ۱۷۳/۱۳)۔

زیاد ابن ابیہ کوفہ میں بہت زیادہ جرائم کا مرتکب ہوا ہے۔ ان میں بعض نام ور شخصیات جیسے رشید ہجری' میثم تمارؓ اور کمیلؓ وغیرہ کی جاسوسی شامل ہے۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ معاویہ نے مختلف حربوں سے مدینہ' حجاز' شام اور کوفہ سے اپنے مخالفین کا صفایا کیا ہے۔ تحقیق کی بنا پر حاکم شام کے مخالفین میں سے جو بڑی شخصیت کے مالک تھے ان میں سے دو نامی گرامی شخصیات باقی رہ گئی تھیں ان میں سے ایک سیدالشہداعلیہ السلام اور دوسرے عبداللہ ابن زبیر تھے۔

اس طریقے سے معاویہ نے یزید کی جانشینی کے لیے راستا ہموار کیا اور یہاں تک کہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اور اس کو باقی رکھنے کے لیے ایک وصیت نامہ لکھا اور اسے اپنے مخصوص نصرانی غلام سرجون کے پاس مخفی رکھا تاکہ مناسب وقت آنے پر یزید کو دے۔

تحقیق کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا ہے کہ سیدالشہداعلیہ السلام کی شہادت کی منصوبہ بندی خود معاویہ نے کی تھی اور یہ حقیقت تحقیق کی روشنی میں ثابت ہو گئی ہے۔

معاویہ کی ایک اور چال

معاویہ نے اس طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے مدینے کے گورنر مروان سے استفادہ کیا۔ تمام مؤرخین کے بیان روز روشن کی طرح واضح ہیں کہ مروان اہل بیت علیہم السلام

کا سخت ترین اور دیرینہ دشمن تھا۔ وہ تمام واقعات کی معاویہ کو رپورٹ پیش کرتا اور سید الشہداؑ کے پاس لوگوں کی آمد و رفت سے بھی آگاہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ معاویہ کو خط لکھا کہ کسی صورت میں بھی حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ سمجھوتہ ممکن نہیں۔

نام ور مؤرخ بلاذری اس واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں: عراق اور حجاز کی شخصیات ہمیشہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ آمد و رفت رکھتی تھیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام ان کے نزدیک انتہائی قابل احترام تھے اور وہ امام علیہ السلام کے فضائل و کمالات ایک دوسرے سے نقل کرتے تھے، یہاں تک کہ حضرت امام حسین علیہ السلام سے عرض کیا:

انا لك يد و عضد......

''ہم آپؑ کی مدد و نصرت کے لیے آئے ہیں۔''

جب آپؑ کے پاس لوگوں کا آنا جانا کثرت سے ہوا تو عمرو بن عثمان، مروان کے پاس آیا اور اسے کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تجھے حسینؑ کی طرف سے انتہائی سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جب ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی تو مروان نے معاویہ کو خط لکھا اور اسے مدینہ کی موجودہ صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ معاویہ نے جواب میں لکھا:

أن اترك حسينا ما تركت......

''جب تک حسینؑ تیرے خلاف قیام نہ کرے، اس کے ساتھ تیرا کوئی واسطہ نہیں'' (انساب الاشراف: ۱۵۲/۳)۔

سید الشہداؑ کی معاویہ کے ساتھ گفتگو

معاویہ نے اُمورِ حج انجام دینے کے لیے حجاز کی جانب رختِ سفر باندھا اور ایک محفل جس میں سید الشہداؑ سمیت یزید کی جانشینی کے دوسرے مخالفین بھی موجود تھے۔ اس نے ان حضرات کے درمیان یزید کی شخصیت کا تعارف کرایا۔ اس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کھڑے ہوئے حمد و ثنائے الٰہی اور پیغمبر اکرمؐ پر درود و سلام بھیجنے کے بعد ارشاد فرمایا:

و فهمت ما ذكرته عن يزيد..... تريد أن توهم الناس من يزيد،

كأنك تصف محجوبًا أو تنعت غائبًا أو تخبر عمّا كان ممّا احتويته بعلم خاص و قد دلّ يزيد من نفسه علي موقع رأية......

"تُو نے یزید کی تعریف میں جو کچھ کہا ہم سمجھ گئے اور تُو لوگوں کو دھوکہ میں رکھنا چاہتا ہے تُو یزید کے بارے میں اس طرح گفتگو کر رہا ہے گویا لوگ اس کے حالات کو نہیں جانتے اور تُو ایک ایسے شخص کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے کہ کسی نے بھی اسے نہیں دیکھا اور لوگ اس کے حالات سے ناواقف ہیں حالاں کہ یزید اپنے کرتوتوں کی وجہ سے سماج اور معاشرے میں محتاج تعارف نہیں رہا ہے۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطاب کو جاری رکھتے ہوئے...... یزید کے مفاسد اور جرائم کے بارے میں، جو لوگوں کے درمیان آشکار اور معروف تھے...... معاویہ سے یوں مخاطب ہوئے:

ودع عنك ما تحاول، فما أغناك أن تلقي الله من وزر هذا الخلق بأكثر ممّا أنت لاقية، فوالله! مابرحت تقدم باطلاً في جور و حنقًا في ظلم، حتّي ملأت الأسقية، وما بينك و بين الموت الاّ غمضة، فتقدم علي عمل محفوظ في يوم مشهود و لات حين مناص

"اس کام سے دست بردار ہو جاؤ اور جو مقصد و ہدف تیری نظر میں ہے اس سے منصرف ہو جاؤ اس لیے کہ تُو نے اب تک جن جرائم کا ارتکاب کیا ان کا بھی جواب نہیں دے سکتا۔ اب تیرے اور موت کے درمیان پلک جھپکنے سے زیادہ فاصلہ باقی نہیں بچا ہے اور وہ دن دور نہیں جس دن تُو اپنے جرائم اور ظلم جس کا تُو مرتکب ہوا ہے، کا مشاہدہ کرے گا اس سے کوئی راہِ فرار نہیں" (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/۲۰۸ اور ۲۰۹)۔

معاویہ شام سے اپنے ساتھ ایک ہزار سپاہی لایا تھا اور وہ ننگی تلواریں لیے اس کے

اردگرد کھڑے تھے۔ معاویہ نے محسوس کیا کہ اب کذب بیانی کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے تو کہنے لگا: یہ کیسی افواہیں ہیں؟

کس نے کہا کہ ان چار افراد (حسینؑ بن علیؑ، عبدالرحمٰن بن ابی بکر، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر) نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے اور لوگ جھوٹی خبریں پھیلا رہے اور گمان کرتے ہیں کہ ان محترم شخصیات نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے۔

پھر معاویہ نے برہنہ تلوار لیے ہوئے سپاہیوں کی طرف رُخ کیا۔ انھوں نے شکایت کے لہجے میں معاویہ سے کہا: تجھے کیا ہو گیا ہے کہ ان چار افراد کی اتنی قدر اور تعریف کر رہا ہے؟ ان افراد کو چاہیے کہ لوگوں کے سامنے اور علی الاعلان یزید کی بیعت کریں، مخفیانہ بیعت ناقابل قبول ہے تاکہ تمام لوگ جان لیں کہ انھوں نے یزید کی بیعت کی ہے۔ اس کے بعد معاویہ اور ان سپاہیوں کے درمیان پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق معاویہ نے کہا: نہیں، ان بزرگ شخصیات نے یزید کی بیعت کی ہے انھوں نے اپنی خوشی اور مرضی سے یزید کی بیعت کی ہے۔

اے جانثارو! کیوں فساد پھیلانا چاہتے ہو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ فتنہ پیدا ہو جائے؟ یہ بزرگ وار مسلمان ہیں ان کے بارے میں ایسی بات نہ کہو میں ان سے راضی ہوں۔ محفل برخاست ہونے کے بعد سیدالشہداؑ سے پوچھا: کیا آپؑ نے بیعت کی ہے؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا:

لا، و اللّٰه، ما بايعنا و لكن معاوية خدعنا و كادنا...... [معاویہ] قال: ايها الناس! انّا وجدنا أحاديث الناس ذات عوار، و انّهم قد زعموا أنّ الحسين بن علي، و عبدالرحمان بن أبي بكر، و عبدالله بن عمر و عبدالله بن الزبير، لم يبايعوا يزيد، وهؤلاء الرهط الأربعة هم عندي سادة المسلمين و خيارهم، وقد دعوتهم الى البيعة فأجابوا اذا سامعين مطيعين..... فضرب أهل الشام بأيديهم الى سيوفهم فسلوها ثم قالوا: يا أميرالمؤمنين! ما هذا الذي تعظّمه من أمر هؤلاء الأربعة؟ الذن لنا أن نضرب أعناقهم، فانا لانرضى أن يبايعوا سرا! و لكن يبايعوا جهرا حتى

يسمع الناس أجمعون.

فقال: معاوية...... فانّهم قد بايعوا و سلّموا و ارتضوني فرضيت عنهم)،

الامامۃ والسیاسۃ:۱/ ۲۱۳' تاریخ الخلفاء: ۱۹۷' الفتوح: ۴/ ۳۴۳)۔

"خدا کی قسم! ہم نے بیعت نہیں کی لیکن معاویہ نے یہ چال چلی اور لوگوں کو دھوکہ دیا۔"

طبرانی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ حسینؑ بن علیؑ نے فرمایا:

انا وا اللّٰه أحق بها منه، فانّ أبي خير من أبيه و جدّي خير من جدّه و انّ أمي خير من أمّه و أنا خير منه (المعجم الکبیر:۱۹/ ۳۵۶)

"خدا کی قسم! میں یزید سے زیادہ خلافت کا حق دار ہوں' ماں باپ کے لحاظ سے بھی اور جد کے لحاظ سے بھی اور میں خود اس سے بہتر ہوں۔"

معاویہ نے کہا: ماں کے لحاظ سے تُو اس سے بڑھ کر ہے لیکن باپ کے لحاظ سے تُو کیسے بہتر ہے؟ جب کہ جنگ میں یزید کا باپ تیرے باپ پر غالب رہا ہے اور یزید تجھ سے بہتر ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے خط کا جواب

روایت میں آیا ہے کہ معاویہ نے ایک خط حضرت امام حسین علیہ السلام کے نام بھیجا جس میں لکھا تھا:

اما بعد، فقد انتهت اليّ منك أمور، لم اكن أظنك بها رغبة عنها......

"مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم مختلف اُمور اور سرگرمیوں میں مشغول ہو یہ تمھارے شایانِ شان نہیں لہٰذا ان سے گریز کرو۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جواب میں لکھا:

"اما بعد...... تیرا خط مجھے ملا۔"

اس کے بعد امام علیہ السلام نے معاویہ کو اس کے جرائم سے آگاہ کیا اور آخر میں اسے وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

و اعلم انّ اللّٰہ کتابًا لا یغادر صغیرۃ و لا کبیرۃ الاّ أحصاھا و اعلم' انّ اللّٰہ لیس بناس لک قتلک بالظنّۃ و أخذک بالتھمۃ' و امارتک صبیّاً یشرب الشراب' و یلعب بالکلاب. ما اراک الاّ و قد أوبقت نفسک و أھلکت عینک' و أضعت الرعیّۃ (الامامۃ والسیاسۃ: ۱/ ۲۰۳ و ۲۰۴)

''اے معاویہ! جان لے بے شک خداوند عالم کے پاس ایک کتاب ہے جس میں صغیرہ و کبیرہ گناہ درج کیے جاتے ہیں اور جان لے! تُو نے لوگوں کو بغیر کسی وجہ سے صرف گمان کی بنیاد پر قتل کیا اور تُو نے اپنے بیٹے کو جو شراب پیتا ہے' کتوں سے کھیلتا ہے اپنا ولی عہد بنایا ہے۔ درحقیقت تُو نے اپنے دین کو تباہ و برباد کیا ہے اور لوگوں کو بد بخت کیا ہے۔''

حضرت امام حسین علیہ السلام کی استقامت اور معاویہ کی ناکامی

گذشتہ مطالب کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اور معاویہ کے درمیان حکومتی مسائل پر گفتگو اور خطوط کا تبادلہ بھی ہوا ہے لیکن معاویہ' سید الشہداء علیہ السلام کو یزید کی بیعت پر مجبور نہ کرسکا چوں کہ آں حضرتؑ چند خصوصیات کے مالک تھے:

① معاشرے میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذاتی شخصیت اور سماجی مقام۔

② معاویہ نے سید الشہداء علیہ السلام کے بھائی حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دیا تھا اور اس واقعہ کو کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا' معاویہ چاہتا تھا کہ یہ سازش چھپی رہے لیکن یہ خبر تمام لوگوں کو معلوم ہو گئی تھی اگر ان حالات میں سید الشہداء علیہ السلام کو بھی کوئی اذیت پہنچاتا تو اسے بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی۔

③ جو کچھ کہا گیا ہے اس کے علاوہ' معاویہ اور حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے درمیان جو صلح نامہ طے پایا تھا اس کی ایک شق یہ تھی کہ معاویہ کی جانب سے حضرت امام حسنؑ و حسینؑ کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا۔ صلح نامہ کی اس شرط کی بعض مؤرخین نے

وضاحت کی ہے۔[1]

والی مدینہ کی معزولی

سید الشہداعلیہ السلام کی استقامت کی وجہ سے معاویہ کے بس میں نہیں تھا کہ امام علیہ السلام سے یزید کے لیے بیعت لے سکے۔ چناں چہ اسی وجہ سے وہ واپس شام چلا گیا اور مرنے سے پہلے مروان کو مدینہ کی گورنری سے معزول کر دیا اور اس کی جگہ پر ولید بن عتبہ کو مدینے کا والی بنا دیا (الامامة والسیاسة: ۱/۱۹۸؛ الفتوح: ۵/۹)۔

اب اس سیاسی جوڑ توڑ کا راز اور اس سوال کا جواب کہ مروان کو ہٹا کر اس کی جگہ پر ولید کو کیوں گورنر بنایا گیا؛ سے پردہ ہٹاتے ہیں۔

مروان سید الشہداعلیہ السلام کا سخت ترین دشمن تھا اور اس نے یہ ٹھان لی تھی کہ حسینؑ بن علیؑ کو ہر حال میں قتل کیا جائے لیکن ولید بن عتبہ کا سید الشہداعلیہ السلام کے بارے میں ایسا نظریہ نہیں تھا معاویہ نہیں چاہتا تھا کہ موجودہ حالات میں مدینہ کی باگ ڈور مروان کے ہاتھ میں ہو۔

جس دعویٰ کو ہم ثابت کر رہے ہیں اس کا سرچشمہ بھی سیاسی جوڑ توڑ ہے مروان اور ولید کے درمیان جو اختلاف رائے تھا اس وجہ سے ایک کو معزول کر کے دوسرے کو گورنر بنا دیا گیا؛ لہٰذا یہ جو سیاسی تبدیلی لائی گئی ہے یہ ایک پروگرام کے تحت تھی ورنہ سید الشہداعلیہ السلام کی شہادت کی جو منصوبہ بندی کی گئی تھی وہ سامنے نہ آتی چناں چہ پہلے سے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت جو پروگرام تشکیل دیا گیا تھا اس کو آگے چل کر عملی جامہ پہنایا گیا۔ بالفاظ دیگر معاویہ کا یہ ارادہ نہیں تھا کہ حسینؑ کے ساتھ مدینہ میں سختی سے پیش آیا جائے لہٰذا مروان کو مدینہ کا حاکم نہیں ہونا چاہیے تھا۔

تین اہم نکات

قارئین کرام کی توجہ تین اہم نکات کی جانب مبذول کرتے ہیں:

---

(۱) الفتوح: ۴/۳۹۱؛ مطالب السؤول فی مناقب آل الرسولؐ: ۲۵۷؛ بحار الانوار: ۴۴/۶۵؛ الفصائح الکافیہ: ۱۳۸۔

پہلا اہم نکتہ

اہل کوفہ نے معاویہ کے دورانِ حکومت اور یزید کی بیعت لینے کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطوط بھیجے ہیں۔ ابن کثیر اس بارے میں تحریر کرتے ہیں: جس وقت معاویہ نے لوگوں سے یزید کے لیے بیعت لی تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کی بیعت نہیں کی۔ چناں چہ کوفہ کے لوگوں نے امام علیہ السلام کو خطوط لکھے اور قیام کرنے کی دعوت دی لیکن سید الشہداء علیہ السلام نے ان پر کوئی توجہ نہ دی پھر کچھ لوگ کوفہ سے آئے تا کہ امام علیہ السلام کو دعوت دی جائے۔

لیکن آپؑ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا پھر وہ لوگ محمدؒ بن حنفیہ کو سفارشی اور واسطہ بنا کر لائے تا کہ وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان کے ہم راہ کوفہ کی جانب جانے پر راضی کریں (لیکن بعض مؤرخین کے نزدیک جیسے ابن اعثم کوفی 'الفتوح' میں رقم طراز ہے کہ جب یزید برسرِ اقتدار آیا تو اس نے سب سے پہلے مروان کو معزول اور ولید بن عتبہ کو منصوب کیا)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی محمدؒ بن حنفیہ کے جواب میں ارشاد فرمایا:

ان القوم انما يريدون أن يأكلوا بنا و يستطيلوا بنا و يستنبطوا دماء الناس و دمائنا...... (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۷۳)

''یہ قوم ہماری وجہ سے حاکم بننا چاہتی ہے اور پھر ہمارے ہی خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین کرے گی۔''

چناں چہ اس مقام پر دو بنیادی نکات قابلِ ذکر ہیں:

① امام عالی مقام علیہ السلام کو دعوت معاویہ کے دورِ حکومت میں دی گئی۔

② دعوت دینے والوں کا مقصد طاقت' حکومت اور سید الشہداء علیہ السلام کا خون بہانا تھا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کئی بار اس جملے کا تکرار فرمایا کہ یہ (اہل کوفہ) مجھے قتل کرنے کے درپے ہیں۔

دوسرا اہم نکتہ

معاویہ نے یزید کو کیا وصیت کی تھی؟ معاویہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں یزید سے کہا:

یا بنی انی قد کفیتک الرحلة و الرجال، وطأت لک الأشیاء، و ذلّلت لک الأعزاء، و أخضعت لک أعناق العرب (البدایہ والنہایہ: ۱۲۳/۸)

"اے میرے بیٹے! میں نے تیرے لیے راستا ہموار کر دیا ہے...... اور بڑے بڑے سرداروں اور نامور شخصیات کو ٹھکانے لگا دیا ہے اور میں نے تیری خاطر معاشرہ کے عزت مند لوگوں کو ذلیل کیا ہے اور عربوں کی گردنوں کو تیرے سامنے خم کر دیا ہے تاکہ تیرے لیے حاکمیت کا راستا فراہم کروں۔"

بالفاظ دیگر یہ بھی نقل کیا گیا ہے، معاویہ نے کہا:

یا بنی! انّی قد کفتیک الشدّ و الترحال، و طأت لک الأمور، و ذلّلت لک الأعداء، و أخضعت لک رقاب العرب، و جمعت لک مالم یجمعه أحد (الکامل فی التاریخ: ۶/۳، نہایۃ الارب: ۳۶۵/۲۰، تاریخ ابن خلدون: ۱۸/۳، تاریخ طبری: ۲۳۸/۳)

ابن اعثم کوفی اسی واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں، معاویہ نے اپنے بیٹے یزید سے کہا:

انّی من أجلک آثرات الدنیا علی الآخرة و دفعت حقّ علی أبی طالب، و حملت الوزر علی ظهری (الفتوح: ۳۴۸/۴)

"بیٹا! میں نے تیری خاطر اپنی آخرت کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا اور اس گناہ کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھایا ہے۔"

معاویہ نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں یزید کو بہت اہم وصیتیں کی ہیں اور کہا:

اما الحسین بن علی، فانّ العراق لن یدعوه حتّی یخرجوه......

فلست أشک فی و ثوبه، ثم یکفیکه اللّٰه بمن قتل أباه و جذل أخاه......[1]

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۵۵؛ تہذیب الکمال: ۲۱۳/۶؛ سیرہ اعلام النبلاء: ۲۹۵/۳؛ تاریخ الاسلام: ۷/۵؛ البدایہ و مشق: ۱۳

''عراق کے لوگ حسینؑ بن علیؑ کو دعوت دیں گے تاکہ ان کے ساتھ قیام کریں......اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تیری بیعت نہیں کریں گے اور جن لوگوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی کو زخمی کیا (اہل عراق) وہی لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کو ٹھکانے لگانے کے لیے کافی ہیں۔''

خوارزمی کہتا ہے کہ معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو کہا:

اما الحسين بن علي، فأوّه أوّه يا يزيد! ماذا أقول لك فيه، فاحذر أن تتعرّض له الاّ بسبيل خير، و امدد له حبلاً طويلاً...... و لكن أرعد له و أبرق. و ايّاك و المكاشفة له في محاربة بسيف أو منازعة بطعن رمح (مقتل الحسین علیہ السلام ۱/۱۷۳، الفتوح:۴/۳۵۰ تھوڑے سے فرق کے ساتھ)

''حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ بڑے آرام اور خوش اسلوبی سے پیش آنا اور انھیں مہلت دینا......لیکن انھیں ڈرائے دھمکائے رکھنا لیکن خبردار قتل نہ کرنا۔''

مشہور مؤرخ ابن سعد الطبقات الکبریٰ میں رقم طراز ہیں کہ معاویہ نے جان کنی کی حالت میں یزید کو بلایا اور اسے وصیتیں کیں اور کہا:

انظر حسين بن علي و فاطمه بنت رسول الله، فانه احبّ الناس الى الناس، فصل رحمه و ارفق به، يصلح لك أمره، فان يك منه شيء فانّي أرجو أن يكفيكه الله بمن قتل أباه و خذل أخاه[1]

''یاد رکھ! حسینؑ بن علیؑ رسولؐ اللہ کی بیٹی فاطمہؑ کا لخت جگر ہے اور تمام لوگوں کی نسبت انھیں زیادہ محبوب ہے۔ اس کے ساتھ صلہ رحمی اور نرمی و ملائمت سے پیش آنا، بالآخر تیرے حق میں فیصلہ ہو جائے گا۔ اگر اسے کوئی

(۱) ترجمہ حضرت امام حسین علیہ السلام من طبقات الکبریٰ ابن سعد:۵۵، تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/۲۰۶، سیرہ اعلام النبلاء:۳/۲۹۵، تہذیب الکمال:۶/۴۱۳، البدایہ والنہایہ:۸/۱۲۳-۱۲۴، تاریخ طبری:۳/۲۳۹، تاریخ الاسلام:۵/۷۔

حرکت سرزد ہوئی تو تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ جن لوگوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا خدا انھی لوگوں کے ذریعے تجھے حسینؑ کی طرف سے لاحق خطرات سے محفوظ رکھے گا۔"

اس وصیت پر غور کرنے سے دو نکتے سامنے آتے ہیں کہ معاویہ نے کہا:

① حسینؑ سے تجھے کوئی واسطہ نہیں۔

② اہل عراق ان کو دعوت دیں گے اور انھیں قتل کر دیں گے۔

اب ان دو نکات کو اہل کوفہ کے ان خطوط میں اضافہ کریں کہ جو انھوں نے معاویہ کے دورانِ حکومت حضرت امام حسین علیہ السلام کو ارسال کیے تھے۔

تیسرا نکتہ

یزید نے شام میں جو پہلا خطبہ دیا اس نے عراق میں عن قریب لڑی جانے والی ایک جنگ کی پیش گوئی کی اور کہا: اس میں ہمیں عبیداللہ بن زیاد کے ذریعے کام یابی ملے گی (الفتوح:۵/۶)۔

مدینہ کے گورنر ولید کو یزید کا خط

معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید تختِ خلافت پر براجمان ہو گیا۔ اس نے پہلے اقدام کے طور پر مدینہ کے گورنر کو خط لکھا کہ میرے لیے لوگوں سے عمومی طور پر بیعت لو اور عبداللہ بن زبیر اور حسینؑ بن علیؑ سے بالخصوص بیعت لو۔ اس خط کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا نوشتہ بھی ولید کے نام ارسال کرتا ہے۔ اس میں کیا لکھا ہوا تھا؟

اس نوشتہ کو نقل کرنے والے منابع اور مآخذ میں اختلاف پایا جاتا ہے اور یہ تین مختلف طریقوں سے نقل کیا گیا ہے، ہم عن قریب اس کی تحقیق کریں گے۔

ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو بلایا اور یزید کی بیعت کا تقاضا کیا۔ امام علیہ السلام نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: مجھے مہلت دی جائے تا کہ میں غور و فکر کرسکوں۔

ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا:

انصرف علی اسم اللّٰہ (البدایہ والنہایہ:۸/۱۵۷)

"آپؑ تشریف لے جائیے خدا آپؑ کو سلامت رکھے۔"

سیدالشہداءؑ ولید کے دربار سے باعافیت نکلے۔ شمس الدین ذہبی اس واقعہ کو لکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں:

فلم یشدد الولید...... (سیرہ اعلام النبلاء:۳/۵۳۴)

"ولید نے حضرتؑ پر سختی نہیں کی......"

مروان [جس کے پاس اب کوئی حکومتی منصب نہیں تھا اور اس محفل میں حاضر تھا] ولید سے کہتا ہے: میں نے تجھے کہا تھا کہ حسینؑ کا یہاں پر ہی کام تمام کردے تم نے کیوں گریز کیا؟

کیا مروان کی اس گفتگو سے اس کا اس منصب سے معزول ہونا اور اس کی جگہ پر ولید کو مدینہ کا گورنر قرار دیے جانے کا راز نہیں سمجھا جا سکتا؟

مروان نے مزید کہا:

عصیتنی، لا و اللّٰہ لا یمکنك مثلها من نفسه أبدًا (سیرہ اعلام النبلاء:۳/۵۳۴)

"خدا کی قسم! اب حسینؑ تیرے ہاتھ نہیں آئے گا اور تُو حسینؑ کو کبھی گرفتار نہیں کر سکے گا۔"

ولید نے جواب میں کہا:

الویح لغیرك یا مروان! انّك اخترت لی الّتی فیها هلاك دینی و دنیای. واللّٰہ ما أحبّ أنّ لی ما طلعت علیه الشمس و غربت عنه من مال الدنیا و ملکها و انّی قتلت حسینًا. سبحان اللّٰہ! أقتل حسینًا ان قال: لا أبایع؟ واللّٰہ انّی لأظن أنّ امرءاً یحاسب بدم الحسین خفیف المیزان عنداللّٰہ یوم القیامة (الارشاد:۲/۳۳،۳۴، تاریخ طبری:۴/۲۵۲، الفتوح:۵/۱۴)

"اے مروان! یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ کیا میں وہ کام انجام دوں جس میں میری دنیا اور آخرت کی ہلاکت ہو۔ خدا کی قسم! اگر ساری کائنات میرے قدموں میں ڈال دی جائے تاکہ میں حسینؑ کو قتل کروں تو ہرگز قبول نہیں کروں گا۔ سبحان اللہ! حسینؑ کو اس لیے قتل کروں کہ وہ کہتے ہیں کہ یزید کی بیعت نہیں کرتا۔ خدا کی قسم! میں گمان کرتا ہوں کہ روز قیامت قاتل حسینؑ کے نامہ اعمال میں سوائے حسرت کے کچھ نہیں ہوگا۔"

ہم نے ولید کی گفتگو کو نقل کیا ہے لیکن کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ولید سید الشہداؑ کو چاہنے والا تھا' ہرگز نہیں بل کہ جس طرح منصوبہ بندی کی گئی تھی اس نے اس کے مطابق عمل کیا...... ہم اس نکتہ کو عن قریب ثابت کریں گے۔ مذکورہ حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات روز روشن کی طرح واضح وعیاں ہو جاتی ہے کہ ولید بن عتبہ نے حضرت امام حسینؑ کے ساتھ جو طریقۂ کار اپنایا ہے یہ معاویہ کی طرف سے یزید کو کی گئی اس وصیت کے عین مطابق تھا کہ حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیر کے ساتھ کیسا سلوک روا رکھنا ہے۔

معاویہ نے یزید کو وصیت کی کہ عبداللہ بن زبیر کو جہاں بھی پاؤ اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا......(تاریخ طبری: ۳/ ۲۳۸)۔

اور سید الشہداؑ کے ساتھ نرمی سے پیش آنا یہ وصیتیں اور نصیحتیں امامؑ کے ساتھ ہم دردی کے لحاظ سے نہ تھیں بل کہ یہ سب کچھ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا۔

عبداللہ بن زبیر رات کی تاریکی میں نامعلوم راستوں سے مدینہ سے مکہ کی طرف چل پڑا اور ولید بن عتبہ کو خبر ہوئی تو اس کو پکڑنے کے لیے ایک لشکر بھیجا لیکن وہ اسے گرفتار نہ کر سکے۔ لیکن جب حضرت امام حسینؑ مدینہ سے مکہ کی طرف چلے اور ولید کو خبر پہنچی تو ولید نے کہا: الحمدللہ۔

شیخ مفیدؒ اس واقعہ کے بارے میں رقم طراز ہیں:

وهی لیلة السبت لثلاث بقین من رجب سنة ستّین من الهجرة' و اشتغل الولید بن عتبة بمراسلة ابن الزبیر فی

البیعة لیزید و امتناعه علیهم...... فخرج علیه السلام فی تلك اللیلة و هی لیلة الأحد لیومین بقیا من رجب متوجّها الی مکّة......

”سید الشہدا علیہ السلام ہفتہ کی شب ۲۷ رجب ۶۰ ہجری مدینہ میں تھے کہ ولید بن عتبہ فرزند زبیر سے بیعت لینے میں مشغول تھا...... حضرت امام حسین علیہ السلام نے اتوار کی رات کو ماہ رجب سے ابھی دو دن باقی رہتے تھے کہ مکہ کی طرف حرکت کی۔“

ولید نے امام علیہ السلام کے گھر میں سپاہی بھیجے تا کہ جائزہ لیا جائے کہ کیا حضرت مدینے سے نکلے ہیں یا نہیں؟ وہ آتے ہیں لیکن آں حضرت کو گھر میں نہیں پایا' اس موقع پر ولید نے کہا:

الحمدلله الذی خرج و لم یبیلتنی بدمه (الارشاد: ۲/۳۴)

”خدا کی حمد ہے کہ وہ نکل گئے ہیں اور میرے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہیں ہوئے۔“

حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ولید کی ملاقات کے سلسلے میں جو اہم ترین اور قابل دید نکتہ ہے وہ بلاذری کی روایت میں پایا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: حضرت امام حسین علیہ السلام کو ولید طلب کرنے کے بعد کہتا ہے آپ تشریف لائیے اور پھر آپ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

لا علمت ما یکون بعدنا لأجینا کما أبغضتنا (الانساب الاشراف: ۳/۱۵۷)

”اگر آپ کو علم ہو جائے کہ دوسرے آپ کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں گے تو ہم جس قدر اس وقت آپ کو برے لگ رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ اچھے لگتے۔“

شیعہ کتابوں میں معاویہ کی یزید کو وصیتیں

معاویہ کی طرف سے یزید کو کی گئی وصیتیں شیعہ کتب میں بھی پائی جاتی ہیں۔ شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت

کے بارے میں دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے جواب دیا: میرے والد گرامیؑ نے اپنے جد امجدؐ سے نقل کیا ہے کہ معاویہ جان کنی کی حالت میں تھا کہ یزید کو طلب کیا اور اپنے پاس بٹھا کر اس طرح وصیت کی:

"اے میرے بیٹے! میں نے سرکش افراد کی گردنوں کو تیرے سامنے جھکا دیا ہے اور سرزمینوں کو تیرے قبضہ قدرت دینے کے لیے آمادہ کر دیا ہے اور مجھے تیرے مقابلے میں تین افراد کا خوف ہے اور یہی تیرے لیے مشکلات کھڑی کریں گے۔ وہ تین افراد عبداللہ بن عمر بن خطاب، عبداللہ بن زبیر اور حسینؑ بن علیؑ ہیں۔"

عبداللہ بن عمر تیرا ساتھ دے گا، اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنا۔ عبداللہ بن زبیر کو جہاں بھی پاؤں ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اس کی مثال تیرے ساتھ ایسے ہی ہے جیسے ریوڑ میں شیر ہو اور تم ایک دوسرے کے مقابلے میں ایسے ہی ہو جیسے بھیڑیا اور کتا، لیکن حسینؑ کے بارے میں جیسا تو جانتا ہے کہ اس کا رسولؐ خدا کے ساتھ تعلق اور رابطہ ہے وہ مجبوراً اہل عراق کے ساتھ ہو جائے گا اور مدینہ سے ہجرت کرے گا اور وہی عراق اسے تنہا چھوڑ دیں گے اور قتل کر دیں گے (امالی شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ، ۲۱۶)۔

بہر حال معاویہ کی وصیت کا خلاصہ یہ ہے کہ حسینؑ کے ساتھ کوئی سروکار نہ رکھنا، عبداللہ بن زبیر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا اور عبداللہ بن عمر کی درہم و دینار، نرمی اور ملائمت یا احترام اور بڑے بڑے القاب کے ذریعے خوشامد کرنا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ معتبر مآخذ میں ذکر کیا گیا ہے کہ عبداللہ بن عمر نے (اپنے خیال کے مطابق) سید الشہداء علیہ السلام کو نصیحت کی اور کہا:

لا تخرج! فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ خیرہ اللہ بین الدنیا والآخر، فاختار الآخرۃ و انک بضعۃ منہ...... (تاریخ الاسلام: ۵/۸)

"تمھیں اپنے نانا کی سیرت کہ جنھوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دی، کی پیروی کرنا چاہیے، تم بھی تو انھی کے جگر گوشہ ہو۔"

پوری تاریخ میں اس قسم کے بے شمار موارد موجود ہیں جہاں بعض لوگ مقدس چہروں کے ساتھ ضلالت اور گمراہی کا سبب بنے۔ ان لوگوں کے ظاہری تقدس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے بلکہ حقیقت کو درک کرنا چاہیے۔

جیسا کہ گزر چکا ہے کہ معاویہ کے زمانے میں اہل کوفہ نے سید الشہداء علیہ السلام کو دعوت دی...... سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے محمدؐ بن حنفیہ کے جواب میں فرمایا: یہی لوگ میرا خون بہائیں گے...... (یہ فقرہ سید الشہداء علیہ السلام نے مختلف مواقع اور کئی مقام میں ارشاد فرمایا ہے اور وہ مدینہ میں ہجرت کرنے سے پہلے سارے پروگرام کو جانتے تھے (البدایہ والنہایہ: ۸/۱۶۱)۔

حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کا امام عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ مصالحانہ انداز اپنانا واضح اور عیاں ہے کہ ولید بھی اچھا انسان نہیں رہا ہے نہ ہی سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا تھا چناں چہ اس موقع پر اس کی طرف سے امام علیہ السلام کے ساتھ ظاہری طور پر حُسن سلوک سے بعض افراد دھوکا کھا گئے ہیں۔

بطور نمونہ مامون رشید کے عمل کو دیکھیے۔ جب اس نے امام رضا علیہ السلام کو زہر دلوا دی اور امام علیہ السلام کی شہادت کی خبر اسے ملی تو امام رضا علیہ السلام کے جنازے میں گریہ کرتے ہوئے اور پا برہنہ شرکت کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صدیاں گزر جانے کے بعد اور حتیٰ کہ آج بھی بعض افراد مامون عباسی کے قاتل ہونے میں شک کرتے ہیں۔

ولید کا حضرت امام حسین علیہ السلام سے نرمی اور حُسنِ سلوک سے پیش آنا پہلے سے طے شدہ پروگرام اور منصوبہ بندی کے تحت تھا اور ہرگز سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ محبت اور اُلفت کارفرما نہ تھی۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب عبداللہ بن زبیر نے مدینے سے مکہ کی طرف حرکت کی تو ولید نے حبیب ذکوان کے ماتحت ۳۰ آدمیوں کو جو گھوڑوں پر سوار تھے اس کے تعاقب کے لیے بھیجا تا کہ اسے گرفتار کیا جا سکے (الاخبار الطوال: ۲۲۸)۔ لیکن جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے جانے کی خبر ملی تو امام علیہ السلام کے سلسلے میں اس قسم کا اقدام نہ اُٹھایا بلکہ کہا: الحمدللہ۔

کیا تحقیق کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ جب ولید نے الحمدللہ کہا تو اس کو حکومت کی

طرف سے سرزنش اور ڈانٹا گیا ہو؟

اگر ولید کو یہ حکم دیا گیا ہوتا یا حسینؑ سے بیعت لے یا پھر انھیں قتل کر دے تو حضرت امام حسین علیہ السلام کا مدینے سے نکلتے وقت اس کا الحمدللہ کہنے کا کوئی معنی نہیں ہے اس لیے کہ اس نے دیے گئے حکم پر ابھی تک عمل نہیں کیا اور یہ تو اسے سرزنش اور اسے برا بھلا کہنے کا مقام ہے۔

لیکن ہرگز اس کی سرزنش نہیں کی گئی اور تاریخ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا حضرت امام حسین علیہ السلام کو آزادی اور اختیار کے ساتھ مدینے سے حرکت کرنے پر ولید کو سرزنش کی گئی ہو۔ اس کے برعکس عبداللہ بن زبیر کے فرار کرنے پر ولید کو سرزنش کی گئی ہے چوں کہ اسے حکم دیا گیا تھا کہ اسے قتل کر دیتا اور وہ نہ کر سکا۔ اس مطلب پر دلیل یہ ہے کہ سیدالشہداء علیہ السلام کا مدینے سے نکلنے کے بعد بھی ولید کو بنو اُمیہ کے ہاں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں: ولید بن عتبہ سن ۶۲ ہجری میں حکومت کی طرف سے حجاج کا امیر تھا۔ اس کے علاوہ جب یزید کا بیٹا معاویہ باپ کے مرنے کے بعد حکومت کو قبول نہیں کرتا اور ظاہراً اسے زہر دیا جاتا ہے تو یہی ولید معاویہ کی نماز جنازہ پڑھاتا ہے۔

بہرحال ولید کو ملامت نہیں کی گئی چوں کہ اس نے اپنے وظیفے پر عمل کیا تھا یہاں تک معاویہ (فرزند یزید) کے مرنے کے بعد اہل شام نے اس سے تقاضا کیا کہ وہ خلیفہ بن جائے لیکن اس نے اس عہدے کو قبول نہیں کیا (سیرہ اعلام النبلاء: ۵۳۴/۳)۔

کوئی یہ نہ سمجھے کہ ولید محب اہل بیت علیہم السلام تھا اور سیدالشہداء علیہ السلام کے ساتھ محبت رکھتا تھا بلکہ اسے حضرت امام حسین علیہ السلام سے حُسنِ سلوک اور نرمی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔

مکہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام کا ورود

شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ کے مطابق جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے مدینے سے مکہ کی طرف جانے کا قصد کیا تو اس آیہ کریمہ کی تلاوت کر رہے تھے:

فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّلِمِينَ

"پس جب موسیٰ علیہ السلام شہر سے باہر نکلے خوف زدہ اور دائیں بائیں دیکھتے

ہوئے کہا کہ پروردگار! مجھے ظالم قوم سے محفوظ رکھنا" (سورۂ قصص: آیت ۲۱)۔

اس سفر میں سرکار سید الشہداء علیہ السلام نے مکہ جانے کے لیے عمومی راستوں کا انتخاب کیا اور آپؑ کے اہل بیت علیہم السلام نے آں حضرتؑ سے کہا: اگر ہم بھی نامعلوم راستوں کا انتخاب کریں جنھیں ابن زبیر نے کیا تھا تو ہم اپنے مقصد تک بہتر انداز میں پہنچ سکتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے جواب دیا:

لا و الله لا أفارقه يقضي الله ما هو قاض (الارشاد:۲/۳۵)

"اللہ کی قسم! اس راہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستا انتخاب نہیں کروں گا' میں قضائے الٰہی کے سامنے سراپا تسلیم ہوں۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام ۳ شعبان المعظم جمعہ کے دن شہر مکہ میں داخل ہوئے اور اس آیہ کریمہ کی تلاوت کی:

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ (سورۂ قصص، آیت ۲۲)

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے مدین کا رُخ کیا تو کہا کہ عن قریب پروردگار مجھے سیدھے راستے کی ہدایت کردے گا۔"

یہ نکتہ خاص اہمیت کا حامل ہے کہ امام علیہ السلام عمرہ مفردہ کی نیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور یہ مطلب معتبر سند سے ثابت ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ اگر کوئی حج کے مہینے میں عمرہ بجالائے اور اس کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو امام علیہ السلام نے جواب دیا:

لا بأس و ان حجّ من عامه ذلك و أفرد الحجّ فليس عليه دم. و انّ الحسين بن علي عليهما السلام خرج يوم التروية الى العراق و كان معتمرًا

"کوئی حرج نہیں...... چوں کہ حسینؑ بن علیؑ روز ترویہ (۸ ذی الحج)

جب کہ انھوں نے عمرہ مفردہ کا احرام باندھا ہوا تھا مکہ سے عراق کی طرف چل دیے۔"

ایک اور روایت میں بھی آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

قد اعتمر الحسين عليه السلام في ذي الحجّة ثمّ راح يوم التروية الى العراق و الناس يروحون الى منى، ولا بأس بالعمرة في ذي الحجّة لمن لا يريد الحجّ (وسائل الشیعہ: ۳۱۱/۱۴، باب ۷، ابواب عمرہ مفردہ حدیث ۲ اور ۳)

"حضرت امام حسین علیہ السلام نے ذی الحجہ میں عمرہ کا احرام باندھا پھر ترویہ کے دن عراق کی طرف چل دیے جب کہ لوگ منیٰ کی طرف جا رہے تھے اور جو حج نہ بجالانا چاہے تو وہ ماہ ذی الحجہ میں عمرہ مفردہ کا احرام باندھ سکتا ہے۔"

اس لیے سید الشہداء علیہ السلام عمرہ مفردہ کی حالت میں حرم میں داخل ہوئے اور یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے اور اگر امام علیہ السلام حج کی نیت سے مکہ میں داخل ہوتے تو پھر عمرہ مفردہ کا کوئی معنی نہیں تھا۔ بہر حال امام علیہ السلام عمرہ مفردہ کی نیت سے داخل ہوئے چوں کہ جانتے تھے کہ اعمال حج کو بجالانے سے پہلے مکہ کو چھوڑ دیں گے۔

شیخ مفید رحمہ اللہ اس بارے میں مزید تحریر کرتے ہیں:

و أقبل أهلها يختلفون اليه، و من كان بها من المعترين و أهل الآفاق، و ابن الزبير بها، قد لزم جانب البيت، و هو قائم يصلّي عندها ويطوف، ويأتي الحسين عليه السلام فيمن يأتيه، فيأتيه اليومين المتوالين و يأتيه بين كلّ يومين مرّةً و هو أثقل خلق الله عليا بن الزبير، لأنّه قد عرف أنّ أهل الحجاز لا يبايعونه مادام الحسين عليه السلام في البلد...... (الارشاد: ۳۶/۲)

"اہل مکہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف متوجہ ہو گئے اور آپؑ کے پاس آمد و رفت شروع ہو گئی اور یہاں تک جو لوگ حج کی نیت سے دور دراز علاقوں سے آئے ہوئے تھے وہ بھی آپؑ کی خدمتِ اقدس میں شرف یاب ہوئے ابن زبیر جو خانہ کعبہ میں پہلے سے ہی قیام پذیر تھا۔ طواف میں مشغول رہتا اور آں حضرتؑ کی خدمتِ اقدس میں شرف یاب ہوتا تھا اور کبھی ہر روز کبھی دو دن کے بعد آپؑ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام کا مکہ میں ٹھہرنا عبداللہ بن زبیر کے لیے بہت ناگوار تھا چوں کہ جانتا تھا جب تک فرزند رسولؐ اس سرزمین میں موجود ہیں حجاز کے لوگ میری طرف توجہ نہیں دیں گے اور نہ ہی بیعت کریں گے۔ اس لیے کہ وہ خود حکومت کا مدعی تھا۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر کے درمیان چند ایک نکات پر تبادلہ خیال بھی ہوا لیکن مؤرخین نے ابن زبیر کے مقصد کو بھی بیان کیا ہے' جس کی وجہ سے اس نے یزید کی مخالفت کی ہے' لکھتے ہیں: کچھ نام ور شخصیات نے خانہ خدا کے پاس کھڑے ہو کر یہ عہد کیا کہ باری باری حجر اسماعیل میں داخل ہوں اور خداوند سے عظیم ترین اور اہم ترین حاجت کو طلب کریں جب ابن زبیر کی باری آئی تو اس نے کہا: بارالٰہا! میری صرف ایک ہی حاجت اور آرزو ہے کہ خلافت تک پہنچ جاؤں (وفیات الاعیان: ۲۳۵/۱۲)۔

چناں چہ یہ بات واضح ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام اور عبداللہ بن زبیر کے طریقہ کار میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام اور مکہ کے گورنر کا آپؑ کے ساتھ سلوک

حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ میں داخل ہوئے تو عمرو بن سعید بن عاص اَشدق جو والی مکہ تھا وہ حکومت کی طرف سے دی گئی پالیسی کے مطابق سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا اور پوچھا: اے آقا! آپؑ مکہ میں کیوں تشریف لائے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:۔

"عائذًا بانہ بھذا البیت

"میں خانہ خدا میں پناہ لینے کے لیے آیا ہوں" (تذکرۃ الخواص:۲۳۷)۔

تحقیق کی روشنی میں حضرت امام حسین علیہ السلام اور عمرو بن سعید کے درمیان اس سے زیادہ گفتگو نہیں ملتی۔ آخرکار حضرت امام حسین علیہ السلام مکہ سے نکل پڑے اور اسی موقع پر بعض بنی ہاشم (عبداللہ بن جعفر) کو امان نامہ دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جس میں لکھا تھا کہ اگر آپ مکہ میں رہنا چاہتے ہیں تو ہماری طرف سے آپ کو کوئی تکلیف اور اذیت نہیں پہنچے گی، لیکن حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس امان نامہ کی پروا نہ کی اور اپنے مقصد کی طرف چل دیے۔

عمرو بن سعید نے کوفہ کے گورنر کو خط لکھا کہ حسینؑ کوفہ کی طرف آ رہے ہیں اور اگر تم نے ان کو قتل نہ کیا تو تیرا انجام اچھا نہ ہوگا۔

مندرجہ بالا نکات کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے:

① جس نے بھی بیعت نہیں کی اس کے ساتھ والی مدینہ خوش رفتاری سے پیش آتا ہے۔

② والی مکہ نے بھی اس قسم کا سلوک روا رکھا ہے۔

اب ہم سوال کرتے ہیں کہ ان مطالب کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟

اسی موقع پر یزید کی جانب سے عبداللہ بن عباسؓ کے نام ایک خط آتا ہے جس کا مضمون کچھ اس طرح ہے:

امّا بعد فانّ ابن عمّك حسينًا و عدوّ الله ابن الزبير التويا ببيعتي و لحقا بمكّة مرصدين للفتنة، معرّضين أنفسهما للهلكة. فأمّا ابن الزبير فانّه صريع الفناء و قتيل السيف غدًا. و أمّا الحسين، فقد أحببت الأعذار اليكم أهل بيت ممّا كان منه......

و أنت زعيم أهل بيتك و سيّد بلادك، فالقه فارددہ عن

السعی فی الفرقه و ردّ هذه الامة' عن الفتنة فان قبل منك و أناب اليك' فله عندی الأمكان و الكرامة الواسعة......

''آپؓ کے چچا زاد بھائی حسینؓ اور اسی طرح عبداللہ بن زبیر جو دشمن خدا ہے دونوں نے میری بیعت کی خلاف ورزی کی ہے۔ یہ مکہ میں آئے ہیں تاکہ وہاں فتنہ برپا کریں اور انھوں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ہے اور ہم ابن زبیر کو جلد ہی قتل کر دیں گے۔

لیکن حسینؓ نے قطع رحمی کا مظاہرہ کیا ہے۔ آپؓ خاندانِ بنی ہاشمؓ کے بزرگ ہیں۔ لہٰذا حسینؓ سے ملاقات کر کے انھیں اس فتنہ سے باز رکھیں۔ اگر انھوں نے قبول کر لیا تو جس حال میں بھی آپؓ نے امان دے دی میں آپؓ کا امان نامہ قبول کر لوں گا۔''

ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا:

فامّا ابن زبير' فرجل منقطع عنّا برأيه...... و أمّا الحسين فانّه لمّا نزل مكّة و ترك حرم جدّه و منازل آبائه' سألته عن مقدمه' فأخبرنی أن عمّالك بالمدينة أساؤ وا اليه' و عجّلوا عليه بالكلام الفاحش' فأقبل الی حرم الله مستجيرًابه......

''ابن زبیر جیسے شخص سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے...... لیکن حسینؓ اپنے آباو اجداد کا شہر چھوڑ کر نکل پڑے ہیں اور جب میں نے ان کے جانے کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے ارشاد فرمایا: یزید کے گورنروں نے میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا لہٰذا ان کے حق میں جسارت کی گئی اور ان کی عزت و احترام کا خیال نہ رکھا گیا اور وہ خانہ خدا میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔''

ابن عباسؓ آگے چل کر لکھتے ہیں:

فاتّق الله في السرّ والعلانية...... ولا تحضرله مهواة' فكم من حاضر لغيرة حفرًا وقع فيه

''ظاہری اور باطنی صورتوں میں تقویٰ الٰہی اختیار کرو۔ کسی دوسرے کے لیے کنواں نہ کھودو! بہت سارے ایسے ہیں جو دوسروں کے لیے گڑھا کھودتے ہیں' لیکن بعض اوقات خود ہی اس میں گر جاتے ہیں......''

اس خط میں ابن عباسؓ نے یزید کو اور بھی نصیحتیں کی ہیں (تذکرۃ الخواص:۲۳۷-۲۳۹)۔

والی مکہ عمرو بن سعید اشدق کی شخصیت پر ایک نگاہ

تاریخ نگار عمرو بن سعید کے بارے میں کہتے ہیں:

كان جبّارًا بن جبابرة بني اُميّة...... (البدایہ والنہایہ:۸/۳۴۲)

''وہ بنو اُمیہ کے جابروں میں سے ایک جابر حکمران ہے اور اس کے حسب نسب پر لعنت کی گئی ہے۔''

ابن کثیر' احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ خدا نے فرمایا:

لَيَرعفَنَّ على منبري جبّار من جبابرة بني اُميّة حتّى يسيل رعافه

''میرے منبر پر ظالم اور جابر حکمران مسلط ہو جائیں گے اور اس کی ناک کی خون ریزی منبر تک پہنچ جائے گی۔''

ابن کثیر مزید لکھتا ہے: ایک شخص نے عمرو بن سعید بن عاص کو دیکھا اور اسی شخص نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ منبر رسولؐ پر اس کی ناک سے خون جاری ہوا تھا (ایضا: مسند احمد:۲/۵۲۲)۔

اہل سنت پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کا صداق عمرو بن سعید کو سمجھتے ہیں۔

لیکن آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اسی عمرو بن سعید اشدق نے ابن زبیر کے بارے میں کیا موقف اختیار کیا ہے۔ خدا کی قسم! اگر وہ کعبہ کے اندر بھی کیوں نہ داخل ہو جائے پھر بھی گرفتار کریں گے' کعبہ کو آگ لگا کر اس پر ڈھا دیں گے جسے ناراض ہونا ہے ہوتا رہے' ہمیں کسی کی ناراضگی کی پروا نہیں (تاریخ الاسلام:۳/۱۷۰)۔

عمرو بن سعید وہ شخص ہے جو اہل شام کے ہاں اس قدر محبوب تھا کہ جس کو بعد میں اہل شام نے خلیفہ کہا اور اس کی بیعت کی۔ چوں کہ عبدالملک بن مروان اپنے لیے حکومت چاہتا تھا اس نے ایک چال چلی؛ پہلے عمرو بن سعید کو امان دی اور بعد میں اس کو قتل کر دیا۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ اسے مروان نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا تھا (سیرہ اعلام النبلا: ۳/۴۴۹؛ تاریخ مدینہ دمشق: ۴۶/۴۹)۔

بہر حال اس کی اہل شام کے ہاں اس قدر مقبولیت تھی کہ انھوں نے اس کی بیعت کی۔ آخرکار عبدالملک اس پر غالب آ گیا اور اسے قتل کر دیا۔ جی ہاں! یہ تمام حُسنِ سلوک اور خوش رفتاری چاہے وہ مدینے کے گورنر یا مکہ کے حاکم کی طرف سے ہو۔ ایک طے شدہ پروگرام کے تحت تھی جو پہلے سے تیار کیا گیا تھا۔

اہل کوفہ کے خطوط اور حضرت مسلمؑ کا ان کی طرف بھیجا جانا

اہل کوفہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو مسلسل خطوط لکھتے رہے یہاں تک کچھ لوگ آپؑ کو دعوت دینے کے لیے مکہ آئے اور آپؑ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کو اپنے پاس بلایا اور اپنا نمائندہ بنا کر کوفہ بھیجا اور امام علیہ السلام نے انھیں تقویٰ اور اپنے ہدف اور مقصد کو مخفی رکھنے کی وصیت کی (الارشاد: ۲/۳۹)۔

کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر

نعمان بن بشیر کوفہ کا حاکم تھا۔ جب اسے علم ہوا کہ حضرت مسلمؑ کوفہ میں داخل ہوئے ہیں اور مختار ثقفیؓ کے پاس قیام پذیر ہیں تو وہ منبر پر گیا اور کہا: تفرقہ ڈالنے سے اجتناب کریں چوں کہ فتنہ و فساد کی وجہ سے بزرگ شخصیتوں کو قتل اور ان کے اموال کو غصب کیا جاتا ہے......

اس گفتگو میں غور و فکر کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکام کا یہ رویہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت تھا اور اس کا سرچشمہ شام کی مرکزی حکومت تھی۔ نعمان اپنے خطبے میں مزید کہتا ہے جو میرے خلاف برسرِپیکار نہ ہوگا میرا بھی اس کے ساتھ کوئی سروکار نہیں اور جو مجھ سے جنگ کریں گے میں بھی ان کے ساتھ جنگ کروں گا اور میں کسی کو بلاوجہ گرفتار نہیں کروں گا۔

ولا آخذ بالقرف و لا الظنّة و لا التهمة

"میں بے ہودہ گمان اور تہمتوں کی وجہ سے فیصلے نہیں کروں گا۔"

یہ نعمان کی تقریر کا خلاصہ ہے کہ جیسا کہ بیان کریں گے کہ یزید نے ابن زیاد کو یہ حکم دیا اور تاکید کی کہ شک و شبہ کی بنیاد پر بھی لوگوں کو گرفتار کرے۔

خذ بالتهمة و الظنّة

"مشکوک اور مہتم افراد کو بھی گرفتار کرلو"۔

نعمان آگے چل کر کہتا ہے: اگر تم میرے مقابلے میں آ گئے اور بیعت کو توڑ کر قیام کیا تو میں اپنی تلوار کے ذریعے تم پر ایسی کاری ضرب لگاؤں گا...... حتیٰ کہ میرا کوئی حامی و مددگار بھی نہ ہو۔[1]

نعمان کی تقریر پر غور و فکر کیجیے تو اس کی گفتگو کو موجودہ دور کی اصطلاح میں آزادی اور حریت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ ان مسائل میں غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمان کے اس ردعمل کی وجہ سے حضرت مسلم علیہ السلام کے اصحاب اور چاہنے والے امن و سلامتی کا احساس کرنے لگے جس کے نتیجے میں حضرت مسلم علیہ السلام کا مقصد اور ہدف جس کے لیے ان کو بھیجا گیا تھا' واضح ہو گیا۔

بہرحال حضرت مسلم علیہ السلام کا ہدف و مقصد واضح ہو جانے کے بعد کوفہ میں موجود حکومت کے جاسوسوں نے یزید کو خطوط لکھے کہ ان میں ایک عبداللہ بن مسلم بن ربیعہ حضرمی بھی تھا جس نے بنوامیہ کی وفاداری کی قسم کھائی ہوئی تھی' اس نے یزید کو لکھا:

اما بعد فانّ مسلم بن عقیل قد قدم الکوفه' فبایعته

---

(۱) الکامل فی التاریخ: ۴/ ۲۲۱ الفتوح: ۵/ ۳۵ تاریخ طبری: ۴/ ۲۶۴ تھوڑے سے فرق کے ساتھ نعمان بن بشیر کے خطبہ کا متن کچھ اس طرح ہے: فلاتسارعوا الی الفتنة و الفرقه' فانّ فیها یهلك الرجال و تسفك الدماء و تغصب الأموال' انّی لا اقاتل من لا یقاتلنی' ولا آتی علی من لم یأت علیّ' ولا انبه نائمکم' ولا اتحرش بکم' ولا اخذ بالقرف و لا الظّنة و لا التّهمة' و لکنّکم ان أبدیتم صفحتکم لی...... لأضربنکم بسیفی......)۔

الشیعة للحسین بن علی، فان کان لك بالکوفه حاجة، فا بعث الیها رجلاً قویاً ینفذ أمرك و یعمل مثل عملك فی عدوك، فان النعمان بن بشیر رجلٌ ضعیفٌ أو هو یتضعف

''مسلمؑ بن عقیلؑ کوفہ میں داخل ہو چکے ہیں اور حسینؑ بن علیؑ کے پیروکاوں نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اگر تم کوفہ کو ہاتھ سے کھونا نہیں چاہتے ہو تو ایسے شخص کو یہاں کا گورنر بناؤ جو تمھارے احکام کو لاگو کرنے کی صلاحیت اور لیاقت رکھتا ہو اور اس کا رویہ دشمن کے ساتھ تمھاری طرح کا ہو۔ موجودہ گورنر نعمان بشیر کم زور شخص ہے اور یا پھر اس نے ناتوانی کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے'' (تاریخ طبری:۲۶۵/۳)۔

عمارہ بن عقبہ اور عمرو بن سعد ابی وقاص نے بھی اسی قسم کے خطوط یزید کو ارسال کیے۔ ان حالات میں حضرت مسلم علیہ السلام کے اصحاب اور پیروکاروں نے امن و سلامتی کا احساس کیا۔ دوسرے الفاظ میں اپنے مقصد میں سادہ لوحی سے کام لیتے ہوئے مال اور اسلحہ جمع کرنا شروع کر دیا اور یہ کام مسلم بن عوسجہؒ کے زیر سرپرستی انجام دیا گیا اور انھی حالات میں حضرت مسلم علیہ السلام کا کوفہ میں آنے کا مقصد آشکار ہو گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مسلمؑ بن عقیل علیہ السلام کو جن اُمور کو پنہاں اور مخفی رکھنے کا حکم دیا یہ اس کے برخلاف وقوع پذیر ہوا۔ البتہ یہ بات مخفی نہ رہے کہ حضرت مسلم علیہ السلام نے سیدالشہداء علیہ السلام کے حکم کی نافرمانی نہیں، بل کہ دشمنوں کی طرف سے سازش اور حضرت مسلم علیہ السلام کے بعض اصحاب کی غلطیوں کی وجہ سے راز عیاں ہو گیا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا نعمان بن بشیر کی تقریر اور اس کا حُسنِ سلوک اپنی طرف سے تھا؟ نہیں بل کہ نعمان کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ نرمی کا مظاہرہ کرے۔ چناں چہ جب نعمان کو معزول کر کے ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا جاتا ہے تو نعمان بڑے آرام و سکون کے ساتھ واپس شام چلا گیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ابن زیاد کا نام کوفہ اور بصرہ کی سرپرستی معاویہ نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر سرجون کے حوالے کی تھی

اور معاویہ کے مرنے کے چند ماہ بعد وہ راز فاش ہوا۔ جی ہاں! معاویہ نے اپنے ہاتھ سے یہ دستاویز لکھی تھی۔

خلاصہ اور نتیجہ

اب تک کی تحقیق کا نتیجہ اور خلاصہ درج ذیل ہے:

اوّل: حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا سبب معاویہ تھا کہ اس سے پہلے والے خلفا کی طرف لوٹ کر جائے گا چوں کہ وہی خلفا یزید کے حاکم بننے کا سبب ہیں۔

دوّم: تحقیق کی روشنی میں سید الشہدا علیہ السلام کی عراق میں شہادت کا منصوبہ خود معاویہ نے تیار کیا تھا اور یزید نے اس کو عملی جامہ پہنایا تھا۔

مجموعی مسائل سے یہ نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں:

① فریقین کی روایات کی روشنی میں معاویہ نے یہ وصیت کی:

ارعد و أبرق له......

''حسینؑ کو ڈرائے دھمکائے رکھنا لیکن ہرگز تکلیف نہ پہنچانا اور جہاں بھی جانا چاہے جانے دینا۔''

② جنھوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور بھائی کے ساتھ خیانت کی اور تنہا چھوڑ دیا وہی حسینؑ کو عراق آنے کی دعوت دیں گے۔

③ ان لوگوں کے خطوط جو انھوں نے امام علیہ السلام کو ذہ میں نئی حکومت کی بنیاد رکھنے کے لیے لکھے تھے وہ معاویہ کے زمانے میں مدینے میں پہنچے اور حکومت نے خط لکھنے والوں کے ساتھ کہیں بھی دشمنی کا اظہار نہیں کیا۔

④ مدینے کی گورنری سے مروان کا معزول ہونا چوں کہ وہ ہمیشہ امام علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے تھا۔

⑤ مدینے اور مکے کے حاکم کا امام علیہ السلام کے ساتھ سلوک۔

اس کے باوجود کہ ان گورنروں کا تعلق بھی شجرۂ خبیثہ بنواُمیہ سے تھا لیکن یہ سیدالشہداعلیہ السلام کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئے۔

جیسا کہ پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مروان نے ولید سے اصرار کیا کہ اسی وقت حسینؑ کا کام تمام کر دے۔ لیکن ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے کہا کہ آپؑ تشریف لے جائیں۔ "فی امان اللّٰہ" اور جب اس کو اطلاع ملی کہ حسینؑ نے مدینے سے ہجرت کر دی ہے تو کہا: الحمدللّٰہ۔

کسی مؤرخ کی کتاب میں یہ بات نہیں پائی جاتی کہ گورنر مدینے نے امام علیہ السلام پر سختی کی ہو۔ یہ حکام حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ سختی سے پیش کیوں نہیں آئے؟

کیا ان حکومتی اہل کاروں کا اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ اچھا برتاؤ اس لیے تھا کہ وہ ان کے محب تھے؟ جن افراد کے ذہن میں اس قسم کی بات خطور کرے اور ایسا گمان کریں تو وہ انتہائی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ مکے و مدینے کے گورنروں کے برتاؤ کو حسنِ سلوک سمجھنا انتہائی غلط سوچ ہے اور انھیں اہل بیت علیہم السلام کا محب کہہ دینا بہت بڑا اشتباہ ہے۔

٦ سیدالشہداعلیہ السلام کے ارشادات اور مکہ میں آں حضرتؑ کی ابن عباسؓ کے ساتھ گفتگو۔

٧ یزید کے خط کے جواب میں ابن عباسؓ کا جواب۔

٨ جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلم علیہ السلام کو کوفہ میں بھیجا تو ارشاد فرمایا: خدا تجھے اور مجھے شہدا میں قرار دے۔

٩ تختِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی یزید کی پہلی تقریر جس سے اس نے عراق میں لڑی جانے والی جنگ کے بارے میں کہا کہ ہمیں عبیداللّٰہ بن زیاد کے ذریعے کام یابی ملے گی۔

جی ہاں! خود حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے کہ میں عراق میں شہید ہو جاؤں اور یزید (لعنۃ اللّٰہ علیہ) بھی جانتا تھا......

پیغمبر اکرمؐ کے ابن عباسؓ جیسے اصحاب اور اُمّ سلمیٰؓ جیسی ازواج اور دوسرے عام لوگ بھی حضرت امام حسین علیہ السلام کی عراق میں شہادت کی خبر سے آگاہ تھے۔ یہاں تک کہ جو خواتین گھروں میں تھیں وہ بھی اس واقعہ سے باخبر تھیں چوں کہ امام علیہ السلام کی عراق میں شہادت زبان زد عام و خاص تھی۔

اگر کوئی یہ کہے سید الشہداء علیہ السلام اس واقعہ سے آگاہی نہیں رکھتے تھے وہ نادان ہے یا پھر اس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

سوم: اگر حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کر لیتے تو انھیں ہرگز کسی قسم کی تکلیف نہ دی جاتی۔اس مطلب کو یزید نے ابن عباسؓ کو لکھے گئے خط میں تحریر کیا ہے......

کہ حسینؑ کو ان کے ارادے سے روکو...... جب کہ ابن زبیر کے بارے میں یہ ارادہ تھا کہ اس کو ہر صورت میں قتل کر دینا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ہمیشہ اس مطلب کی طرف اشارہ فرماتے رہے:

① کبھی بیعت نہیں کروں گا۔

② میں جانتا ہوں کہ مجھے قتل کر دیں گے اور میں نہیں چاہتا کہ میں قتل ہو جاؤں (رجوع کریں اسی کتاب میں: ص۱۷۶ اور ۱۷۷)۔

دوسرا حصّہ

واقعہ کربلا اور یزید بن معاویہ

معاویہ اور ابن زیاد کی گورنری کا حکم

کوفہ کی حالت دگرگوں ہو گئی کہ قریب تھا کہ کوفہ ان کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ ایسی صورت حال میں یزید نے سرجون نصرانی سے جو معاویہ کا ہم راز اور مشیر تھا مشورہ لیا کہ اب اس صورت حال سے کیسے نمٹا جائے۔ سرجون نے یزید سے کہا: اگر اس وقت تیرا باپ زندہ ہو جائے اور تجھے حکم دے تو کیا تُو اطاعت کرے گا؟

یزید نے کہا: کیوں نہیں! سرجون نے فوراً عبیداللہ بن زیاد کی کوفہ کی گورنری کا حکم نکالا جس کی عبارت کچھ یوں تھی: عبیداللہ بن زیاد کو بصرہ کی گورنری کے ساتھ ساتھ کوفہ کی گورنری بھی سپرد کی جائے۔ معاویہ نے اس حکم کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر سرجون کے حوالے کیا تھا اور یہ کہا تھا کہ وقت کی نزاکت کو دیکھ کر اس کے حوالے کر دینا (ہم اس حکم کے جلد ہی مآخذ ذکر کریں گے)۔

جو چیز زیادہ اہم نظر آتی ہے وہ اس تاریخ کے بعد کے مراحل ہیں اس مرحلے کے بعد سیدالشہداؑ کے قتل کا حکم بڑے واضح انداز سے جاری کیا گیا (اس سے پہلے وصیت اور نصیحت تھی کہ حسینؑ کے ساتھ سلوک اور رویہ کیسا ہونا چاہیے)۔

یزید نے عبیداللہ بن زیاد کے نام کوفہ کی گورنری پر مشتمل معاویہ کے ہاتھ کا لکھا خط بھیجا۔ یہاں سے یزید کا کردار سامنے آتا ہے۔ یزید نے عبیداللہ بن زیاد کو اپنے پہلے خط میں ہی سیدالشہداؑ کے قتل کا باقاعدہ حکم جاری کیا۔ یزید نے مدینے کے گورنر ولید بن عتبہ کو حضرت امام حسینؑ کے بارے میں جو خط لکھا ہے اس کو مؤرخین نے تین انداز میں ذکر کیا ہے۔

مشہور و معروف مؤرخ یعقوبی (متوفی ۲۹۲ ہجری) اور دوسرے مؤرخین کچھ اس طرح رقم طراز ہیں: یزید نے حکم دیا اگر حسینؑ بن علیؑ بیعت نہ کریں تو انھیں قتل کر دینا۔ خط کا مضمون کچھ اس طرح:

اذا اتاك كتابي هذا، فأحضر الحسين بن علي و عبدالله بن الزبير فخذهما بالبيعة لي، فان امتنعا فاضرب أعناقهما و ابعث اليّ برؤوسهما (تاریخ یعقوبی، ۲/۲۴۱)

''جب میرا خط تیرے پاس پہنچے تو حسینؑ بن علیؑ اور عبداللہ بن زبیر سے میری بیعت کا مطالبہ کرو اور اگر انکار کریں تو انھیں قتل کر کے سر میرے پاس بھیج دینا۔''

ابن اعثم کوفی اپنی کتاب الفتوح میں لکھتے ہیں: یزید نے ولید بن عتبہ کو اس طرح کا خط لکھا:

وقد كان عهد اليَّ و جعلني له خليفةً من بعد و أوصاني أن آخذ آل أبي تراب بآل أبي سفيان...... (الفتوح:۱۰/۵)

''میرے باپ نے مجھے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے اور مجھے وصیت کی ہے کہ اولادِ علیؑ سے آلِ ابوسفیان کا انتقام لوں۔''

واضح رہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے صدر اسلام میں لڑی جانے والی جنگوں بدر وغیرہ میں آلِ ابوسفیان کے نامی گرامی اشخاص کو واصل جہنم کیا تھا' لہٰذا اب یہی موقع ہے کہ یزید انتقام چکائے۔

ابن اعثم مزید لکھتے ہیں کہ یزید نے اس خط کے ہم راہ ایک نوشتہ بھی ارسال کیا جس کی عبارت کچھ یوں تھی:

اما بعد فخذ الحسين بن علي و عبدالرحمان بن أبي بكر و عبدالله بن الزبير و عبدالله بن عمر بن الخطاب أخذًا عنيفًا ليست فيه رخصة' فمن أبى عليك منهم فاضرب عنقه و ابعث الي برأسه (الفتوح:۱۰/۵)

''حسینؑ بن علیؑ' عبدالرحمان بن ابی بکر' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر کو فوراً دربار میں طلب کرو اور انھیں کسی قسم کا موقع فراہم نہ کرنا۔ اگر یہ تیرے سامنے میری بیعت کرنے سے ذرا بھر کوتاہی کریں یا لیت ولعل سے کام لیں تو انھیں قتل کر دینا اور ان کے سر میرے پاس بھیج دینا۔''

ابن اعثم کی اس عبارت میں یہ عیب ہے کہ جس وقت یزید کا خط ولید کے ہاں پہنچا تو

عبدالرحمان بن ابی بکر انتقال کر چکے تھے اور دوسرا یہ کہ عبداللہ بن عمر نے اس تاریخ سے پہلے ہی یزید کی بیعت کر لی تھی۔

فتح الباری فی شرح صحیح بخاری کی عبارت عرض کر چکا ہوں کہ عبداللہ بن عمر نے ایک لاکھ درہم لے کر یزید کی بیعت کر لی تھی۔ اس قسم کے شبہات تاریخ میں موجود ہیں لہٰذا ایک محقق کو چاہیے کہ مختلف تاریخی عبارتوں میں انتہائی غور وفکر کر کے ان شبہات کی تحقیق وجستجو کرے۔

ابن جریر طبری اسی واقعہ کے بارے میں لکھتے ہیں. جب یزید برسر اقتدار آیا تو اس کو صرف انھیں افراد کی طرف سے مشکل اور پریشانی لاحق تھی۔ جنھوں نے اس کے باپ [معاویہ] کے دور میں یزید کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

وہ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

و كتب في صحيفة كأنها أذن فارة: أمّا بعد؛ فخذ حسينًا و عبدالله بن عمرو و عبدالله بن الزبير بالبيعة أخذًا شديدًا ليست فيه رخصة حتّى يبايعوا. والسلام (تاریخ طبری:۳:۲۵۰؛ مقتل الحسین علیہ السلام [ابو مخنف]:۳)

”یزید نے جو خط ولید کو لکھا اس کے ہم راہ ایک انتہائی چھوٹا سا نامہ بھی بھیجا کہ جس میں لکھا تھا: حسین“ عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن زبیر سے فوراً بیعت لے لو اور جب تک بیعت نہ کر لیں انھیں کسی قسم کی فرصت نہ دینا۔“

جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ تاریخ طبری میں ان افراد کے سر کاٹنے اور یزید کے ہاں بھیجنے کا تذکرہ نہیں ملتا۔

خوارزمی بھی ”مقتل الحسین“ میں اس موضوع کے بارے میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

”یزید نے ولید بن عتبہ کو جو خط لکھا اس کا مضمون کچھ اس طرح تھا کہ مجھے باپ [معاویہ] نے وصیت کی تھی کہ آل ابوتراب؏ سے پرہیز کرنا......اے

ولید! جیسا کہ تُو جانتا ہے کہ خداوند عالم عثمان بن عفان کے خون کا بدلہ آلِ ابوسفیان کے ذریعے اولادِ علیؑ سے لے گا'' (مقتل الحسینؑ: ۱۸۰/۱)۔

ابن اعثم کوفی نے جو عبارت نقل کی تھی اس میں صرف آلِ ابوسفیان کا انتقام امیرالمومنین علیہ السلام کے خاندان سے لیے جانے کا تذکرہ پایا جاتا ہے (لیکن مقتل خوارزمی میں عثمان کی مظلومیت اور اس کے انتقام کا بھی اشارہ موجود ہے)۔

ان عبارتوں سے اس انداز کا فرق کیوں پایا جاتا ہے؟ چوں کہ وہ مجبور ہیں کہ قتل عثمان کو بھی ایک ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کریں اور معاویہ نے یہی حربہ بروئے کار لا کر اسلامی حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تھی۔ تاریخ میں ایک ایسا واقعہ ملتا ہے جو مذکورہ مطلب کی تائید کرتا ہے۔ وہ یہ کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت اور حضرت امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد جب معاویہ مدینہ آیا تو اسے اطلاع دی گئی کہ حضرت عثمان کی بیٹی گریہ زاری کرتی رہتی ہے۔ معاویہ حضرت عثمان کے گھر آیا اور حضرت عثمان کی بیٹی سے ملاقات کی اور اس سے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا کہ مجھے اپنے باپ کی یاد آ رہی ہے' چوں کہ اس وقت حکومت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ میں ہے تو میں آپ سے تقاضا کرتی ہوں کہ میرے باپ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ علمائے اہل سنت نے بڑے واشگاف الفاظ میں لکھا ہے: معاویہ نے حضرت عثمان کی بیٹی سے کہا: یہ تُو کیا کہہ رہی ہے؟ میں حکومت چاہتا تھا اور تجھے مادی حوالے سے یہ آسودہ حال کیا ہے لہٰذا اس کے بعد باپ کے انتقام کے بارے میں گفتگو نہ کرنا (رجوع کریں، تاریخ مدینہ دمشق: ۱۵۵/۵۹' البدایہ والنہایہ: ۱۴۱/۸)۔

چناں چہ قتل عثمان کا بدلہ صرف ایک بہانہ تھا اور حضرت عثمان کے قتل کے بعد معاویہ کی خواہش صرف حکومت حاصل کرنا تھی۔

خوارزمی آگے چل کر لکھتے ہیں: اس خط کے ساتھ ایک چھوٹا سا نوشتہ بھی ولید کے ہاں بھیج دیا کہ جس میں لکھا ہوا تھا:

أمّا بعد' فخذ الحسين و عبدالله بن عمر و عبدالرحمان بن أبي بكر و عبدالله بن الزبير بالبيعة أخذًا عنيفًا ليست فيه

رخصة، فمن أبى عليك منهم فاضرب عنقه و ابعث اليّ برأسه، والسلام[1]

''حسینؑ، عبداللہ بن عمر، عبدالرحمان بن ابی بکر اور عبداللہ بن زبیر سے سختی سے میرے لیے بیعت لے لو اور انھیں موقع نہ دینا اور اگر بیعت کرنے سے انکار کریں تو انھیں قتل کر دینا اور ان کے سر میرے پاس بھیج دینا۔''

اس عبارت میں بھی کسی قدر ابہام اور اشتباہ پایا جاتا ہے لیکن متن عبارت میں قتل کا حکم موجود ہے۔ ابن سعد بھی اپنی کتاب ''الطبقات الکبریٰ'' میں اس موضوع کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لمّا حضر معاوية دعا يزيد فأوصاه بما أوصاه و قال: أُنظر حسين بن علي و ابن فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وآله، فانّه أحبّ الناس الى الناس، فصل رحمه وارفق به، يصلح لك أمره، فان يك منه شئ بانّي أرجو أن يكفيكه الله بمن قتل أباه و خذل أخاه......

''جب معاویہ کی موت کا وقت نزدیک آیا تو یزید کو اپنے پاس بلایا اور اسے وصیت کی اور کہا: دیکھو! حسینؑ بن علیؑ رسولِؐ خدا کی بیٹی کا لختِ جگر ہے اور لوگوں کے درمیان محبوب ترین شخص ہے۔ ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور نرمی سے پیش آنا اور ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے اور مجھے اُمید ہے کہ جن لوگوں نے ان کے باپ کو قتل کیا اور ان کے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ خدا انھیں لوگوں کے ذریعے تجھے حسینؑ کی فکر سے بھی نجات دے گا۔''

---

(1) مقتل الحسینؑ: ۱/۱۸۰؛ تاریخ طبری: ۳/۲۵۰؛ البدایہ والنھایہ: ۸/۱۵۷؛ الکامل فی التاریخ: ۴/۱۳؛ تاریخ ابن خلدون: ۳/۱۹ اور دوسرے مآخذ۔

پھر آگے لکھتے ہیں: معاویہ رجب کے وسط ۶۰ ہجری میں فوت ہوا اور لوگوں نے یزید کی بیعت کی اور یزید نے والی مدینہ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان کو خط لکھا:

ادع الناس فبا یعهم، و ابدأ بوجوه قریش، و لیکن أوّل من تبدأ به الحسین بن علی، فانّ أمیرالمؤمنین (معاویة) عهد الیّ فی أمره بالرفق به و استصلاحه

"لوگوں کو میری بیعت کے لیے دعوت دیں اور یہ کام قریش کے سرداروں سے شروع کریں لیکن سب سے پہلے حسینؑ بن علیؑ سے بیعت لیں چوں کہ میرے باپ امیرالمومنین (معاویہ) نے وصیت کی ہے کہ حسینؑ کے ساتھ نرمی سے پیش آنا" (الطبقات الکبریٰ حالات زندگی حضرت امام حسینؑ: ۵۵)۔

بلاذری دوسرے مؤرخین کے برخلاف خط میں اس قسم کی خصوصیت کا تذکرہ نہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

کتب یزید الی عامله الولید فی أخذ البیعة علی الحسین و عبدالله بن عمر و عبدالله بن الزبیر. فدافع الحسین بالبیعة، ثمّ شخص الی مکّة

"یزید نے اپنے گورنر ولید کو خط لکھا کہ حسینؑ، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر سے بیعت لے لو لیکن حسینؑ نے بیعت کرنے سے انکار کیا اور مکہ کی طرف چل پڑے" (انساب الاشراف حالات زندگی حضرت امام حسینؑ: ۱۵۵/۳)۔

ابن عساکر اپنی کتاب تاریخ مدینہ دمشق میں ابن سعد کی عبارت سے ملتی جلتی عبارت نقل کرتا ہے اور لکھتا ہے:

فکتب یزید مع عبدالله بن عمرو...... أن ادع الناس فبایعهم، و ابدأ بوجوه قریش، و لیکن أوّل من تبدء الحسین بن علی ابن أبی طالب، فانّ أمیرالمؤمنین (معاویة) عهد الی

فی أمرہ بالرفق بہ و استصلاحہ (تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/۲۰۶-۲۰۷)

مشہور و معروف مؤرخین حافظ ابوالحجاج مزید لکھتے ہیں کہ یزید نے ولید کو یوں خط لکھا:

فان امیرالمومنین (معاویة) عهد الی فی أمرہ الرفق بہ و استصلاحہ (تہذیب الکمال ۶/۴۱۳، تاریخ مدینہ دمشق ۱۳/۲۰۶، البدایہ والنہایہ ۸/۱۷۵)

''مجھے باپ نے وصیت کی تھی کہ حسینؑ سے حُسنِ سلوک اور نرمی سے پیش آنا۔''

شمس الدین ذہبی اسی مطلب کو مزید خصوصیات سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یزید نے ولید کو خط لکھا:

أن ادع الناس و بایعهم و ابداء بالوجوہ و ارفق بالحسین......

''بڑی بڑی شخصیتوں سے میرے لیے بیعت لو اور حسینؑ سے نرمی سے پیش آنا۔''

ولید نے رات کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور ابن زبیر کو اپنے ہاں بلایا۔ دونوں نے کہا:

نصبح و تنظر فیما یعمل الناس......

''صبح تک ہمیں مہلت دیں تاکہ ہم اس بارے میں غور و فکر کریں۔''

پھر دونوں مدینے سے نکل گئے۔ ذہبی کہتے ہیں:

و قد کان الولید أغلظ للحسین، فشتمه حسین و أخذ بعمامته فنزعها. فقال الولید: ان هجنا بهذا الاّ أسدًا......

''ولید نے انتہائی سخت لہجے میں حسینؑ سے گفتگو کی اور امام علیہ السلام نے اس پر طعن و تشنیع کیا اور اس کے سر سے عمامہ کھینچا۔ ولید نے کہا: ہم نے لاعلمی کی بنا پر ایک بپھرے ہوئے شیر کو اُبھارا ہے' پھر مروان نے ولید سے کہا: حسینؑ کو قتل کردو۔ ولید نے جواب دیا:

انّ هذا لدم مصون (سیر اعلام النبلاء:۳/۲۹۵)

"مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس خون کی حفاظت کروں"۔

ذہبی کی عبارت میں غور و فکر کرنے سے یہ بات آشکار ہو جاتی ہے کہ ولید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ نرم سلوک کیا ہے۔ دوسری طرف مروان کی سوچ کھل کر سامنے آ گئی ہے۔ اگر مروان اس زمانے مدینے کا گورنر ہوتا تو امام علیہ السلام کو قتل کر دیتا تو پھر یزید کی حکومت کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا' اسی وجہ سے ہم مدینے کی گورنری سے مروان کی معزولی کے راز کو بھی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں۔

علمائے اہل سنت ان حقائق کا برملا اظہار نہیں کرتے اور اپنی تاریخ میں ایسے واقعات کا تذکرہ نہیں کرتے ہیں' لہٰذا ایسے اُمور کو تاریخ کے سمندر سے خود نکالنے کی ضرورت ہے۔

جی ہاں! مروان کو مدینے کی گورنری سے معزول ہی ہونا چاہیے تھا اور اگر اپنے عہدے پر باقی رہتا تو اپنے منصوبے پر عمل پیرا ہوتا اور جو اسے دستور دیا جاتا اس پر عمل نہ کرتا اور جو پروگرام تشکیل دیا گیا تھا وہ آگے نہ بڑھتا۔

ایک اور مورخ ابوالفداء اپنی کتاب المختصر فی اخبار بنی البشر جو تاریخی منابع میں شمار ہوتی ہے۔ میں اسی واقعہ کو ایک اور انداز سے نقل کرتے ہیں۔ وہ خط میں قتل یا دھمکی اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کا ذکر نہیں کرتے بلکہ لکھتے ہیں:

ارسل الی عامله بالمدینة بالزام الحسین و عبدالله بن الزبیر و ابن عمر بالبیعة

"یزید نے اپنے گورنر کو خط لکھا کہ حسین' عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر سے بیعت لے لو" (المختصر فی اخبار البشر: ۱/ ۱۳۱' تاریخ ابن الوردی: ۱/ ۱۶۲)۔

مؤرخین کے اس گروہ نے اس تاریخی واقعہ کو تین انداز سے نقل کیا ہے اور جن مؤرخین کی عبارت میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم پایا جاتا ہے وہ مختلف انداز سے نقل ہوئی ہے۔

جو چیز مسلم ہے وہ یہ ہے کہ ابن سعد کے بعد آنے والے اہل سنت کے مؤرخین نے اس

بات کو ذکر نہیں کیا ہے کہ یزید نے خط میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کا حکم دیا ہے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

چوں کہ اس وقت تک قتل کا حکم جاری نہیں کیا گیا تھا چناں چہ اس سلسلے میں جو تحقیقات کی گئی ہیں ان کی رُو سے امام علیہ السلام کے قتل کرنے کا حکم یزید کی طرف سے ابن زیاد کو لکھے گئے خط سے ہوا۔ اس سے پہلے ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس لیے کہ بنو اُمیہ کی پالیسی سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ (حجاز و عراق میں) متفاوت تھی۔

چناں چہ اپنی سیاست کے مطابق حتی المقدور ان کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح سید الشہداء علیہ السلام کو سرزمین حجاز سے باہر نکال دیں۔ چناں چہ مدینہ و مکہ کے گورنروں نے اسی حکمت عملی کی بنیاد پر حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ حُسنِ سلوک روا رکھا اور جب امام علیہ السلام حجاز سے باہر نکل آئے تو حکمت عملی بدل گئی۔

ان حقائق کی تائید میں پہلی دلیل وہ خط ہے جو یزید نے ابن زیاد کے نام لکھا۔ یزید اس خط میں ابن زیاد کو لکھتا ہے:

> قد بلغني أن أهل الكوفة قد كتبوا الى الحسين في القدوم عليهم و أنّه قد خرج من مكّة متوجّهًا نحوهم و قد بلي به بلدك من بين البلدان و أيّامك من بين الأيّام، فان قتلته و الا رجعت الى نسبك و الى أبيك عبيد، فاحذر أن يفوتك
>
> "مجھے خبر ملی ہے کہ اہل کوفہ نے حسینؑ کو اپنے شہر میں آنے کی دعوت دی ہے اور وہ ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے کوفہ کی جانب چل پڑے ہیں اور اب کوفہ کی گورنری تیرے لیے امتحان ہے۔ اگر تُو نے حسینؑ کو قتل کر دیا تو ٹھیک وگرنہ میں اعلان کروں گا کہ تیرا حسب نسب درست نہیں ہے اور تیرا نسب تیرے باپ عبید کی طرف لوٹا دوں گا اور لوگوں سے کہوں گا کہ تُو اور تیرا باپ [زیاد بن ابیہ] آلِ قریش سے نہیں ہو اور تیرا سابقہ حسب

نسب [یعنی تو ولد الزنا ہے] سے تمام لوگوں کو مطلع کروں گا پس خبردار!
حسینؑ کو زندہ نہیں جانا چاہیے“ (تاریخ یعقوبی:۲/ ۲۴۲)۔

یزید نے اس خط میں عبیداللہ بن زیاد کی دُکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا' کیوں کہ ابن زیاد معاشرے میں حسب نسب کے لحاظ سے اپنا رشتہ ابوسفیان کے ساتھ جوڑتا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے ہاں اس کی عزت وتوقیر کی جاتی تھی۔

اگرچہ جس قبیلے سے اس نے اپنا ناتہ جوڑا' وہ شجرۂ خبیثہ تھا۔ لیکن اس زمانے میں بنواُمیہ ایک خاص حیثیت کے مالک تھے اور انھوں نے عبیداللہ بن زیاد سے ولد الزنا کی نسبت کو ختم کیا۔

بلاذری اسی واقعہ کے بارے میں رقم طراز ہے کہ یزید نے اپنے خط میں ابن زیاد کو لکھا:

...... بلغني مسير حسين الى الكوفة وقد ابتلى به زمانك من بين الأزمان' و بلدك من بين البلدان' و ابتليت به من بين العمال' و عندها تعتق أو تعاود عبدًا كما يعتبد العبيد

”مجھے حسینؑ کی کوفہ میں آنے کی خبر موصول ہوئی ہے۔ تمام گورنروں کی نسبت تو امتحان میں مبتلا ہو گیا ہے۔ اگر حسینؑ کو تُو نے قتل کر دیا تو پھر تُو رئیس زادہ اور بڑی شخصیت کا مالک ہے وگرنہ میں تجھے اپنے سابقہ گم نام اور ولد الزنا...... حسب نسب کی طرف لوٹا دوں گا“۔[1]

طبرانی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں: یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا: اگر تُو نے حسینؑ کو قتل نہ کیا تو سابق حسب نسب کی طرف پلٹ جائے گا۔ اسی وجہ سے عبیداللہ بن زیاد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو قتل کیا اور مولاؑ کا سر مبارک یزید کی طرف بھیجا اور جب یزید نے امام علیہ السلام کا سر دیکھا تو کفر آمیز اشعار کہے (المعجم الکبیر:۳/ ۱۱۵-۱۱۶ اور حدیث ۲۸۳۶ تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/ ۲۱۴،۶۵/ ۳۹۶)۔

---

(۱) انساب الاشراف:۳/ ۱۶۰' تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/ ۲۱۴،۶۵/ ۳۹۶' المعجم الکبیر:۳/ ۱۱۵' سیر اعلام النبلاء:۳/ ۳۰۵' تاریخ الاسلام:۵/ ۱۰' البدایہ والنہایہ:۸/ ۱۶۸' مجمع الزوائد:۹/ ۱۹۳' الوافی بالوفیات:۱۲/ ۲۶۳-۲۶۴ اور دوسرے مآخذ۔

کہا جاتا ہے کہ آلوسی بغدادی اور دوسرے علما انھیں اشعار کی بنا پر یزید پر کفر کا حکم صادر کرتے ہیں۔ آگے چل کر اس مسئلے پر مفصل بحث کریں گے۔

یہاں سے سید الشہداؑ کے قتل کا سرکاری طور پر اعلان اور ان کی شہادت کی منصوبہ بندی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے نرمی اور حُسنِ سلوک روا رکھنے کا دستور دیا جاتا تھا۔ ہیثمی واضح طور پر اس خط کی سند کے صحیح ہونے کی روایت کرتے ہیں۔

ابن عساکر "تاریخ دمشق" میں، ذہبی "سیرہ اعلام النبلاء" میں، ابوالفرج بن جوزی حنبلی "الرد علی المتعصب العنید" اور سیوطی "تاریخ خلفا" میں لکھتے ہیں کہ یزید نے اپنے خط میں ابن زیاد کو حضرت امام حسینؑ کے قتل کرنے کا باقاعدہ حکم دیا تھا۔[1]

لہٰذا ابن تیمیہ کے پیروکار اور دوسرے مقدس مآب جو یزید پر لعنت بھیجنے میں احتیاط سے کام لیتے ہیں وہ یہ بات جان لیں کہ یزید حضرت امام حسینؑ کا قاتل ہے۔

"احیائے علوم الدین" میں غزالی نے یزید کے قاتل ہونے میں شک و شبہ کا اظہار کیا ہے اور احتیاط اور تقدس کا لبادہ اوڑھ کر یزید پر لعنت کرنے سے منع کیا ہے۔ غزالی سے پہلے اور غزالی کے بعد علمائے اہل سنت نے متفقہ طور پر لکھا ہے: یزید نے ابن زیاد کو خط لکھا تھا۔ اس میں حضرت امام حسینؑ کے قتل کا باقاعدہ حکم جاری کیا تھا۔

یہ بات قابل تعجب ہے کہ حقائق آشکار ہونے کے باوجود بھی انسان احتیاط کرے اور یزید پر لعنت کو جائز نہ سمجھے؟

ابن عباسؓ کا یزید کو خط

یزید کا حضرت امام حسینؑ کے قاتل ہونے کا ایک اور ثبوت یہ ہے کہ جب سید الشہداؑ مکہ سے خارج ہوئے تو ابن زبیر مکہ میں آسودہ حال ہو گیا اور اپنی خلافت کا اعلان کر دیا اور لوگوں سے بیعت لینے میں مشغول ہو گیا لیکن ابن عباسؓ اور کچھ شخصیتوں نے

---

(1) رجوع کریں، مجمع الزوائد: ۹/ ۱۹۳، تاریخ مدینہ دمشق: ۱۳/ ۲۱۴، سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰۵، الرد علی المتعصب العنید: ۳۹، تاریخ خلفا: ۲۰۷۔

اس کی بیعت نہیں کی۔

جب یزید اس واقعہ سے مطلع ہوا تو ابن عباسؓ کو عبداللہ بن زبیر کی بیعت نہ کرنے پر شکریہ کا خط لکھا:

"......ابن عباسؓ! تُو نے ابن زبیر کی بیعت نہ کر کے ہمارے اور اپنے درمیان تعلقات کو باقی رکھا۔ خدا تمہیں صلہ رحم کرنے والوں کا اجر عطا کرے اور میں تمہارا احسان کبھی فراموش نہیں کروں گا اور جلد ہی تمہیں اس محبت کا صلہ دوں گا۔"

یزید خط کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے:

"میں تم سے تقاضا کرتا ہوں کہ دوسرے لوگوں کو بھی حقیقت حال سے آگاہ کرو کہ ابن زبیر کی بیعت نہ کریں چوں کہ لوگوں کے نزدیک تمہاری ایک حیثیت ہے اور تمہاری بات کو قبول کرتے ہیں۔"

امّا بعد! فقد جائني كتابك، فأمّا تركي بيعة ابنِ الزبير فوالله ما أرجو بذلك برّك و لا حمدك، و لكن الله بالّذي أنوى عليهم، و زعمت أنّك لست بناس برّي، فاحبس أيّها الانسان! برّك عنّي فانّي حابس عنك برّي.

وسالت أن أحبّب النّاس اليك...... كيف؟ و قد قتلت حسينًا وفتيان عبدالمطلب مصابيح الهدى و نجوم الأعلام...... فما أنس من الأشياء فلست بناس اطّرادك حسينًا من حرم رسول الله صلى الله عليه وآله الى حرم الله، وتسييرك الخيول اليه، فمازلت بذلك حتّى أشخصته الى العراق، فخرج خائف يترقّب، فنزلت به خيلك عداوة منك لله و لرسوله و لأهل بيته الّذين أذهب الله عنهم الرجس

وطهّرهم تطهيرًا...... فاغتنمتم قلّة أنصاره و استئصال أهل بيته و تعاونتم عليه كأنّكم قتلتم أهل بيت من الشرك و الكفر...... فلاشئ أعجب عندی من طلبتك ودّی و قد قتلت ولد أبي و سيفك يقطر من دمي، و أنت أحد ثاری......

"اے یزید! خدا کی قسم! میرا ابن زبیر کا بیعت نہ کرنا تیری محبت کی وجہ سے نہ تھا خداوند میری نیت کو جانتا ہے اور مجھ پر احسان کرنے سے باز آ جاؤ' مجھے تیرے احسان کی ضرورت نہیں ہے اور مجھ سے کسی خیرخواہی کی توقع نہ کرنا' تُو مجھ سے چاہتا ہے کہ میں تیری حمایت کروں گا کہ لوگ تیرے گرویدہ اور وفادار بن جائیں ...... یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

"تُونے حسینؑ اور اولادِ عبدالمطلبؑ کو جو ہدایت کے چراغ اور علم و حکمت کے ستارے تھے خاک و خون میں غلطاں کر دیا اور یہ سارے کے سارے عراق میں تیرے حکم سے قتل کیے گئے......

میں یہ بھی بھول نہیں سکتا کہ تُونے حسینؑ کا تعاقب کیا یہاں تک کہ انھوں نے حرمِ پیغمبرؐ سے نکل کر حرمِ خدا میں پناہ لی لیکن تیری وجہ سے وہ حرمِ خدا میں بھی نہ رہ سکے اور حجاز سے نکل کر سرزمین عراق چلے گئے" (تاریخ یعقوبی: ۲/۲۴۷-۲۴۹، الکامل فی التاریخ: ۴/۱۲۷-۱۲۸)۔

یہ کلمات دقیق نکات اور عاشورہ کے مخفی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ ایسے مخفی پہلو جن کا سرچشمہ اس قسم کی حقیقت اور تاریخی باریکیاں ہیں۔ ممکن ہے بعض حضرات تعجب بھی کریں لیکن بُردباری اور غور و فکر سے ان نکات اور حقائق کو جان لیں گے انھوں نے ایسا کام کیا تاکہ سیدالشہداءؑ سرزمین حجاز نکلیں اور وہ مولاؑ کا تعاقب کریں۔

ابن عباسؓ مزید کہتے ہیں:

"تُونے حضرت امام حسینؑ کو خوف اور پریشانی کے عالم میں رسولؐ خدا

کے حرم سے باہر نکالا اور تیرے سپاہیوں نے رسولؐ خدا اور اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس موقعہ سے فائدہ اُٹھایا'
حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب وانصار کی تعداد بہت کم تھی۔ ان کو اس طریقے سے قتل کیا جس طرح اہل شرک وکفر کو قتل کیا جاتا ہے۔
اے یزید! ان تمام مصائب کے باوجود تُو مجھ سے محبت کی توقع رکھتا ہے؟
میرے خاندان کا خون تیری تلوار سے ٹپک رہا ہے اور مجھے تو تجھ سے انتقام لینا چاہیے۔"

ابن عباسؓ نے جو یزید کو خط لکھا' اس میں مختلف نکات ہیں۔ ان میں دو انتہائی اہم ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

① حضرت امام حسین علیہ السلام کے مدینے کو ترک کرنے کا سبب خود یزید بنا چوں کہ حکومتی کارندوں نے مولاؑ کا تعاقب کیا اور دباؤ ڈالا۔
② یزید' حضرت امام حسین علیہ السلام کا قاتل ہے لہٰذا اس سے انتقام لینا چاہیے۔

واقعہ عاشورہ میں یہ خط اہم تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

معاویہ بن یزید کی تقریر

یزید کے قاتل ہونے کا ایک اور ثبوت یزید کے بیٹے معاویہ کی تقریر ہے۔ جب یزید ہلاک ہوا تو معاویہ بن یزید جس کی تعریف میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک صالح جوان تھا۔ اس نے اپنی پہلی تقریر میں کہا: میرا باپ' حسین علیہ السلام کا قاتل ہے اور مجھے خلافت کی ضرورت نہیں اور میرے دادا نے بھی خلافت غصب کی تھی۔

ہمارے بعض مؤرخین کہتے ہیں: وہ شیعہ تھا' جب کہ اس نے لوگوں کو حضرت امام سجاد علیہ السلام کی امامت کی طرف راہ نمائی نہیں کی لہٰذا میرے نزدیک شیعہ ہونے میں غور وفکر کی ضرورت ہے۔ بہرحال مسلم ہے کہ اس نے خلافت کو ٹھکرا دیا تھا۔

ابن حجر مکی "الصواعق المحرقۃ" میں جو شیخین (ابوبکر وعمر) کے دفاع میں اور شیعوں کے

خلاف لکھی گئی ہے، کچھ اس طرح اظہار کرتا ہے:

معاویہ بن یزید لوگوں کے درمیان نہیں آیا اور نہ ہی نماز جماعت کی امامت کی اور حکومتی اُمور میں بھی اس نے دخل اندازی نہیں کی۔ اس نے صرف چالیس دن حکومت کی اور اس کی وہ خصوصیات جو اس کی اچھائی پر دلالت کرتی ہیں، وہ یہ ہے کہ جب منبر پر آیا تو کہا:

ان هذا الخلافه حبل الله و انّ جدّی معاویة نازع الأمر أهله و من هو أحق به منه علی بن ابی طالب، و رکب بکم ما تعلمون ثمّ قلّد أبی الأمر و کان غیر أهل له و نازع ابن بنت رسول الله صلی الله علیه و آله (الصواعق المحرقة: ۲/۶۴۱-۶۴۲)

"بے شک یہ خلافت اللہ کی رسّی ہے اور میرے دادا نے علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام سے ناحق غصب کی ہے اور جو چاہتا تھا انجام دیتا تھا...... پھر میرے باپ یزید کی باری آئی جو خلافت کی اہلیت نہیں رکھتا تھا اور اس نے رسولؐ اکرم کے نواسے سے دشمنی مول لی......"

پھر اس نے گریہ کرتے ہوئے کہا: یزید نے اولادِ رسولؐ کو قتل کیا اور شراب کو مباح قرار دیا اور کعبہ کو مسمار کیا...... اور وہ جہنمیوں میں سے تھا اور یہ ہمارے لیے انتہائی تکلیف دہ ہے۔

یزید کے بیٹے نے اپنی تقریر میں اقرار کیا ہے کہ میرا باپ قاتل ہے اور یہ بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ اس گناہ کی وجہ سے جہنمی ہے۔ اس کے بعد وہ خلافت سے دست بردار ہوا اور کہا: مجھے حکومتی کاموں سے کوئی لگاؤ نہیں اور مجھے اچھے یا بُرے حکومتی اُمور میں کوئی دل چسپی نہیں۔

ابن زیاد کا اقرار

یزید کے قاتل ہونے کا ایک اور ثبوت ابن زیاد کا اقرار کرنا ہے، وہ کہتا ہے:

اما قتلی الحسین، فانّه أشار الی یزید بقتله أوقتلی، فاخترت قتله......

"مجھے دو اُمور میں سے ایک کو انتخاب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے: حسینؑ کو

قتل کر دوں یا خود قتل ہو جاؤں' لہٰذا میں نے حسینؑ کے قتل کا انتخاب کیا

ہے" (الکامل فی التاریخ:۴/۱۴۰)۔

کہاں ہیں وہ حضرات جو دعویٰ کرتے ہیں کہ اس عظیم گناہ کا علم یزید کو نہیں تھا یا وہ جو کہتے ہیں کہ ہمیں یزید کے قاتل ہونے میں شک ہے؟

عاشورہ کی پاسبانی اور حفاظت کرنا ہمارا شرعی وظیفہ ہے' چوں کہ ائمہ اطہار علیہم السلام اس دن کو بہت اہمیت دیتے تھے اور بڑے بڑے مجتہدین جو مکتب اہل بیت علیہم السلام کے پیروکار ہیں وہ ائمہ علیہم السلام کی پیروی کرتے ہوئے کوچہ و بازار میں ننگے پاؤں اور ننگے سر عزاداری میں مشغول ہوتے ہیں (حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ بروجردی نے سید الشہداء علیہ السلام کے عزاداروں کے پاؤں کی مٹی کو اپنی آنکھوں پر ملا اور ان کی آنکھوں کی بیماری اس طرح برطرف ہوئی کہ زندگی کے آخری لمحات تک آسانی سے دیکھ سکتے تھے اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود کبھی عینک کی ضرورت محسوس نہیں کی)۔

چناں چہ جو لوگ شعائر حسینیؑ کی راہ میں رخنہ ڈالتے ہیں وہ یا تو نادان ہیں یا دشمن کے ایجنٹ اور اس سلسلے میں ہمارے ذمہ داری اور سنگین ہو جاتی ہے۔

شہادتِ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ پر یزید کی خوشی

یزید کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل ہونے کا ایک اور ثبوت جو تمام تاریخی دستاویزات اور منابع میں موجود ہے وہ یہ ہے کہ یزید کے کہنے کے مطابق ابن زیاد نے جب حضرت مسلم علیہ السلام اور ہانی بن عروہ کو شہید کر دیا اور دونوں کے سروں کو شام بھیجا تو یزید نے ابن زیاد کو شکریہ کا خط لکھا اور خوشی کا اظہار کیا۔[1]

شہدا کے سر یزید کے دربار میں

یزید کے قاتل ہونے کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ جب ابن زیاد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر

(۱) انساب الاشراف:۲/۸۵' تاریخ طبری:۴/۲۸۵-۲۸۶' الفتوح:۵/۶۳' تاریخ مدینہ دمشق:۱۸/۳۰۷' الارشاد:۲/۶۵۔

مبارک شام بھیجنے سے پہلے زحر بن قیس کو یزید کے ہاں بھیجا تا کہ یزید کو خبر دی جائے (الطبقات الکبریٰ شرح حالات حضرت امام حسینؑ :۸۱)۔

ابن تیمیہ کہتا ہے: اصلاً اہل بیت علیہم السلام کو اسیر نہیں کیا گیا اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر کی تشہیر نہیں کی گئی اور نہ ہی شام بھیجا گیا' جب کہ ابن سعد اپنی سند کے ساتھ ایک بہت بڑی راوی زر بن جیش سے نقل کرتے ہیں کہ پہلا سر جو نوک سناں پر تھا وہ سید الشہداء علیہ السلام کا سر مبارک تھا۔

مشہور مؤرخ بلاذری اس بارے میں لکھتے ہیں:

نصب ابن زیاد رأس الحسین بالکوفة و جعل یدار به فیها. ثمّ دعا زحر بن قیس الجعفی فسرّح معه برأس الحسین و رؤوس أصحابه و أهل بیته الی یزید بن معاویة

(انساب الاشراف:۳/۴۲۳ نیز رجوع کریں: تاریخ مدینہ دمشق:۱۸/۴۴۵' تاریخ طبری:۴/۳۵۱' الوافی بالوفیات:۱۴/۱۲۷)۔

''حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک ابن زیاد نے کوفہ میں نصب کیا...... پھر زحر بن قیس جعفی کو حضرت امام حسین علیہ السلام اور دوسرے اصحاب کے سروں کو اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ یزید بن معاویہ کے پاس بھیج دیا (واقعہ کربلا میں موجود بعض افراد کے اسما لکھنے میں غلطی ہوئی ہے مثلاً بعض مؤرخین نے زحر بن قیس کا نام زجر بن قیس لکھ دیا ہے' جس کے سوانح حیات تاریخ مدینہ دمشق میں موجود ہیں۔ الکامل فی التاریخ:۴/۸۷' تاریخ مدینہ دمشق:۱۸/۴۴۳' حدیث:۴۴۴۳)۔

ابن کثیر جو ابن تیمیہ کے شاگردوں میں سے ہے' اس واقعہ کے بارے میں رقم طراز ہے:

ثمّ امر- ابن زیاد- برأس الحسین علیه السلام فنصب بالکوفة وطیف به فی أزقتها ثمّ سیّره مع زحر بن قیس و...... فخرجوا حتّی قدموا بالرؤوس کلّها علی یزید بن

معاویۃ (البدایہ والنہایہ:۸/۲۰۸)

''انھوں نے ابن زیاد کے حکم کے مطابق حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک کوفہ میں نصب کیا اور کوفہ کے گلی کوچہ میں تشہیر کی۔ پھر زحر بن قیس کے ہم راہ تمام اصحاب کے سروں کو یزید کے پاس بھیج دیا...... وہ کوفہ سے نکلے تاکہ یزید بن معاویہ کے پاس جائیں۔''

اہل حرم کی اسیری اور یزید کے پاس ان کی روانگی

یزید کے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قاتل ہونے کا چھٹا ثبوت یہ ہے کہ یزید کی طرف سے اہل حرم کی اسیری کا حکم جاری کیا گیا تھا۔

مشہور مؤرخ طبری لکھتا ہے:

یزید کی طرف سے خط آیا کہ اُسراء کو میری طرف بھیج دیا جائے چناں چہ عبیداللہ بن زیاد نے محفر بن ثعلبہ اور شمر بن ذی الجوشن کو طلب کیا اور کہا: خواتین اور بچوں کو حسینؑ کے سر کے ساتھ امیرالمومنین (یزید بن معاویہ) کے پاس لے جاؤ' پھر وہ کوفہ سے نکلے یہاں تک کہ یزید کے پاس پہنچ گئے...... جب یزید کی نظر حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک پر پڑی تو یہ شعر پڑھا۔

یفلّقن ھامًا من رجال أعزّۃ

علینا و ھم کانوا أعق و أظلما

''ہماری تلواروں سے عزیزوں اور پیشواؤں کے سر جدا ہو گئے' کیوں کہ انھوں نے ہماری نافرمانی کا ارتکاب کیا تھا'' (تاریخ طبری:۴/۳۵۵)۔

ابن سعد اس بارے میں لکھتا ہے:

قدم رسول من قبل یزید بن معاویۃ یأمر عبیداللہ أن یرسل الیہ بثقل الحسین و من بقی من ولدہ و أھل بیتہ و نسائہ (ترجمہ حضرت امام حسین علیہ السلام من طبقات ابن سعد:۸۱)

"یزید کا ایلچی عبیداللہ کے پاس آیا اور حکم دیا کہ حسینؑ کا سر اور ان کے زندہ بچ جانے والے اہل حرم کو یزید بن معاویہ کی طرف بھیج دو" (ارد علی (تعصب العنید:۵۶)۔

شہاب الدین آلوسی بغدادی جو واقعہ کربلا کے قریب قریب بارہ سو سال بعد اس دنیا میں آئے وہ اس بارے میں کہتے ہیں:

جب قیدیوں کو یزید کے پاس لایا گیا تو خواتین اور بچے جو خاندانِ امیر المومنین میں سے تھے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام اور شہدا کے سروں کو نوکِ سناں پر دیکھ رہے تھے اور ایک پرندے نے اس منظر کو دیکھ کر چیخ و پکار کی اور یزید نے اس وقت یہ اشعار پڑھے۔

لمّا بدات تلك الحمول و أشرفت

تلك الرؤوس علی ربی جیرون

نعق الغراب فقلت: نح أو لا تنح

فلقد قضیت من النبی دیونی

(روح المعانی:۲/۳۶/۷۳)

وہ واضح طور پر لکھتے ہیں کہ جب اسرائے اہل بیت علیہم السلام اور شہدا کے سروں کو دربار یزید میں لایا گیا تو یزید نے خوشی کا اظہار کیا اور اسی مناسبت سے محفل شراب سجائی۔

ابن سعد الطبقات الکبریٰ میں اسی موضوع کو لکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں: یزید کے ہاتھ میں خیزران کی چھڑی تھی وہ اس کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لب ہائے مبارک کی گستاخی کر رہا تھا اور یہ شعر پڑھ رہا تھا:

یفلّقن هاماً من رجال أعزّة

علینا و هم کانوا أعق أظلما

ایک انصاری شخص جو اس مجلس میں موجود تھا اس نے جب یہ منظر دیکھا تو کہا:

ارفع قضیبك هذا؛ فانّی رأیت رسول الله صلی الله علیه

وآله يقبّل الموضع الّذى وضعته عليه

''اے یزید! اس چھڑی کو ہٹا لے میں نے رسولؐ خدا کو ان لبوں کو چومتے ہوئے دیکھا ہے'' (ترجمہ الامام الحسین علیہ السلام من طبقات ابن سعد: ۸۳)۔

اسی واقعہ کو طبری' بلاذری اور یہاں تک کہ ابن جوزی نے بھی (جو اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ بہت زیادہ بغض اور ائمہ علیہم السلام کے خلاف لکھنے میں مشہور ہے) نقل کیا ہے (تاریخ طبری: ۴/ ۲۹۳' انساب الاشراف: ۲۱۹ حدیث ۲۱۷' الرد علی المتعصب العنید: ۵۸)۔

ابن جوزی اس واقعہ کے بارے میں تحریر کرتا ہے:

جب شہدا کے سروں کو شام میں لایا گیا تو یزید نے خوشی کی محفل برپا کی اور بزرگان شام کو مدعو کیا وہ بیٹھے ہوئے تھے کہ یزید چھڑی کے ساتھ حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک سے گستاخی کرتے ہوئے مذکورہ اشعار کہہ رہا تھا (الرد علی المتعصب العنید: ۵۷-۵۹)۔

ابن سعد طبقات الکبریٰ میں لکھتا ہے:

ثمّ أُتي يزيد بن معاوية بثقل الحسين و من بقي من أهله و نسائه' فأُدخلوا عليه قد قرنوا في الحبال' فوقفوا بين يديه (ترجمہ حضرت امام حسین علیہ السلام من طبقات ابن سعد: ۸۳)

پھر یزید بن معاویہ کے پاس اہل حرم کو رسن بستہ لایا گیا اور وہ اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ان تاریخی حقائق کو خود علمائے اہل سنت نے قلم بند کیا ہے۔ اگرچہ ان واقعات کو سید ابن طاؤس نے لہوف میں' شیخ مفیدؒ نے ارشاد میں' شیخ طوسیؒ امالی میں اور علامہ مجلسیؒ نے بحارالانوار میں بھی نقل کیا ہے۔

لیکن یہ تاریخی واقعات صرف شیعوں نے ذکر نہیں کیے بلکہ جن حضرات کا اہل بیت علیہم السلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا انھوں نے ان واقعات کو نقل کیا ہے۔

ہاں خدا نہ کرے کہ حقائق کے یہ گوشے مخفی رہ جائیں اور جو ظلم سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ کربلا میں ہوا ہے وہ پوشیدہ رہ جائے' خداوند عالم اس نور کو کبھی ماند نہیں ہونے دے گا لہٰذا ہمیں

چاہیے کہ اس الٰہی تقاضے کو جاری کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانیاں بروئے کار لائیں کیوں کہ

وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ

"خدا اس کے علاوہ کچھ ماننے کے لیے تیار نہیں ہے کہ وہ اپنے نور کو تمام کر دے چاہے کافروں کو یہ کتنا ہی بُرا کیوں نہ لگے" (سورۂ مبارکہ توبہ، آیت ۳۲)۔

شمس الدین ذہبی بھی خاندانِ رسالتؑ کی اسارت اور محفل یزیدؑ کے دل خراش واقعات کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قیدیوں کو یزید کے پاس بھیجا گیا۔ حضرت امامِ سجادؑ پابند سلاسل تھے اور یزید کے ہاتھ میں چھڑی تھی......اور وہ مذکورہ اشعار کہہ رہا تھا......

چناں چہ اس وقت حضرت امامِ سجادؑ نے قرآنِ مجید کی اس آیہ کریمہ کی تلاوت فرمائی:

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (سورۂ مبارکہ حدید، آیت ۲۲)

"زمین میں کوئی بھی مصیبت وارد ہوتی ہے یا تمھارے نفس پر نازل ہوتی ہے تو نفس کے بیدار ہونے سے پہلے سے وہ کتابِ الٰہی میں مقدر ہو چکی ہے اور یہ خدا کے لیے بہت آسان ہے۔"

یہ بات یزید کو بہت ناگوار گزری چوں کہ اس نے شعر کے ساتھ مثال دی اور امامؑ نے آیہ قرآن سے اس کا جواب دیا۔ چناں چہ یزید نے بھی حضرت امامِ سجادؑ کو جواب دینے کی خاطر قرآنِ مجید کا سہارا لینا چاہا اور یہ آیت پڑھی:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (سورۂ مبارکہ شوریٰ، آیت ۳۰)

"اور تم تک جو مصیبت بھی پہنچتی ہے وہ تمھارے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت سی باتوں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔"

جو اس بات کا کنایہ تھا کہ جو کچھ حسینؑ کے ساتھ ہوا یہ ان کے عمل کا نتیجہ تھا۔

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے فرمایا: اگر رسولؐ خدا ہمیں اس حال میں دیکھ لیں تو ہمیں ان زنجیروں اور طوقوں سے نجات دلاتے۔[1]

کیا یہ واقعات شیعوں کے من گھڑت ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ بڑے بڑے نام ور شیعہ علما نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں منبروں پر جو مطالب پیش کیے ہیں وہ سب کے سب برحق ہیں اور اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

اہل سنت کے نام ور محقق طبری اس بارے میں لکھتے ہیں: اسراء میں خواتین اور بچے بھی شامل تھے جن کی حالت دیکھنے کے قابل نہ تھی وہ یزید کے پاس حاضر ہوئے۔

فاطمہؑ بنت علیؑ نے فرمایا: جب ہم یزید کے دربار میں تھے اس نے ہم پر رحم کھاتے ہوئے کہا کہ انھیں کچھ عنایت کیا جائے اور ہمارے حق میں لطف وکرم کیا' پھر ایک شخص جو شام کا رہنے والا تھا اُٹھا اور یزید کے پاس گیا اور میری طرف اشارہ کر کے کہا: امیر المومنین (یزید) یہ خاتون مجھے ہدیہ اور بخش دیں۔ چناں چہ میرا بدن لرزنے لگا اور خوف کی وجہ سے تمام بدن میں کپکپی سی طاری ہوگئی اور میں نے خوف کے مارے اپنی بڑی بہن زینب سلام اللہ علیہا کے دامن کو پکڑ لیا۔

زینب سلام اللہ علیہا نے اس شامی مرد کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

كذبت و الله ولؤمت' ما ذلك لك وله

''اس طرح کا حق تجھے اور نہ تیرے امیر [یزید] کو ہے۔''

یزید اس فقرہ کی وجہ سے آپے سے باہر ہوگیا اور کہا: تو جھوٹ کہتی ہے۔ خدا کی قسم! یہ میرے قیدی اور غلام ہیں۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا:

كلا و الله' ما جعل الله ذلك لك الاّ أن تخرج من ملّتنا و تدين بغير ديننا

(۱) تاریخ اسلام: ۵/ ۱۷-۱۸' مختصر تاریخ مدینہ دمشق: ۳۰/ ۲۵۳' البدایہ و النہایہ: ۸/ ۲۱۱' الکامل فی التاریخ: ۳/ ۸۶-۸۷' سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳۱۹-۳۲۰۔

"خدا کی قسم! ہرگز ایسا نہیں خداوند عالم نے تجھے اس قسم کا کوئی حق نہیں دیا ہے......"

یزید نے جلدی سے جواب دیا: تُو اور تیرا باپ اور تیرا بھائی سب کے سب دین سے نکل گئے ہو۔ زینب سلام اللہ علیہا نے جواب دیا:

بدین اللّٰہ أبی و دین أخی اهتدیت أنت و أبوك و جدّك

"تُو اور تیرا باپ [معاویہ] اور تیرا دادا [ابوسفیان] اس دین خدا کے ذریعے جو میرے باپ کا اور میرے دادا اور میرے بھائی کا دین تھا' گمراہی سے ہدایت کی طرف آئے۔"

یزید نے کہا: اے دشمن خدا! تم نے جھوٹ کہا۔

زینب سلام اللہ علیہا نے جواب دیا:

أنت أمیر مسلّط' تشتم ظالمًا و تقهر بسلطانك

"تُو اب ہم پر حاکم ہے اور ہم تیرے ماتحت ہیں"[1]

اہل سنت کی قدیمی کتب سے ان حقائق اور اہل بیت علیہم السلام کی خواتین و بچوں کی اسیری کو بیان کیا گیا ہے تاکہ سید الشہداؑ کے ساتھ عورتوں اور بچوں کے آنے کا راز معلوم ہو۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ دو دلیلوں کی بنیاد پر شیعہ اہل سنت کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں:

① اہل سنت کے اعتراضات اور تہمتوں کو دور کرنے کے لیے تاکہ وہ اپنی کتابوں کا ملاحظہ کرنے کے ساتھ جواب قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

---

(۱) تاریخ طبری: ۴/۳۵۳' البدایہ والنہایہ: ۸/۱۹۴' تاریخ مدینہ دمشق: ۶۹/۱۷۷' الکامل فی التاریخ: ۴/۸۶ اور دوسرے مآخذ...... پھر اس نے عورتوں اور بچوں کو بلا کر اپنے سامنے بٹھایا اور ان کی حالت کا مشاہدہ کیا اور کہا: خدا ابن مرجانہ خیر و بھلائی نصیب نہ کرے۔ حضرت فاطمہؑ بنت علیؑ سے منقول ہے: جب ہم یزید بن معاویہ کے سامنے بیٹھے تو وہ ہم سے ہمدردی اور نرمی سے پیش آنے لگا۔ وہ فرماتی ہیں: ایک سرخ رنگ کا شامی شخص یزید کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا: اے امیر المومنین! میرے کام کاج کے لیے اس کو مجھے بخش دے۔

۲) تمام حضرات کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ واقعات و حوادث فریقین کی کتب میں موجود ہیں۔ البتہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ تاریخ اہل بیت علیہم السلام میں رونما ہونے والے تمام واقعات کو علمائے اہل سنت نے قلم بند نہیں کیا۔ مؤلف کے عقیدہ کے مطابق انھوں نے دو قسم کے واقعات میں رونما ہونے والی مکمل حقیقت کو بیان اور نقل نہیں کیا ہے:

(الف) حضرت صدیقہ طاہرہ سلام اللہ علیہا کا واقعہ۔

(ب) واقعات کربلا کی کیفیت۔

البتہ ہم لوگ اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہر مطلب کو مکمل طور پر صحیح نہیں مانتے ہیں؛ لہٰذا ہم اپنے مکتب کے مخالفین کو خاموش اور تسلیم کروانے کی وجہ سے دوسروں کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ ورنہ ہمارے مذہب کے علمائے کرام نے تاریخی اور غیر تاریخی حقائق کی حفاظت و نقل کے سلسلے میں بہت زیادہ زحمت اُٹھائی ہے اور ان کا قول ہمارے نزدیک دوسروں کے قول پر مقدم اور ترجیح رکھتا ہے۔ لیکن کیا کیا جائے؟ دشمنانِ دین اپنے مقالات اور ویب سائٹس میں ہمارے عقائد پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ان عقائد کی حفاظت کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔

یزید کی پریشانی اور دمشق میں کشیدگی

واقعہ کربلا کو گزرے ہوئے کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ دمشق میں ایک عجیب و غریب تبدیلی رونما ہوئی اور اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے داخل ہونے کے کچھ ہی مدت بعد یزید ندامت و پشیمانی پر مجبور ہو گیا۔

کون سے اسباب یزید کی پریشانی کا سبب بنے؟ یزید کی پریشانی و پشیمانی کا موجب بننے والے اسباب درج ذیل ہیں:

① سید الشہداؑ کے سر اقدس کا تلاوتِ قرآن کرنا

ان اسباب میں سے ایک سبب سید الشہداؑ کے سر اقدس کو نوکِ نیزہ پر تلاوت قرآن

مجید کرتا تھا۔ ابن عساکر جس کا تعلق خود اہل شام سے ہے' کہتا ہے: انھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو شام میں تین دن ایک مقام پر نصب کیا اور اس سر مطہر سے یہ آیت شریفہ سنائی دیتی تھی:

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَ الرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا

''کیا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ اصحابِ کہف اور اصحابِ رقیم ہماری قابل تعجب نشانیوں میں سے تھے؟'' (سورۂ مبارکہ کہف، آیت ۹)

ممکن ہے بعض ضعیف الاعتقاد افراد کے لیے یہ بات قابل تعجب اور ان کے ذہن سے بعید ہو کہ کس طرح سید الشہداء علیہ السلام کا کٹا ہوا سر قرآنِ مجید کی تلاوت کر سکتا ہے؟ کیوں بعض افراد ایسی فکر کرتے ہیں؟ (مختصر تاریخ مدینہ دمشق: ۳۷۰/۶۰)

ہاں! زمانہ کی یہ ستم ظریفی ہے کہ اگر لوگوں تک شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ' علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے توسط سے کوئی حدیث و روایت پہنچے تو وہ یقین نہیں کرتے اور اسے قبول کرنا ان کے لیے دشوار ہو جاتا ہے لیکن جب یہ کہا جائے کہ یہ مطلب فلاں سنی عالم نے نقل کیا ہے تو بڑے شوق سے اسے قبول کرتے ہیں۔

② دمشق کی مسجد میں حضرت امامِ سجاد علیہ السلام کی تقریر

اہل شام کی بیداری اور یزید کی پریشانی کا دوسرا سبب حضرت امام سجاد علیہ السلام کا وہ خطبہ تھا' جو انھوں نے دمشق کی مسجد میں بیان فرمایا۔ ابن اعثم کوفی متوفی ۳۰۴ ہجری' خوارزمی اور دوسرے مؤرخین نے اس مشہور خطبہ کو نقل کیا ہے (الفتوح: ۱۳۳/۵' مقتل الحسین: ۷۶/۲-۷۸' مقاتل الطالبین: ۸۱' مناقب آل ابی طالب: ۲۶۱/۳)۔

③ دمشق اور تین دن عمومی سوگ

مذکورہ دو عوامل کے مدنظر دمشق کی عمومی حالت بگڑ گئی اور معاملہ یہاں تک پہنچ گیا جیسا کہ بلاذری' طبری اور دوسرے مؤرخین نے نقل کیا ہے کہ یزید نے حکم دیا کہ خواتین اہل بیت علیہم السلام کو اس کے گھر لے جایا جائے اور آل ابوسفیان کی عورتیں ان خواتین کا استقبال کریں

اور سید الشہداء علیہ السلام کی مصیبت میں نوحہ خوانی اور عزاداری برپا کریں' پھر تین روز تک حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحابؓ کی شہادت کے سلسلے میں عزاداری قائم کی گئی۔

بلاذری نے اس بات کا اضافہ کیا ہے:

انّ عاتکه ابنة یزید- وهی أمّ یزید بن عبدالملك- أخذت رأس الامام الحسین علیه السلام فغسلته و دهنّته و طیبته

"یزید کی بیٹی اور یزید بن عبدالملک کی والدہ کہ جس کا نام عاتکہ تھا اس نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو غسل دیا اور تیل و خوش بو سے اسے معطر کیا"۔[1]

حضرت امامِ سجاد علیہ السلام کا آیتِ مودّت سے استدلال

پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت امامِ سجاد علیہ السلام نے دمشق کی مسجد میں ایک اہم خطبہ دیا۔ اس کے علاوہ حضرت امامِ سجاد علیہ السلام نے ایک شامی کہ جس نے مولاؑ سے کہا تھا: خدا کا شکر ہے کہ اس نے تمھیں نابود اور بے کس بنا دیا اور فتنہ کو ختم کر دیا' کے جواب میں فرمایا:

أَقَرَأْتَ الْقُرْآنَ؟

"کیا تُو نے قرآن پڑھا ہے؟"

اس نے کہا: ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے سورۂ شوریٰ پڑھی ہے؟

اس نے کہا: میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن اس سورہ کو نہیں پڑھا۔

آپؑ نے فرمایا: کیا تُو نے اس آیت کو پڑھا جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے:

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ مبارکہ شوریٰ، آیت ۲۳)

اس شخص نے کہا: کیا آپ لوگ اس آیت کا مصداق ہیں؟

---

(1) انساب الاشراف: ۳/ ۲۱۳، ۲۱۴، حدیث ۶۲' ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد: ۸۳' تاریخ طبری: ۴/ ۲۵۳' البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۱۴' سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰۲' تاریخ مدینہ دمشق: ۶۹/ ۱۷۷۔

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں![1]

حضرت امامِ سجاد علیہ السلام کی منہال سے گفتگو

ابن اعثم لکھتے ہیں: ایک دن حضرت امامِ سجاد علیہ السلام کا دمشق کے بازار میں منہال سے سامنا ہو گیا۔ منہال نے آپؑ سے عرض کیا: اے فرزندِ رسولؐ خدا! آپؑ کے دن کیسے گزر رہے ہیں؟

مولاؑ نے فرمایا:

أمسينا كبني اسرائيل في آل فرعون، يذبّحون أبناء هم و يستحيون نساء هم. يا منهال! أمست العرب تفتخر على العجم لأنّ محمدًا منهم، و أمست قريش تفتخر على سائر العرب بأنّ محمّدًا منها، و أمسينا أهل بيت محمّد و نحن مغصوبون مظلومون مقهورون مقتّلون مثبورون مطرودون. فانّا لِلّٰهِ وَ إنَّ إلَيهِ رَاجِعُونَ، على ما أمسينا فيه يا منهال (الفتوح: ۵/۱۳۳)

”ہمارا وقت ایسے ہی گزر رہا ہے جیسے آلِ فرعون کے پاس بنی اسرائیل والوں کی حالت تھی۔ انھوں نے ہماری اولاد کو قتل کر دیا ہے اور ہماری خواتین کو اسیر بنا لیا ہے۔

اے منہال! عرب کا غیر پر افتخار یہ ہے کہ رسولؐ خدا عرب ہیں اور قریش کا دوسرے عربوں پر فخر یہ ہے کہ پیغمبرؐ اکرم ان میں سے ہیں اور ہم بھی اُسی پیغمبرؐ کے اہل بیت علیہم السلام ہیں۔ لیکن ہمیں موردِ بغض و ظلم اور قہر و قتل...... قرار دیا گیا ہے۔ ان حالات میں ہم یہ کہیں گے: إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ“۔

---

(۱) تفسیر طبری: ۲۵/ ۳۳-۳۴، بحرالمحیط: ۷/ ۵۱۲، الدرالمنثور: ۶/ ۷، روح المعانی: ۲۵/ ۳۱، تفسیر ابن کثیر: ۴/ ۱۲۱۔

اس بنا پر یہ تمام اسباب مثلاً سید الشہداؑ کے سر اقدس کا قرآن پڑھنا' حضرت امام سجادؑ کا خطبہ' آیت قرآن سے حضرت امام سجادؑ کا استدلال' خواتین کے ذریعے نوحہ خوانی' عزاداری کا قیام اور حضرت امام سجادؑ کی منہال سے گفتگو یزید کی پریشانی کا موجب بنے ہیں۔

یزید کی محفل اور صحابی رسولؐ کا اعتراض

پہلے اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ جب اہل بیت علیہم السلام کی خواتین کو قیدی بنا کر اور سید الشہداؑ اور دیگر شہدا کے سروں کو لایا گیا تو یزید نے عمومی محفل اور شراب کی بزم سجائی اور اپنی ناپاک چھڑی سے حضرت امام حسینؑ کے پاکیزہ لبوں اور دندان مبارک کی گستاخی کی۔ اچانک حضرت ابو برزہ اسلمی انصاری نے کھڑے ہو کر یزید سے کہا: کیا تو ان لبوں اور دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے جن کا مقام نہایت عظمت کا حامل اور گراں قدر ہے؟ بے شک میں نے اپنی آنکھوں سے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہے کہ رسولؐ خدا اس جگہ کو چومتے تھے (الکامل فی التاریخ:۴/۸۵)۔

اے یزید! تو یاد رکھ! قیامت کے دن ابن زیاد تیری شفاعت کرے گا اور اس دن حسینؑ کے شفیع حضرت محمد مصطفیٰؐ ہوں گے۔

اس دوران یزید محفل سے اُٹھ کر چلا گیا۔[1]

شام میں سید الشہداؑ کا سر اقدس اور ایک تابعی کی گفتگو

خالد بن غفران شام کی ایک نام ور شخصیت تھے اور ان کا شمار بزرگ تابعین میں سے ہوتا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں: جب سید الشہداؑ کے سر اقدس کو شام لایا گیا تو خالد بن غفران مخفی ہو گئے اور قریب قریب ایک سال تلاش کرنے کے بعد جب وہ ملے تو لوگوں نے ان سے پوچھا: آپ نے گوشہ نشینی اور لوگوں سے جدائی کیوں اختیار کی ہے؟ انھوں نے جواب دیا:

(۱) ایضاً:۴/۸۵؛ البدایہ والنہایہ:۸/۲۰۹؛ تہذیب الکمال:۶/۴۲۹؛ سیرہ اعلام النبلاء:۳/۳۰۹۔

کیا تمھیں معلوم نہیں ہم پر کیا گزری ہے؟ اس وقت انھوں نے یہ اشعار پڑھے۔

جاؤوا برأسك يا بن محمد
مترقلا بدماء ترميلا
كانما بك يا بن بنت محمد
قتلوا جهارا عامدين رسولك
قتلوك عطشانا و لم يترتبوا
في قتلك التنزيل و التأويله
و يكبرون بأن قتلت و انما
قتلوا بك التكبير و التهليلاً

"اے فرزند رسولؐ! آپؑ کا خون میں غلطاں سر اقدس لے کر آئے ہیں، اے فرزند زہراؑ! ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے انھوں نے رسولؐ خدا سے دشمنی کی بنا پر آپؑ کو علی الاعلان قتل کیا ہے......

انھوں نے آپؑ کو پیاسا شہید کیا اور آپؑ کے قتل کے سلسلے میں کسی تنزیل و تاویل کا بھی لحاظ نہیں کیا ہے اور وہ آپؑ کو شہید کرنے پر فخر کر رہے ہیں۔ بے شک انھوں نے آپؑ کے ساتھ تکبیر و تہلیل کو بھی شہید کر دیا ہے......" (تاریخ مدینہ دمشق:۱۲۰/۱۸، تہذیب الکمال:۶/۴۲۸، البدایہ والنہایہ:۶/۲۶۱ اور ۸/۲۱۶)

مؤرخین کے مطابق دمشق کے حالات

شام میں رونما ہونے والے واقعات کے علاوہ وہ کفر آمیز کلمات جن کا اظہار یزید نے کیا، وہ ناشائستہ حرکات جو اس نے اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام اور سید الشہداؑ کے سر اقدس کے ساتھ روا رکھیں اس بات کا سبب بن گئیں، کہ تھوڑی سی مدت میں لوگ موجودہ حقائق سے آگاہ ہو گئے اور یزید خوشی و سرور کے اظہار کو غم و اندوہ میں تبدیل کرنے پر مجبور ہو گیا۔ مؤرخین

نے اس تبدیلی وانقلاب کی طرف اشارہ اور اسے نقل کیا ہے۔

طبری اس بارے میں کہتا ہے: جس وقت ابن زیاد نے اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کے ہم راہ سید الشہداعلیہ السلام کے سر اقدس کو شام روانہ کیا تو یزید ابتدا میں بہت خوش ہوا اور ابن زیاد سے کہ جس سے اسے محبت نہیں تھی' بہت راضی وخوش نود ہوا لیکن زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ اس قتل سے اظہار بیزاری کرنے لگا (تاریخ طبری: ۵/۵۰۶)۔

ذہبی نے بھی اسی مطلب کو طبری سے نقل کیا ہے اور اس کے قول پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا ہے (تاریخ الاسلام: ۵/۲۰' حوادث سال ۶۱' سیر واعلام النبلاء: ۳/۳۱۷)۔

ابتدا میں یزید' حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے ابن زیاد کے ماہانہ وظیفہ میں اضافہ کر دیا۔

اس سلسلے میں ابن اثیر لکھتے ہیں: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو یزید کے پاس لایا گیا تو ابن زیاد کا مقام ومرتبہ اس کے نزدیک اس قدر اہمیت کا حامل ہو گیا کہ اس نے خوشی کی بنا پر ابن زیاد کے ماہانہ وظیفہ میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ اسے انعام واکرام سے بھی نوازا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ لوگوں نے یزید کے اس کام پر اسے لعن طعن کرنا شروع کر دیا اور لوگوں کا یہ غصہ یزید کی پشیمانی کا موجب بنا (الکامل فی التاریخ: ۴/۸۵-۸۶)۔

جلال الدین سیوطی اس طرح رقم طراز ہیں: جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے بھائی شہید ہو چکے تو ابن زیاد نے ان کے سروں کو یزید کے لیے روانہ کیا چناں چہ ابتدا میں یزید نے خوشی وشادمانی کا اظہار کیا اور اس کے بعد مسلمانوں کے قتل پر اظہار ندامت کیا' کیوں کہ لوگوں نے اس سے بیزاری اختیار کر لی اور یہ لوگوں کا حق تھا کہ وہ یزید پر غضب ناک ہوں (تاریخ الخلفاء: ۲۰۸)۔

اس طرح کربلا میں سید الشہداعلیہ السلام کے ساتھ خواتین اور بچوں کی ہم راہی کا راز واضح ہو جاتا ہے باوجود اس کے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت کے بارے میں جانتے تھے اور پھر

عورتوں و بچوں کو اپنے ساتھ لے آئے تا کہ ان کے بعد ان بچوں و خواتین کی اسیری کے ذریعے حقائق مخفی نہ رہیں اور تمام لوگوں پر واضح و آشکار ہو جائیں۔

مذکورہ بیان شدہ مطلب کی بنا پر واقعہ کربلا میں یزید کا کردار واضح و روشن ہو جاتا ہے۔

......✹......

تیسرا حصہ

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں اہل کوفہ کا کردار

حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دینے والے اہل کوفہ

اس سے پہلے بھی اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ اہل کوفہ کے ایک گروہ نے خطوط یا نمائندہ بھیجنے کے ذریعے اصرار کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی جائے۔ ہم اس حصہ میں ان افراد کا تعارف اور ان کے متعلق تحقیق پیش کریں گے۔

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دعوت دینے والے افراد اہل بیت علیہم السلام کے حقیقی و سچے شیعہ تھے؟ اگر ان کا تعلق شیعہ حضرات سے تھا تو ان کی عاقبت وانجام کیا ہوا ہے؟

وہابی حضرات اور ان کے پیروکار اس سوال سے استفادہ کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں:

خود شیعوں نے حسینؑ ابن علیؑ کو دعوت دی اور پھر خود ہی انھیں شہید کر دیا اور اب خود ہی ان کی عزاداری برپا کرتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا ایک شبہ سے زیادہ حیثیت کا حامل نہیں ہے۔ جس کا جواب تحقیق و دقت کے ساتھ دینا چاہیے تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ کن افراد نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی؟

البتہ دعوت دینے والوں سے مراد شہر کوفہ کے معمولی افراد نہیں ہیں بل کہ اس سے مراد کوفہ کی نامور شخصیات' سردار اور باحیثیت افراد ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دینے والے افراد کون لوگ تھے؟ ہم اس سوال کا جواب کوفہ کے اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دیں گے۔ کوفہ کی حالت اس وقت نامنظم تھی۔ نعمان بن بشیر' حکم کے مطابق لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آتا اور افراد کے لیے امن و امان کے ماحول کو برقرار رکھے ہوئے تھا۔ رفتہ رفتہ حضرت مسلم علیہ السلام کے اصحاب جانے و پہچانے گئے۔

ان حالات میں یزید نے سرجون سے مشورہ کیا۔ اس نے یزید سے کہا: اگر تیرا باپ زندہ ہو کر تجھے کوئی حکم دے تو کیا اس کی اطاعت کرو گے؟

یزید نے کہا: ہاں۔

اس وقت سرجون نے معاویہ کا خط باہر نکال کر یزید کو دیا۔ جس میں معاویہ نے اپنے ہاتھ سے عبیداللہ بن زیاد کے لیے کوفہ کی ولایت کا حکم لکھا تھا اور یہ کہا تھا کہ مناسب موقع پر

سرجون اس خط کو یزید کے حوالے کرے۔ یہ واقعہ بہت ساری کتب میں ذکر ہوا ہے (رجوع کریں، الارشاد:۲/ ۴۲' تاریخ طبری:۴/ ۲۵۸' الفتوح: ۵/ ۳۶' مقتل الحسینؑ:۱/ ۱۹۳' البدایہ والنہایہ:۸/ ۱۶۳' تاریخ ابن خلدون:۳/ ۲۲' تہذیب التہذیب:۲/ ۳۰۲' الامامۃ والسیاسیہ:۲/ ۸(ان کتابوں میں سرجون کا نام ذکر نہیں ہوا ہے) الکامل فی التاریخ:۴/ ۲۲-۲۳' تہذیب الکمال:۶/ ۴۲۳)۔

ہماری یہ دعویٰ کہ شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کا منصوبہ معاویہ کی طرف سے بنایا گیا تھا اس پر ایک دلیل یہی سرجون کا خط اور اس کے بعد والے واقعات ہیں۔

یزید نے اپنے والد کا خط وصول کرنے کے بعد اپنے خط کے ساتھ اپنے باپ کا حکم ابن زیاد کی طرف روانہ کیا۔ اس خط میں یزید نے لکھا کہ مسلمؑ کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو یا اس کو قتل کر دو۔

دوسری طرف کوفہ کا سابقہ گورنر بڑے احترام سے شام کی طرف روانہ ہوا' اور جس وقت وہ شام پہنچا تو یزید نے اسے شام کا چیف جسٹس بنا دیا۔ اگر نعمان نے کوفہ میں اپنے وظائف میں سستی و کوتاہی سے کام لیا ہوتا تو یزید کو اس کی سرزنش اور اس سے پوچھ کچھ کرنی چاہیے تھی نہ یہ کہ اسے کسی دوسرے منصب پر فائز کرتا اور اس کے بعد کچھ مدت بعد شہر حمص کا والی بنا دیا۔

مؤرخ شمس الدین ذہبی نے نعمان کے تعارف کے سلسلے میں تحریر کیا ہے:

وہ معاویہ کے قریبی دوستوں اور ساتھیوں میں سے تھا جب اسے کوفہ کی گورنری سے معزول کیا گیا تو یزید کے نزدیک اس کا ایک خاص مقام وعزت تھی (تاریخ الاسلام:۵/ ۳۶۲)۔

کیا ان تمام امور سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ نعمان کی حضرت مسلم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ نرمی پہلے سے بنائے گئے پروگرام و منصوبے کے مطابق تھی۔

مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کا امان نامہ

جس وقت سید الشہداء علیہ السلام نے مکہ سے خروج کرنا چاہا تو عمرو بن سعید نے مولاؑ کو ایک خط کے ذریعے نصیحت کی کہ اگر آپؑ کو خوف ہے تو میں آپؑ کو امان دیتا ہوں اور آپؑ اہل فتنہ و جدائی کا حصہ نہ بنیں۔[1]

(۱) ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد:۵۹' مختصر تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/ ۲۰۹' البدایہ والنہایہ:۸/ ۷۸' تہذیب الکمال:۶/ ۴۱۸' تاریخ طبری:۴/ ۲۹۲۔

یہ امان نامہ عمرو کی طرف سے حضرت محمدؒ بن حنفیہ یا عبداللہ بن جعفرؒ کی درخواست کے ذریعے سید الشہداءؑ کے لیے تحریر کیا گیا تھا اور تعجب کی بات یہ ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ نے اس امان نامہ کی پروا کیے بغیر اپنے راستے کو جاری رکھا تو اس شخص نے اپنی ظاہری ہمدردی و دل سوزی کے باوجود ابن زیاد کو یہ خط لکھ دیا کہ حسینؑ عراق کی طرف آ رہے ہیں اور تمہیں جس چیز کو انجام دینا چاہیے اسے انجام دے دو۔

حضرت امام حسینؑ کا شہادت کی خبر دینا

سید الشہداءؑ مسلسل اپنی شہادت کے بارے میں خبر دیتے رہے۔ ہمیشہ ان کی گفتگو سے یہ مطلب سمجھا جاتا تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔ امام عالی مقامؑ نے مدینے میں ایک شعر کے دو مصرعے پڑھے جو واضح طور پر آپؑ کی شہادت کو بیان کر رہے تھے۔ آپؑ ہمیشہ اپنے آپ کو حضرت یحییٰ بن زکریا کے ساتھ تشبیہ دیتے اور فرماتے تھے:

ان من هوان الدنيا على الله ان رأس يحيى أهدى الى بغيّ

من بغايا بني اسرائيل

"خداوند عالم کی نسبت، دنیا کی پستی و حقارت ایک یہ ہے کہ حضرت یحییٰؑ کے سر اقدس کو بنی اسرائیل کے ظالم شخص کے پاس بھیجا گیا" (مناقب آل

ابی طالبؑ: ۳/ ۲۳۷، الارشاد: ۲/ ۱۳۲، الملہوف: ۴۴)۔

حضرت امام حسینؑ کے خوابوں کی تعبیر

حضرت امام حسینؑ دوران سفر خواب بیان کرتے تھے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ وہ خواب کیا تھا تو آپؑ فرماتے:

قد رأيت هاتفًا يقول أنتم تسرعون و المنايا تسرع بكم الى الجنّة.....

"میں نے ایک منادی کو دیکھا ہے جو یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت تیزی سے آگے بڑھ رہے ہو اور موت بڑی سرعت سے تمہیں جنت کی طرف لے جا

رہی ہے'' (الملہوف:۴۳)۔

ایک دوسرے خواب میں آپؑ نے فرمایا:

رأیت کلابا تنهشنی أشدها علیّ کلب أبقع

''میں نے خواب میں کتے دیکھے ہیں جو مجھ پر حملہ آور ہیں'' (کامل الزیارات:۱۵۷، باب ۲۳، حدیث ۱۹)۔

اس خواب کی تعبیر کا مصداق شمر بن ذی الجوشن ہے اور خود امام علیہ السلام نے بھی اس کے سامنے اس بات کا ذکر کیا تھا۔ کچھ افراد نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے ان کی ہم راہی اختیار نہ کی تو مولاؑ نے ان کے جواب میں فرمایا: یہاں سے دور چلے جاؤ کیوں کہ جو شخص ہماری غربت کی آواز سنے یا ہمارے لشکر کو دیکھے اور ہماری مدد کے لیے نہ آئے تو بے شک خداوند عالم اسے منھ کے بل جہنم میں ڈال دے گا (رجال شیخ طوسیؒ شرح حال عمرو بن قیس المشرقی)۔

ایک عرب کہتا ہے: میں بیابان کی طرف گیا تا کہ جب حضرت امام حسین علیہ السلام وہاں سے گزریں تو میں ان کے ساتھ ملحق ہو جاؤں- کیا ان تمام اُمور کے باوجود سید الشہداء علیہ السلام اپنی شہادت سے بے خبر تھے؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بعض مقامات پر اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

و اللّٰہ هو لا یدعونی حتّی یسخر جو اهذه العلقة– و أشار الی قلبه الشریف– من جوفی......؟؟

''خدا کی قسم! یہ لوگ مجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک میرے قلب کو میرے بدن سے باہر نہ نکال لیں'' (الارشاد:۲/ ۷۶؛ الکامل فی تاریخ:۳/ ۳۹؛ تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/ ۲۱۶؛ تاریخ طبری:۳/ ۲۹۶؛ البدایہ و نہایہ:۸/ ۱۸۳)۔

مولاؑ نے مکہ سے خروج کرتے وقت فرمایا:

و اللّٰہ لأن أُقتل خارجًا منها بشبرٍ أحبّ الیّ من أن أُقتل داخلاً منها بشبرٍ......

"خدا کی قسم! میرے لیے مکہ سے باہر ایک بالشت کی حدود میں شہید ہونا اس بات سے بہتر ہے کہ میں مکہ کے اندر اگرچہ ایک بالشت کی حد میں مارا جاؤں" (الکامل فی التاریخ:۴/۳۸ تاریخ طبری:۴/۲۸۹)۔

عبداللہ بن عباسؓ اس بارے میں کہتے ہیں: ہمیں اس بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں تھا اور اہل بیت علیہم السلام کے نزدیک یہ مشہور تھا کہ حسینؑ بن علیؑ میدانِ کربلا میں شہید ہو جائیں گے (المستدرک علی الصحیحین:۳/۱۷۹)۔

ایک دوسری روایت کے مطابق ابن عباسؓ نے کہا: سید الشہداؑ کے ساتھ شہادت کے درجہ پر فائز ہونے والے افراد کی تعداد اور ان کے نام شہادت سے قبل معین تھے (مناقب آل ابی طالبؑ:۳/۲۱۱؛ بحار الانوار:۴۴/۱۸۵ حدیث ۱۴)۔

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے حضرت مسلمؑ بن عقیل علیہ السلام کو کوفہ روانہ کیا تو ان سے فرمایا: عن قریب خداوند عالم وہ کام انجام دے گا جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس سے وہ راضی و خوش نود ہے اور مجھے اُمید ہے کہ خداوند عالم مجھے اور آپؑ کو درجہ شہادت عطا فرمائے (الفتوح:۵/۳۱؛ مقتل الحسینؑ (خوارزمی):۱/۱۹۶)۔

راوی نقل کرتا ہے: قبیلہ بنی اسد کا ایک شخص بیابان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہم راہی اختیار کرنے کا انتظار کر رہا تھا کہ ان کی ہم راہی اختیار کرے۔ سید الشہدا علیہ السلام کی شہادت کے بعد اس کے جنازہ کو ہم نے شہدا کے درمیان پایا (الطبقات الکبریٰ [شرح حال حضرت امام حسینؑ]:۶/۴۲۱؛ تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/۳۱۰)۔

جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ سے خروج کیا تو عمرہ بنت عبدالرحمان نامی عورت نے درج ذیل خط لکھا:

بے شک میں گواہی دیتی ہوں کہ حضرت عائشہ نے مجھ سے یہ بیان کیا ہے کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے: حسینؑ کو بابل (عراق) نام کی سرزمین پر شہید کیا جائے گا۔

جب حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خط کو پڑھا تو فرمایا:

فلابد لی اذا من مصرعی (تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/ ۲۰۹، سیرہ اعلام النبلاء:۳/ ۲۹۷، البدایہ والنہایہ:۸/ ۱۶۷، تہذیب الکمال:۶/ ۴۱۸)

"پس مجھے ہر صورت میں اپنے محل شہادت کی طرف جانا چاہیے۔"

البتہ یہ الٰہی ارادہ ہے اور ظاہری اسباب و وسائل بھی درکار ہونے چاہئیں۔ پیغمبرؐ خدا نے سید الشہداء علیہ السلام کی مدد کے لیے حکم دیا ہے تو نہایت تعجب کا مقام ہے کہ ابن عباسؓ جیسا شخص...... البتہ تعجب سے زیادہ ہم بات نہیں کرتے" خود یہ کہتا ہے کہ امام علیہ السلام کے ساتھ شہید ہونے والے شہدا معروف و معلوم ہیں تو پھر امام علیہ السلام پر اعتراض اور ان سے سوال کیوں کرتے ہیں؟ اور مولاؑ نے ان کے جواب میں فرمایا:

انّك شيخ قد كبرت

"اس میں شک نہیں کہ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں" (البدایہ والنہایہ:۸/ ۱۶۷، تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/ ۲۱۱، سیرہ اعلام النبلاء:۳/ ۲۹۷)۔

یہ اس بات سے کنایہ ہے کہ تیرے ہوش و حواس مختلف ہو چکے ہیں اور جس وقت مولاؑ کربلا پہنچے تو فرمایا:

اللّٰهم انا عترة نبيك محمد و قد اخرجنا و طردنا و ازعجنا عن حرم جدّنا و تعدّت بنو اُميّة علينا

"خدایا! بے شک ہم تیرے رسول حضرت محمدؐ کی عترت ہیں جب کہ ہمیں در بدر اور ہمارا تعاقب کیا جا رہا ہے تا کہ ہم اپنے ناناؐ کے حرم سے نکل جائیں اور بنو اُمیہ نے ہم پر ظلم کیا ہے" (بحار الانوار:۴۴/ ۳۸۳)۔

یہ تمام اُمور و موارد اس بات پر گواہ ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام مدینے سے مکہ کی طرف حرکت اور مکہ سے عراق کی طرف روانگی اور راستے میں جو واقعات رونما ہوئے اور اس سلسلے میں یزید کی حکومت کا سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ تمام سلوک و برتاؤ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔

پیغمبر اکرمؐ کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینا

شیعہ و سنی محدثین نے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو تواتر کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ سے نقل کیا ہے۔

احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا:

لقد دخل عليَّ البيت ملك لم يدخل عليَّ قبلها فقال لي: أنّ ابنك هذا- يعني حسيناً- مقتول. و ان شئت أريتك من تربة الأرض الّتي يقتل بها(مسند احمد:٦/ ٢٩٤، مجمع الزوائد:٩/ ١٨٧، تاریخ مدینہ دمشق:١٤/ ١٩٣، میزان الاعتدال:١/ ١٣)

"مجھ پر ایک ایسا فرشتہ نازل ہوا جو پہلے کبھی نازل نہیں ہوا تھا، اس نے مجھے کہا: بے شک آپؐ کے فرزند یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام کو لوگ شہید کریں گے اور اگر آپؐ چاہتے ہیں تو میں ان کے مقامِ شہادت کی خاک آپؐ کو دکھلا دیتا ہوں۔"

حافظ ہیثمی اس حدیث کی سند صحیح ہونے کی وضاحت کرتے ہیں۔ طبرانی نے بھی معتبر سلسلہ سند سے رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

أخبرني جبريل: أنّ الحسين يقتل بأرض العراق و هذه تربتها[1]

"حضرت جبرئیلؑ نے مجھے یہ خبر دی ہے کہ حسینؑ عراق میں شہید کیے جائیں اور یہ اس سرزمین کی تربت ہے۔"

لہٰذا پیغمبر اکرمؐ سے منقول تواتر روایات کی بنا پر آں حضرتؐ، حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت لوگوں کو یاد دلاتے تھے تاکہ جو شخص سید الشہداء علیہ السلام کو ایسی حالت میں پائے تو وہ ان کی

(1) المعجم الکبیر:٣/ ١٠٩، ١١٠، شمارہ ٢٨٢١، المستدرک علی الصحیحین:٣/ ٣٩٨، تاریخ مدینہ دمشق:١٤/ ١٩٢، سیرہ اعلام النبلاء:٣/ ٢٩٨، البدایہ والنہایہ:٦/ ٢٥٧ اور دوسرے مآخذ۔

مدد و نصرت کرے۔

انس بن حارث کہتا ہے کہ میں نے رسولؐ خدا سے سنا کہ آپؐ نے فرمایا:

انّ ابنی هذا- یعنی الحسین- یقتل بأرض یقال لها کربلا فمن شهد ذلك منکم فلینصره

"بہ تحقیق میرے فرزند حسینؑ کو سرزمین کربلا پر شہید کریں گے تم میں سے جو شخص ان کو دیکھے ضرور ان کی مدد کرے۔"[1]

کتاب خصائص الکبریٰ کے حصہ معجزات پیغمبرؐ خدا، میں یہ مطلب نقل ہوا ہے کہ آں حضرتؐ نے اس واقعہ کے بارے میں خبر دی اور یہ واقعہ بعد میں اسی طرح رونما ہوا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کا حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کی خبر دینا

امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: لوگ حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کریں گے اور بے شک میں ان کے شہید ہونے والی سرزمین کی خاک کو پہچانتا ہوں۔ وہ ایسی جگہ ہے جو دو نہروں کے نزدیک ہے (المعجم الکبیر: ۳/ ۱۱۰، حدیث: ۲۸۲۳ المصنف: ۷/ ۴۷۶)۔

ہیثمی نے کتاب مجمع الزوائد میں اس حدیث کے راویوں کی صداقت کا اعتراف کیا ہے (مجمع الزوائد: ۹/ ۱۹۰)۔

ایک دوسری روایت میں منقول ہے کہ جنگِ صفین سے لوٹتے وقت جب امیرالمومنین علی علیہ السلام نے کربلا کو عبور کیا تو حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا:

صبرًا یا أبا عبدالله (بحارالانوار: ۴۴/ ۲۵۲، کمال الدین وتمام النعمۃ: ۵۳۳)

پس ان پیشین گوئیوں کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کس طرح لوگ اپنے آپ کو شیعہ خیال کرتے ہیں اور ان حقائق کا انکار کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ لوگ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت سے بے خبر تھے بل کہ اس سے بڑھ کر یہ کہتے ہیں کہ خود سید الشہداء علیہ السلام یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ

---

(۱) تاریخ مدینہ دمشق: ۱۴/ ۲۲۴، البدایہ و النہایہ: ۸/ ۲۱۷، اسد الغابہ: ۱/ ۱۲۳، الاصابہ: ۱/ ۲۷۱، الخصائص الکبریٰ: ۲/ ۱۲۵، کنز العمال: ۱۳/ ۱۲۶، الکامل فی التاریخ: ۱/ ۱۹۹ اور دوسرے مآخذ۔

شہادت کے درجہ پر فائز ہوں گے؟

ایسے افراد کو کیا کہا جائے؟ اور ان افراد کا کیا حکم ہے؟ وہ واقعہ کربلا جس کے بارے میں رسولؐ خدا کی ازواج جانتی تھیں بل کہ آں حضرتؐ کی بیویوں کے علاوہ دوسری خواتین بھی گھروں میں اس واقعہ سے باخبر تھیں۔

البتہ عبداللہ بن عمر جیسے شخص پر تعجب کرنے کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس نے پہلے دن سے ہی اپنے آپ کو حکومت کے ہاتھوں فروخت کر دیا اور حکومت یزید کے ساتھ معاملہ وتعاون کے سلسلے میں اس کا طریقہ وروش ہی افکار وعقائد کا سرچشمہ قرار پایا جیسا کہ آج تک اہل سنت کے درمیان یہ فکر رائج ہے کہ حاکم کے خلاف قیام نہیں کرنا چاہیے۔

وہ کہتا تھا کہ جس وقت لوگوں نے بیعت کر لی تو ہمیں بھی لوگوں کی رائے کا تابع ہونا چاہیے اور یہ عمل ایک فکر میں تبدیل ہوا اور آج کئی صدیاں گزرنے کے بعد بھی ایک گروہ عبداللہ بن عمر کی پیروی کرتا ہے اور سیدالشہداؑ کے خروج اور ان کی شہادت کو غیر شرعی خروج و قیام تصور کرتا ہے۔

اس نے اسلام کو بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جو امیرالمومنین علیؑ کی بیعت کے لیے حاضر نہ ہوا اور کچھ مدت کے بعد اپنے نظریہ وفکر کو تبدیل کر لیا اور مال و دولت وسکوت کے ذریعے اس نے بڑی آسانی سے اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر دیا اور اسی ظاہری فریب اور مقدس نما چہرہ کے ساتھ سیدالشہداؑ کو کہتا ہے: تم اپنے نانا کی مانند ہو وہ دنیا کے طالب نہیں تھے (تاریخ مدینہ دمشق: ۱۴/ ۲۰۸)۔

جو کچھ بیان ہوا وہ اسلام کی حفاظت اور بقائے دین کے سلسلے میں سیدالشہداؑ کی شہادت اور ان کے ساتھ خاندانِ اہل بیت علیہم السلام اور مسئلہ اسیری کے اثرات کے متعلق مختصر بحث تھی۔ جیسا کہ بعض مجالس ومحافل میں یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے واقعات، سیدالشہداؑ کی شہادت کے مرہونِ منت ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کیوں کہ اس واقعہ کا اثر دین کی بقا اور اس واقعہ کا اختتام یزید اور یزیدیوں کی حکومت کے خاتمہ پر ہوتا ہے۔

واضح سی بات ہے کہ بنوامیہ اس لیے برسراقتدار نہیں آئے تھے کہ جلدی حکومت سے دست بردار ہو جائیں۔ ان کے پاس ایسے منصوبے تھے کہ جن کی بدولت ان کی حکومت کا آسانی سے خاتمہ ممکن نہیں تھا کیوں کہ انھوں نے اسلام کے نام پر حکومت قائم کی تھی اور حقیقت یہ ہے کہ سیدالشہداؑ کی برکت سے اسلام کو بقا نصیب ہوئی ہے۔

اس سے پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ جب حضرت امام حسینؑ کی شہادت اور اہل بیت علیہم السلام عصمت وطہارت کی اسیری کی خبر یزید تک پہنچی تو وہ ابتدا میں بہت خوش حال ہوا اور اس نے ابن زیاد کی بہت زیادہ تکریم کی اور اسے بلند مقام عطا کیا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد لوگوں نے یزید پر لعنت کرنا شروع کر دی بل کہ بقول جلال الدین سیوطی معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ لشکر کے سپاہیوں نے اس پر لعن طعن شروع کر دی۔

سیدالشہداؑ کی طرف بھیجے جانے والے خطوط

گذشتہ تحقیقی گفتگو کی روشنی میں اب ہم سیدالشہداؑ کو دعوت دینے کے سلسلے میں اہل کوفہ کے کردار پر بحث کریں گے۔

شیخ مفیدؒ کتاب الارشاد میں اس طرح روایت نقل کرتے ہیں کہ کوفہ میں سلیمان بن صرد کے گھر پر ایک میٹنگ ہوئی۔ سلیمان نے اہل کوفہ کی نامی گرامی شخصیات کو مدعو کیا اور اس نے ان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

ان معاویه قدهلك و ان حسينا قدتقبض على القوم بيعته‘ و قد خرج الى مكه‘ و أنتم شيعته و شيعة ابيه فان كنتم تعلمون انكم ناصروه و مجاهدوا عدوّه فاعلموه ان خفتم الفشل و الوهن فلا تقروا الرجل في نفسه

”معاویہ ہلاک ہو چکا ہے اور حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت نہیں کی ہے اور وہ مدینے سے مکے کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ تم لوگ گرامی کے شیعہ ہو۔ اگر تم لوگ ان کی نصر کر سکتے ہو

اور حقیقی طور پر ان کی مدد اور ان کے دشمن سے جہاد کرو گے تو پھر انھیں خط لکھو اور اگر تم ان کی نصرت نہیں کر سکتے ہو تو پھر انھیں دعوت بھی نہ دو" (الارشاد:۲/۳۶' تاریخ طبری:۳/۲۶۱)۔

سلیمان نے تمام شخصیات پر اتمام حجت کر دی کہ اگر تم سید الشہداؑ کے دشمن کے ساتھ جنگ و جہاد کی طاقت رکھتے ہو تو انھیں خط لکھ کر دعوت دو اور دوسری صورت میں کسی قسم کا اقدام نہ کرو۔

انھوں نے جواب دیا: ہم انھیں دعوت دیں گے اور ان کے دشمن کے ساتھ جنگ کرتے ہوئے اپنی جان ان کی راہ میں نچھاور کر دیں گے۔سلیمان نے خط اس مضمون میں لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

للحسين بن على عليهما السلام من سليمان بن صرد و المسيّب بن نجبة و رفاعة بن شدّاد و حبيب بن مظاهر و شيعته من المؤمنين و المسلمين من أهل الكوفة:

سلامٌ عليك' فانّا نحمد اليك الله الّذى لا اله الاّ هو.

أمّا بعدُ! فالحمدلله الّذى قصمَ عدوّك الجبّار العنيد' الّذى انتزى على هذه الاُمّة فابتزّها أمرها' و غصبها فيئَها و تأمّر عليها بغير رضى منها' ثمّ قتل خيارها و استبقى شرارها' و جعل مال الله دولةً بين (جبابرتها و أغنائها)' فبُعدًا له كما بعدت ثمود. انه ليس علينا امام' فأقبل لعلّ الله أن يجمعنا بك على الحق. و النعمان بن بشير في قصرالامارة' لسنا نجتمعُ معه في جمعة و لا نخرج معه الى عيد' ولو قد بلغنا انّك أقبلت الينا أخرجناه حتّى نلحقه بالشّام ان شاء الله (الارشاد:۲/۳۶)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

”سلیمان بن صردؓ مسیب بن نخبہؓ رفاعہ بن شداد اور حبیبؓ بن مظاہر......
کی طرف سے حسینؑ بن علیؑ کے لیے خط' خدا کا شکر کہ معاویہ ہلاک ہوا...... اے حسینؑ! ہمارے پاس تشریف لایئے' تاکہ ہم آپؑ کے ذریعے حق کے گرد جمع ہو جائیں...... نعمان بن بشیر کوفہ اور حکومتی محل میں حکومت کی طرف سے ولایت کے عہدہ پر فائز ہے۔ ہم اس کی اقتدا میں نماز نہیں پڑھتے اور نماز جمعہ وعید میں بھی شرکت نہیں کرتے ہیں......“

یہ ان کے خط کا خلاصہ تھا انہوں نے یہ خط عبداللہ بن مسمع ہمدانی اور عبداللہ بن وال نامی افراد کے ذریعے روانہ کیا' تحقیق کی بنا پر یہ خط فقط ذکر شدہ چار افراد کے دستخطوں کے ساتھ کتابوں میں ذکر ہوا ہے (قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ اسما قابل توجہ ہیں کیوں کہ آئندہ تحقیقی گفتگو میں یہ نام مورد استفادہ قرار پائیں گے)۔

اس خط کو ارسال کرنے کے تھوڑے عرصے بعد چند افراد قیس بن مسہر صیداوی' عبدالرحمان بن عبداللہ ارحبی اور عمارہ بن عبداللہ سلولی کو نمائندہ بنا کر مولاؑ کے پاس بھیجا گیا۔

دو یا تین دن بعد انھوں نے ایک اور خط لکھا جسے انھوں نے ہانی بن ہانی سبیعی اور سعید بن عبداللہ حنفی کے ذریعے مولاؑ کی طرف روانہ کیا۔ اسی دوران ۶ افراد پر مشتمل گروہ نے علیحدہ طور پر سید الشہداؑ کو ایک خط لکھا جن کے نام درج ذیل ہیں:

شبث بن ربعی' حجار بن ابجر یزید بن حارث بن رویم' عزرہ بن قیس' عمرو بن حجاج زبیدہ اور محمد بن عمیر تمیمی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا کوفہ کے شیعوں کو جوابی خط

حضرت امام حسین علیہ السلام نے کوفہ کے شیعوں کے خط کا جواب درج ذیل عبارت میں دیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أمّا فانّ هانئًا سعيدًا قدما عليّ بكتبكم أنا باعث

الیکم أخی و ابن عمّی و ثقتی من أھل بیتی مسلم بن عقیل فان کتب الی انّہ قد اجتمع رأی ملأکم و ذوی الحجی و الفضل منکم علی مثل ما قدمت بہ رسلکم و قرأت فی کتبکم فانّی أقدم الیکم......

"بخشنے والے مہربان خداوند عالم کے نام سے ابتدا کرتا ہوں۔

ہانی اور سعید تمھارے خطوط لے کر آئے ہیں اور میں بھی تمھارے مقصد کی طرف متوجہ ہو چکا ہوں۔ چناں چہ میں اپنے اہل بیت علیہم السلام میں سے قابل اعتماد چچازاد بھائی مسلمؑ بن عقیلؑ کو تمھاری طرف بھیج رہا ہوں تاکہ تمھارے حالات سے مجھے آگاہ کرے۔ پس اگر میرا نمائندہ تمھارے اجتماع کا مشاہدہ کرے اور مجھے بتلائے تو اس وقت میں تمھاری طرف رخت سفر باندھوں گا"۔[1]

قابل توجہ بات یہ ہے کہ خطوط پہنچے اور سید الشہداؑ کی خدمت میں کئی افراد کے آنے جانے کے باوجود مولاؑ کو اطمینان نہیں تھا اور اس وجہ سے انھوں نے حضرت مسلمؑ کو کوفہ کی طرف روانہ کیا۔

سید الشہداؑ نے اپنی روانگی سے پہلے ہر مناسب موقع پر اور ہر شخص کے سامنے دو چیزوں کی یاد دہانی کی اور اس کو بیان فرمایا:

① میرا یہ وظیفہ و ذمہ داری ہے کہ میں اس راستے کو ہر صورت میں اختیار کروں۔

② میں قتل کر دیا جاؤں گا۔

یہ مطلب مختلف الفاظ اور گوناگوں مراحل میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر کوئی شخص یہ ہے کہ مولاؑ نہیں جانتے تھے اور انھیں اپنی شہادت کے بارے میں معلوم نہیں تھا ایسا شخص یا تو جاہل

---

(1) الارشاد:۲/۳۹، تاریخ طبری:۴/۲۶۲، الاخبار الطوال:۲۳۰، الکامل فی التاریخ:۴/۲۱، الفتوح:۵/۳۰، مقاتل الطالبین:۶۳، تاریخ ابن خلدون:۳/۲۲، نہایۃ الارب:۲۰/۲۳۱ اور دوسرے مآخذ۔

ہے یا پھر خود غرض ہے۔

تاریخ الاسلام ذہبی، المعجم الکبیر طبرانی، الطبقات الکبریٰ ابن سعد، البدایہ والنہایہ ابن کثیر، الفتوح ابن اعثم، الکامل فی التاریخ ابن اثیر، تاریخ طبری اور مقتل الحسینؑ خوارزمی جیسی کتابوں میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے کلام کا ملاحظہ کرتے وقت ہمیں معلوم ہوگا کہ مولاؑ ہمیشہ فرماتے تھے: مجھے اپنی شہادت کا علم ہے اور میرا وظیفہ عراق کی طرف روانہ ہونا ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے فرمودات کی عبارات کا متن کچھ اس طرح ہے۔ ایک مقام پر آپؑ نے فرمایا:

لأن اقتل بمكان كذا كذا أحب اليّ انّ تستحلّ بي يعني مكّة

"مکہ کی سرزمین پر میرا خون بہانے کی بجائے کسی اور مقام پر مجھے شہید کر دیا جانا زیادہ پسند ہے۔"[1]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

و الله لان أُقتل خارجًا منها بشبرٍ أحبّ اليّ من أن اقتلَ منها خارجًا منها بشبر و أيم الله، لو كنت في جحر هامة من هذه الهوام لا ستخرجوني حتّى يقضوابي حاجتهم و الله ليعتدنّ عليّ كما اعتدات اليهود في السّبت (رجوع کریں، الکامل فی التاریخ: ۳/۲۸، تاریخ طبری: ۳/۲۸۹)

"خدا کی قسم! مجھے ایک بالشت کی مقدار میں مکہ کی حدود کے اندر شہید ہونے کی نسبت مکہ کی حدود سے ایک بالشت باہر مارا جانا زیادہ پسند ہے۔ خدا کی قسم! میں جس قدر بھی پوشیدہ مقام پر ہوتا تو یہ لوگ مجھے وہاں سے نکال کر اپنا مقصد پورا کر لیتے۔

(۱) ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد: ۶۰، تاریخ الاسلام: ۵/۱۰۶، مجمع الزوائد: ۹/۱۹۲، المعجم الکبیر: ۳/۱۲۰، حدیث ۲۸۵۹، المعرفۃ والتاریخ: ۱/۲۹۱، سیر اعلام النبلاء: ۳/۲۹۲، تہذیب الکمال: ۶/۴۲۰-۴۲۱، دوسری کتابیں۔ ان میں ہیثمی صاحب مجمع الزوائد اور کتاب تاریخ الاسلام کے محقق کہتے ہیں کہ اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔

خدا کی قسم! انھوں نے مجھ پر کیسا ظلم و ستم کیا ہے جیسا کہ یہود نے ہفتہ کے دن کے سلسلے میں کیا تھا۔"

ایک دوسرے قول میں یوں فرمایا:

واللہ لا یدعونی حتی یستخرجوا ھذہ العلقۃ من جوفی

"خدا کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک یہ میرا دل باہر نہ نکال لیں۔"[1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

انّی رأیت رؤیا و رأیت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و أمرنی بأمرٍ أنا ماضٍ لہ ولست بمخبرٍ بھا حتّی اُلاقی عملی

"میں نے خواب میں اپنے جد امجدؐ کو دیکھا ہے اور انھوں نے مجھے ایک امر بجالانے کا حکم دیا ہے اور میں اس امر کو بجالانے والا ہوں اور میں اس امر کی فقط خبر نہیں دے رہا بلکہ اسے عملی جامہ پہناؤں گا۔"[2]

ایک دوسری تعبیر میں کچھ اس طرح ذکر ہوا ہے:

اُلاقی ربّی

"میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں گا۔"

اور ایک مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

لا بدلی من مصرعی

"مجھے ہر صورت میں اپنے مقتل گاہ تک پہنچنا چاہیے۔"

یہ جملہ الطبقات الکبریٰ؛ سیرہ اعلام النبلاء؛ مختصر تاریخ دمشق؛ البدایہ والنہایہ ابن کثیر اور

---

(۱) الارشاد: ۲/۷۶؛ الکامل فی التاریخ:۳/۳۹؛ تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/۲۱۶؛ تاریخ طبری:۳/۲۹۶؛ البدایہ و النہایہ:۸/۱۸۳۔

(۲) تاریخ مدینہ دمشق:۱۳/۲۰۹؛ تہذیب الکمال:۶/۴۱۸؛ تاریخ الاسلام:۵/۹؛ البدایہ و النہایہ:۸/۱۷۶؛ ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد:۵۹؛ ترجمہ الامام الحسینؑ من کتاب بغیۃ الطلب فی تاریخ

تاریخ حلب جیسی کتابوں میں ذکر ہوا ہے (اس موضوع پر تحریر کرنے والے نے تاریخ حلب سے استفادہ کیا ہے۔ جس میں ایک مورد یہ ہے کہ جنھوں نے سید الشہداء علیہ السلام کے بدن مبارک کو گھوڑوں سے پامال کیا وہ دس افراد تھے اور سب کا تعلق شام سے تھا اور ان میں سے ایک بھی کوفی نہیں تھا)۔

دوسرے مقام پر آپؑ فرماتے ہیں:

مهما يقضى الله عن أمر يكن

''واقع ہونے والے امر کے بارے میں خدا فیصلہ کرے گا'' [1]

حضرت امام حسین علیہ السلام سے جب یہ پوچھا گیا کہ آپؑ مکہ سے نکلنے کے سلسلے میں عجلت سے کیوں کام لے رہے ہیں؟

آپؑ نے جواب میں فرمایا:

لم أعجل لاخذت

''اگر میں جلدی نہ کروں تو وہ مجھے گرفتار کر کے قتل کر دیں گے'' (تاریخ طبری: ۳/ ۲۸۷، الارشاد: ۲/ ۶۷، بحارالانوار: ۴۴/ ۳۶۵، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۸۰، الکامل فی التاریخ: ۳/ ۳۷)۔

ایک دوسرے مقام پر ایک شخص نے خیر خواہی کے خیال سے مولاؑ سے عرض کیا: آپؑ کوفہ کی طرف نہ جائیے' انھوں نے آپؑ کے والد گرامی کو شہید کیا اور آپؑ کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب دیا:

انه ليس يخفى على الرأى ما قلت و رأيت لكن الله لا يغلب على أمره (الکامل فی تاریخ: ۳/ ۳۳، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۸۵، تاریخ طبری: ۳/ ۳۰۱)

''جو کچھ تم کہہ رہے ہو اور جو تم نے دیکھا ہے وہ مجھے معلوم ہے لیکن تقدیر الٰہی پلٹنے والی نہیں ہے۔''

یہ کلام کتاب الکامل فی التاریخ ابن اثیر' البدایہ والنہایہ اور تاریخ طبری میں ذکر ہوا ہے۔

---

(۱) ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات سعد: ۵۸' سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۲۹۷' تاریخ مدینہ دمشق: ۳/ ۲۰۹' البدایہ و

حقیقت تو یہ ہے کہ کون سا ایسا شیعہ ہے جو ان کلمات پر اعتراض کرے حالانکہ غیر شیعہ اور وہ افراد جن کا ولایت و معرفت اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کوئی سروکار نہیں انھوں نے ان مطالب کو دوسری اور تیسری صدی میں نقل کیا ہے۔

کتاب کامل الزیارات [ایک شیعہ کتاب ہے] میں تحریر ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا:

لان اقتل بینی و بین الحرم باع أحب الی من أن أقتل و بینی و بینه شبرٌ ولأن أقتل بالطّف أحبّ الی من أن اقتل بالحرم (کامل الزیارات: ۱۵۱، حدیث ۱۸۲ بحارالانوار: ۴۵/۸۵، حدیث ۱۶)

"میرے اور حرم کے درمیان ہاتھ بھر کا فاصلہ پر قتل ہونا مجھے زیادہ پسند ہے بجائے اس کے میرے اور حرم کے درمیان بالشت کا فاصلہ ہو اور مجھے زیادہ عزیز ہے کہ حرم کی بجائے صحرا میں قتل ہو جاؤں۔"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے مکہ مکرمہ سے روانگی کے بعد بھی اس سلسلے میں گفتگو فرمائی، جب راستے میں ایک شخص کی آپؑ سے ملاقات ہوئی اور اس نے آپؑ کو سفر کرنے سے منع کیا۔ سید الشہداء علیہ السلام نے اس کے جواب میں اس طرح فرمایا:

لا یخفی علیّ شیٔ ممّا ذکرت ولکنی صابر و محتسبٌ الی ان یقضی اللّٰه امرًا کان مفعولاً

"جس چیز کا تُو نے ذکر کیا ہے وہ مجھ پر مخفی نہیں ہے لیکن میں صبر کروں گا اور اس بات کو خداوند عالم کے سپرد کروں گا کہ وہ وقوع پذیر ہونے والے امر کے سلسلے میں فیصلہ کرے" (الفصول المہمہ: ۲/۸۰۸ (سید الشہداء علیہ السلام کا عراق کی طرف سفر کے باب میں)۔

نامہ نگاروں کی سازش

سید الشہداء علیہ السلام جن دو مطالب کو ہمیشہ بیان کرتے تھے ایک کر

فرماتے تھے: جن لوگوں نے مجھے خط لکھے ہیں وہی مجھے قتل کریں گے۔ مولاؑ نے ایک بار فرمایا:

ما کتب الیّ من کتب الا مکیدۃً و تقربا الی ابن معاویۃ

"مجھے فقط دھوکہ وفریب دینے کے لیے خط لکھے گئے تاکہ میں فرزند معاویہ کے نزدیک آ جاؤں" (انساب الاشراف:۳/۱۸۵)۔

جب مولاؑ سے یہ سوال کیا گیا کہ آپؑ اپنے ہم راہ اہل وعیال کو کیوں لے کر جا رہے ہیں؟ آپؑ نے جواب فرمایا:

ما أری الا الخروج بالاهل والولد

"میرے سامنے اہل وعیال کے ساتھ خروج کے علاوہ کوئی دوسرا راستا نہیں ہے" (الاخبار الطوال:۲۴۴)۔

ایک دوسرے مقام پر سید الشہداؑ نے تاکید کے ساتھ فرمایا:

اعلم علمًا ان هناك مصرعی و مصارع أصحابی لا ینجو منهم الاّ ولدی علی (دلائل الامامۃ:۱۸۲؛ بحار الانوار:۴۴/۳۶۴؛ نوادر المعجزات:۱۰۷؛ اللھوف:۳۹)۔

"میں قطعی طور پر جانتا ہوں کہ بے شک وہ میری اور میرے اصحاب کی قتل گاہ ہے اور میرے فرزند علیؑ کے علاوہ کوئی باقی نہیں رہے گا۔"

جی ہاں! حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ یہ جانتے تھے کہ حضرت امام سجادؑ کے علاوہ کوئی باقی نہیں بچے گا' پھر کیوں اپنے اس علم کے باوجود مولاؑ بچوں اور عورتوں کو اپنے ساتھ لے گئے؟

مولاؑ نے اس سوال کا جواب یوں دیا:

ان الله قد شاء ان یراهن سبایا (اثبات الوصیۃ:۱۲۶؛ اللھوف:۶۳؛ بحار الانوار:۴۴/۳۶۴)

"خداوند عالم کی مشیت یہ ہے کہ وہ انھیں اسیری کی حالت میں دیکھے۔"

راستے میں معروف شاعر فرزدق" کی مولاؑ سے ملاقات ہوتی ہے اور وہ سلام و آداب کے بعد مولاؑ کی خدمت میں عرض کرتا ہے: کوفہ کے حالات مناسب نہیں ہیں۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

صدقت؛ للہ الامر یفعل ما یشاء و کلّ یوم ربنا فی شأن

"تُو نے سچ کہا ہے۔ تمام اُمور کی باگ ڈور خداوند عالم کے ہاتھ میں ہے وہ جو چاہتا ہے انجام دیتا ہے اور ہمارے پروردگار کی ہر روز ایک مشیت ہوتی ہے" (تاریخ طبری:۴/۲۹۰؛ الکامل فی التاریخ:۴/۴۰؛ البدایہ والنہایہ:۸/۱۸۰)۔

جی ہاں! حضرت امام حسین علیہ السلام جانتے تھے اور اس وجہ سے انھوں نے فرزدق سے فرمایا تھا۔

اور ایک دوسرے شخص سے اس طرح فرمایا:

انی رایت رؤیا و رایت فیھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و أمرنی بأمر......

"میں نے عالم رؤیا میں رسولؐ خدا کو دیکھا ہے۔ جنھوں نے مجھے ایک حکم دیا ہے......"

حضرت امام حسین علیہ السلام نے دوران راستا ایک خط قیس بن مسہر کے ذریعے اہل کوفہ کی طرف روانہ کیا۔ اس وقت شہر کوفہ کے تمام حصے اور اس تک پہنچنے والے تمام راستے حکومتی سپاہیوں کی شدید نگرانی میں تھے۔

کوئی شخص شہر میں اپنی شناخت کروائے بغیر داخل یا خارج نہیں ہو سکتا تھا۔ ان حالات میں قیس بن مسہر شام کے سرکردہ اور معاویہ و یزید کے بہت بڑے طرف دار حصین بن نُمیر کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے لیکن تفتیش کے دوران جب انھوں نے ان سے وہ خط لینے کی کوشش کی تو قیس نے اسے پارہ پارہ کر دیا۔ انھوں نے پوچھا کہ تم نے خط کو پارہ کیوں کیا ہے؟

انھوں نے جواب دیا: میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ اس خط کے مضمون اور یہ کہ یہ خط کس کو

لکھا گیا ہے' مطلع ہو جاؤ......

آپ کو ابن زیاد کے پاس بھیجا گیا۔ ابن زیاد نے انھیں حکم دیا کہ منبر پر اور لوگوں کے سامنے امیر المومنین علیہ السلام اور سید الشہداء علیہ السلام پر (نعوذ باللہ) لعن طعن کرے۔

انھوں نے قبول کر لیا اور جب منبر پر گئے تو اس طرح کہنے لگے: اے لوگو! بے شک حسینؑ بن علیؑ فرزند زہراؑ ہیں اور وہ سب لوگوں سے افضل و بہتر ہیں اور میں ان کا ایک قاصد ہوں...... انھوں نے اپنی گفتگو کے دوران زیاد اور عبیداللہ بن زیاد پر لعنت کی اور امیر المومنین علیہ السلام پر درود و سلام بھیجا۔ چناں چہ انھیں دارالامارہ لے جایا گیا اور دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرا کر شہید کر دیا گیا (الارشاد: ۲/۱۷' تاریخ طبری: ۴/۲۹۷)۔

اور واضح سی بات ہے کہ قیس بن مسہر کی داستان' واقعہ عاشورہ کے مسلم واقعات میں سے ہے۔

راہ کوفہ اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی پیش گوئی

راستا کے دوران سید الشہداء علیہ السلام ایک ایسی منزل پر پہنچے کہ جہاں ایک شخص کے ساتھ کوفہ کی طرف روانگی سے متعلق گفتگو ہوئی۔ اس شخص نے کوفہ کی طرف جانے کے سلسلے میں اپنی رائے کا اظہار کیا اور مولاؑ کو اس سفر سے منع کیا۔

مولاؑ فرماتے ہیں: اے بندۂ خدا! صحیح کام مجھ پر مخفی نہیں ہے اور امر الٰہی تبدیل نہیں ہوتا ہے۔ اس وقت آپؑ نے اپنے قلب مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

و اللہ لا یدعونی حتی یستخرجوا ھذا العلقۃ – و آشار الی قلبہ الشریف – من جوفی فاذا فعلوا سلّط علیھم من یذلّھم

''خدا کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مجھے نہیں چھوڑیں گے جب تک میرا دل باہر نہ نکال لیں اور جب یہ اس جرم کا ارتکاب کریں گے تو خداوند عالم اس کی سزا کے طور پر ان پر ایسا شخص مسلط کرے گا جو انھیں ذلیل و رسوا کرے گا......'' (الارشاد: ۲/۷۶' الکامل فی التاریخ: ۴/۳۹ اور دوسرے مآخذ)۔

ابن قولویہ رحمہ نے کتاب کامل الزیارات میں اس طرح روایت نقل کی ہے کہ جب سیدالشہداءؑ "عقبہ البطن" نامی مقام پر پہنچے تو اپنے اصحاب سے فرمایا:

ما أرانی الا مقتولا

میں اپنے کو مقتول دیکھ رہا ہوں۔

قالوا و ماذاك يا اعبدالله؟

اصحاب نے کہا: اے ابا عبداللہؑ! کیا بات ہے؟

قال رؤیا رأیتھا فی المنام

فرمایا: یہ خواب ہے، جسے میں نے عالم رؤیا میں دیکھا ہے۔

قالو و ماهی؟

انھوں نے پوچھا: وہ خواب کیا ہے؟

قال رأیت کلابھا تنھشنی اشدھا علی کلب ابقع

"میں نے کتے دیکھے ہیں جو مجھ پر حملہ آور ہیں" (کامل الزیارات: ۱۵۷)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے راستہ کے دوران کئی بار واقعہ کربلا کی خبر دی اور جب میدانِ کربلا کے نزدیک پہنچے تو درج ذیل اشعار پڑھے:

سأمضی وما بالموتِ عارٌ علی الفتی
اذا مانوی خیرًا و جاھد مسلما
و واسی رجالًا صالحین بنفسه
و خالف مثبورًا و فارق مجرما
فان عشت لم اندم و ان متُّ لم اُلم
کفی بك ذُلًا أن تعیش و ترغما

"میں آگے بڑھ رہا ہوں اور اس نوجوان کو موت پر کوئی ننگ و عار نہیں کیوں کہ جب اس کی نیت اچھی اور اسلام کی حالت میں جہاد کر رہا ہے"

صالح مرد اپنے نفس و جان کے ذریعے مواسات کرتے ہیں اور ثابت قدم رہ کر مقابلہ کرتے ہوئے مجرم کا قلع قمع کرتے ہیں۔ پس اگر میں زندہ رہوں تو مجھے کوئی ندامت نہیں اور اگر میں مارا جاؤں تو مجھ پر کوئی ملامت نہیں۔ تیری ذلت کے لیے اتنا کافی ہے کہ تو ذلیل و مجبور ہو کر زندگی بسر کرے" (الارشاد: ۲/ ۸۱' الکامل فی التاریخ: ۳/ ۴۹' تاریخ یعقوبی: ۳/ ۳۰۵' البدایہ و النہایہ: ۸/ ۱۸۷' تاریخ طبری: ۴/ ۳۰۵)۔

علامہ مجلسی کہتے ہیں: جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا پہنچے تو آپؑ نے پوچھا:

أهذا كربلاء؟

"کیا یہ کربلا ہے۔"

فقالوا نعم يا ابن رسول الله

لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! اے فرزند رسولؐ!

فقال هذا موضع كرب و بلاء هاهنا مناخ و كابنا و محط و حالنا و مقتل رجالنا و مسفك دمائنا (مقتل الحسینؑ (خوارزمی): ۱/ ۲۳۷' بحارالانوار: ۴۴/ ۳۸۳)

"آپؑ نے فرمایا: یہ سختی و مصیبت کی جگہ ہے۔ یہاں ہماری سواریاں پڑاؤ ڈالیں گی اور یہ ہماری منزل گاہ اور ہمارے مردوں کی قتل گاہ اور ان کے خون بہنے کی جگہ ہے۔"

شہر کوفہ کی ساخت و بناوٹ پر ایک نظر

کوفہ اور اس کے لوگوں کی تاریخ کے متعلق کی گئی تحقیق کے مطابق یہ نتیجہ حاصل ہوا ہے کہ شہر کوفہ ایک حساس علاقہ تھا۔ یہ شہر اور تمام عراق حضرت عمر کے زمانے میں سعد بن ابی وقاص کے ذریعے فتح ہوا' اور کوفہ اقتصادی اور فوجی لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل تھا۔ عراق کے مختلف علاقوں حجاز و یمن سے لوگ ہجرت کر کے یہاں مقیم ہوئے تھے۔

کوفہ میں مختلف قبائل کے لوگ زندگی بسر کرتے تھے لیکن مذہبی لحاظ سے وہاں تشیع کا باقاعدہ آغاز دوسری اور تیسری صدی سے ہوا۔ کوفہ کی موجودہ شیعیت اسی زمانہ سے ہے اور پہلی صدی میں جو شیعہ وہاں موجود تھے وہ آج کے شیعوں کی مانند نہیں تھے۔

شیعہ اور تشیع کی اصطلاح

توجہ طلب بات یہ ہے کہ لفظ شیعہ و تشیع کے لیے دو قسم کی اصطلاح موجود ہے:

① پہلی اصطلاح کے مطابق شیعہ وہ ہے جو اہل بیت علیہم السلام کا محب ہو اور اس کے ساتھ ساتھ شیخین کی خلافت کا بھی معتقد ہو۔ اس زمانے کے کچھ اہل کوفہ امیر المومنین علی علیہ السلام کو حضرت عثمان سے افضل سمجھتے تھے لیکن مولاؑ کی شیخین پر افضلیت کے قائل نہیں تھے۔

② دوسری اصطلاح کہ جس کے ہم سب قائل ہیں اور مشہور بھی یہی اصطلاح ہے کہ شیعہ وہ شخص ہے جو پیغمبرؐ اکرم کے بعد امیر المومنین علیہ السلام کی جانشینی اور رسولؐ خدا کے بعد اہل بیت علیہم السلام کی امامت پر اعتقاد رکھتا ہو۔ پہلی اصطلاح کے مطابق تشیع پہلی صدی میں رائج تھی۔ اس اصطلاح کا شاہد مسیب بن نجبہ ہے۔ جس نے سید الشہداء علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت بھی دی تھی' اس کے حالات زندگی میں تحریر کرتے ہیں کہ وہ شیعہ تھا۔ راوی کہتا ہے:

> جالست مسیب بن نجبة الفزاری فی هذا المسجد عشرین سنة و ناس من الشیعة کثیر' فما سمعت أحدًا منهم یتکلم فی أحدٍ من أصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله الاّ بخیر' وما کان الاّ فی علی علیه السلام و عثمان
>
> ''میں بیس سال مسیب اور بہت زیادہ شیعوں کے ساتھ اس مسجد میں ہم نشین رہا ہوں اور میں نے شیعیان کوفہ کو اصحاب رسولؐ خدا میں سے فقط علیؑ و عثمان کے بارے میں بات کرتے دیکھا'' (تاریخ دمشق:۵۸

سوانح حیات میثب بن بحر حدیث: ۴۴۰)۔

جی ہاں! اگر اس وقت کے شیعیانِ کوفہ صحابہ کے بارے میں گفتگو کرتے تھے تو وہ حضرت علی علیہ السلام کی حضرت عثمان کی نسبت حقانیت و فضیلت سے متعلق گفتگو ہوتی تھی اور وہ شیخین (حضرت ابوبکر و عمر) کی خلافت و جانشین پر کوئی اعتراض نہیں کرتے تھے۔

اسی نظریہ کی بنا پر جب امیر المومنین علیہ السلام نے کوفہ میں حضرت عمر کی ایک بدعت' نماز تراویح کو روکنا چاہا تو شور مچ گیا اور "وا عمرا وا عمرا وا سنة عمراه" کے نعرے بلند ہونے شروع ہو گئے اور اس کے نتیجے میں امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کے زمانے میں جب کہ کوفہ کے لوگوں نے مولاؑ کی بیعت بھی کر لی تھی اس بدعت کو ترک کرنے پر تیار نہیں ہوئے (وسائل الشیعہ: ۸/ ۴۶، حدیث: ۱۰۰۶۳ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید: ۱۲/ ۲۸۳)۔

کیا یہ حقیقی شیعہ تھے؟ ہرگز ایسی بات نہیں ہے۔ یہ لوگ شیعہ نہیں تھے اور اگر انھیں شیعہ کہا جاتا ہے تو وہ اصطلاح اوّل کی بنا پر ہے۔ مولا امیر علیہ السلام کی جانب سے نماز تراویح کے منع کرنے کی داستان کتاب الکافی میں بھی ذکر ہوئی ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

و الله لقد امرت الناس أن لا یجتمعوا فی شهر رمضان الافی فریضة و أعلمتهم أنّ اجتماعهم فی النوافل بدعة' فتنادی بعض أهل عسکری ممّن یقاتل معي: یا أهل الاسلام! غیرت سنّة عمر......

''خدا کی قسم! جب میں نے ماہِ رمضان میں لوگوں کو یہ حکم دیا کہ نماز جماعت فقط واجب نمازوں میں ممکن ہے اور نمازِ مستحب کو نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھا جا سکتا اور یہ بدعت ہے تو میرے کچھ سپاہیوں نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ اے اہل اسلام! تم پر وائے ہو سنت عمر کو تبدیل کیا جا رہا ہے......'' (الکافی: ۸/ ۶۲-۶۳، حدیث: ۲۱)۔

اس بنا پر معلوم ہوا کہ کوفہ میں اس وقت کے شیعہ محب اہل بیت علیہم السلام تھے لیکن

اس کے باوجود شیخین کی خلافت پر اعتقاد رکھتے تھے اور ان میں سے کچھ تو بنوامیہ سے دشمنی بھی رکھتے تھے لیکن انھیں حقیقی شیعہ نہیں کہا جاسکتا ہے۔ سچ تو یہ کہ کوفہ میں حقیقی شیعوں کی بہت کم تعداد تھی۔

حبیبؓ ابن مظاہر، مسلمؓ بن عوسجہ اور اصبغ بن نباتہ جیسے بہت کم لوگ تھے جو سچے شیعہ تھے اور انھی شیعوں میں سے ایک گروہ کو معاویہ اور ابن زیاد نے شہید کروا دیا تھا۔ ہم نے اس سے پہلے واقعہ کربلا سے قبل شہید ہونے والے افراد کے نام ذکر کیے ہیں۔ دوسری طرف اسی تھوڑی سی تعداد کے مقابلے میں بنوامیہ کے ساتھی اور پیروکار کوفہ میں بہت زیادہ تھے۔ ان میں سے بہت سے افراد کے ناموں کا ذکر ہو چکا ہے جنھوں نے حجر بن عدی کے قتل پر دستخط کیے تھے۔ ان افراد میں سے درج ذیل ایسے افراد ہیں جو کوفہ کے ممتاز لوگ شمار ہوتے تھے:

حُصین بن نُمیر، محمد بن اشعث بن قیس، کثیر بن شہاب، خالد بن عرفطہ، ابو بردہ فرزند ابو موسیٰ اشعری، سمرہ بن جندب، یزید بن حارث، حجار بن ابجر اور شمر بن ذی الجوشن۔

اور ایک طرف مسلم بن سعید حضرمی، مسلم بن عمرو باہلی اور عمارہ بن عقبہ وغیرہ کوفہ میں یزید کے لیے جاسوسی کا کام کرتے تھے (الاخبار الطوال: ۲۳۱، سیرہ اعلام النبلاء: ۳/۲۰۱، تاریخ طبری: ۴/۲۶۳-۲۶۵)۔

مسلم بن عمرو باہلی وہ شخص ہے جو حضرت مسلم علیہ السلام کو کہتا ہے:

> أنا من عرف الحق اذا أنكرته و نصح لامامه اذ غششته، و
> سمع و أطاع اذ عصيته و خالفته
>
> ''میں وہ شخص ہوں جو حق کو جانتا ہوں حالانکہ تُو نے اس کا انکار کیا ہے اور میں نے جس امام کی پیروی کی ہے تُو نے اس کی مخالفت کی ہے......'' (الارشاد: ۲/۶۰، تاریخ طبری: ۴/۲۸۱، الکامل فی التاریخ: ۴/۳۳، البدایہ و النہایہ: ۸/۱۷۲)۔

ابن عساکر تاریخ مدینہ دمشق میں اس کے حالات زندگی کی تشریح کے سلسلے میں یوں رقم طراز ہے:

كان عظيم القدر عند يزيد

''یزید کے نزدیک اس کا مقام بہت بلند و برتر تھا''[1]

ایسا شخص شہر کوفہ میں مقیم ہے اور بزرگ شخصیات میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ پس کوفہ میں شیعہ اسی پہلی اصطلاح و معنی کی بنا پر ہے نہ کہ خاص و حقیقی شیعہ۔ جو کچھ کوفہ میں باقی ماندہ حقیقی شیعوں پر گزری ہم اس کو بیان کریں گے۔

خوارج

خوارج ایک بڑا فرق تھا جو شہر کوفہ میں مقیم تھا۔

اشعث بن قیس، اشعث بن ربعی، عمرو بن حریث اور دیگر افراد اس گروہ کے سرکردہ لوگ تھے۔ خوارج کا ایک سرکردہ شخص اشعث ہے جو حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی بیوی جُعدہ کہ جس نے مولاؑ کو شہید کیا تھا، کا باپ ہے۔ اشعث نے امیر المومنین علیہ السلام کے بارے میں بہت جسارتیں کی ہیں۔ کتاب ''تنقیح المقال'' میں اس کے حالاتِ زندگی میں اس کا ذکر موجود ہے (تنقیح المقال:۱/۱۴۹)۔

عمرو بن حریث، وہ شخص ہے جو حضرت میثم تمارؓ کے قتل میں ملوث ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان افراد میں سے اکثر اصحابِ رسولؐ خدا شمار ہوتے ہیں۔

شبث بن ربعی، حجار بن ابجر، قیس بن اشعث اور یزید بن الحارث کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے سید الشہداء علیہ السلام کو دعوت نامہ ارسال کیا تھا اور مولاؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی لیکن اس کے باوجود یہ لوگ عمر سعد کی فوج کے سربراہ تھے۔ سید الشہداء علیہ السلام نے روزِ عاشورہ انھیں خطاب کر کے فرمایا:

ألم تكتبوا الیّ؟ (الارشاد:۲/۹۸، تاریخ طبری:۳/۳۲۳، البدایہ والنہایہ:۸/۱۹۳)

''کیا تم لوگوں نے مجھے خطوط نہیں لکھے تھے؟''

ایک نقل کی بنا پر شبث بن ربعی کو حکم دیا گیا کہ مولاؑ کے سرِ اقدس کو ان کے تن سے جدا

---

[1] ۱۱۴، سوانح حیات مسلم بن عمرو بن حصین باہلی حدیث:۲/۳۲۶، المعارف:۴۰۶۔

کیا جائے تو اس نے جواب میں کہا:

انا بایعته ثم غدرت به......

"میں نے اُن کی بیعت کی اور اب اس سے خیانت کر رہا ہوں اور اب تم مجھے حکم دے رہے ہو کہ میں ان کا سر تن سے جدا کروں؟ میں یہ کام نہیں کروں گا......" (الدر النظم:۵۵۱)

عمرو بن حجاج زبیدی' ہانی بن عروہ کی زوجہ کا باپ تھا۔ وہ عمر سعد کی فوج کا سردار تھا جس نے کربلا میں شط فرات کا محاصرہ کیا اور سید الشہداء علیہ السلام کے خیموں تک پانی نہیں جانے دیا (تاریخ طبری:۴/۳۱۲)۔

عمر بن سعد نے عروہ بن قیس کو حاضر کیا اور حکم دیا کہ نمائندہ کے عنوان سے پیغام لے کر حضرت امام حسین علیہ السلام تک پہنچائے۔ اس نے جواب دیا: میں نے خط لکھ دیا اور دستخط کر دیے ہیں اور اس حالت میں ان کے رُوبرو ہونے کی طاقت نہیں ہے (ایضا:۴/۳۱۰' الارشاد:۲/۸۴)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے والے گروہ

گذشتہ گفتگو کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کو دعوت نامہ لکھنے والے گروہ تین قسم کے ہیں:

① خالص شیعہ جو اقلیت میں تھے۔

② خارجی جو کوفہ میں زندگی بسر کرتے تھے۔

③ بنواُمیہ کے کارندے اور پیروکار۔

ایک طرف کچھ وہ افراد ہیں جن کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ خطوط کو سید الشہداء علیہ السلام کی خدمت اقدس میں پیش کریں یا بالمشافہ طور پر مولاؑ کو دعوت دیں۔ جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان کے اسما درج ذیل ہیں:

عبداللہ بن مسمع الہمدانی' عبداللہ بن وال تیمی' قیس بن مسہر صیداوی' عمارہ بن عبداللہ سلولی' ہانی بن ہانی سبیعی' سعید بن عبداللہ حنفی اور عبدالرحمان بن عبداللہ ارحبی۔

سعید بن عبداللہ حنفیؓ نے عابس شاکری اور حبیبؓ ابن مظاہر کے ہم راہ حضرت مختار ثقفیؓ کے گھر پر حضرت مسلم علیہ السلام کی بیعت کی اور یہ تینوں افراد کربلا کے میدان میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے ہم راہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے ہیں (تاریخ طبری:۳/۲۱۸، الفتوح:۵/۱۰۹، البدایہ والنہایہ:۸/۱۹۱)۔

عبدالرحمان بھی شہدائے کربلا میں سے ہیں (ابصار العین فی انصار الحسینؑ:۸۷)۔

گذشتہ گفتگو میں اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ قیس بن مسہرؓ حضرت امام حسین علیہ السلام کا خط لے کر اہل کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور گرفتار ہوئے تھے جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ پھر وہ شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے تھے۔ عبداللہ بن وال وہ شخص ہے جس نے سیدالشہدا علیہ السلام کی زیارت کی اور ان کے پاس خطوط لے کر گیا۔ وہ واقعہ کربلا کے بعد سلیمان بن صرد کے ساتھ شہید ہوا (الکامل فی التاریخ:۳/۱۸۳)۔

سلیمان بن صرد کہ جس نے بزرگ شخصیات وافراد کو اپنے گھر دعوت دی اور ان پر حجت تمام کی تھی کہ اگر تم حضرت امام حسین علیہ السلام کی نصرت و مدد کی طاقت رکھتے ہو اور ان کی مدد کرنا چاہتے ہو تو انھیں دعوت دو۔ اس کا کردار قابل توجہ ہے کہ ایک قول کی بنا پر یہ عمر بن سعد کے لشکر میں تھا اور سیدالشہدا علیہ السلام کی ہم راہی اختیار نہیں کی۔ حبیبؓ بن مظاہر بھی ان افراد میں سے ہیں جنھوں نے خطوط پر دستخط کیے تھے اور وہ سلیمان بن صرد کے ساتھیوں میں سے تھے۔

حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے واقعہ میں ان کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں لیکن کچھ مدت کے بعد وہ کربلا داخل ہوتے ہیں اور لشکر حضرت امام حسینؑ میں درجہ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ کچھ شخصیات اور افراد جنھوں نے سیدالشہدا علیہ السلام کو دعوت دی اور ان کی یہ خواہش تھی کہ وہ مولاؑ کی خدمت اقدس میں رہیں لیکن وہ لوگ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے قیام یا واقعہ کربلا میں نظر نہیں آتے۔

مسلمؓ بن عوسجہؓ حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کے لیے اسلحہ اور رقم جمع کرنے پر مامور تھے۔ ایک دفعہ اچانک غائب ہو جاتے ہیں؟ حضرت مسلم علیہ السلام کیوں تنہا رہ جاتے ہیں؟ اور دوسری

طرف دیکھا جائے تو حبیبؓ بن مظاہر اور مسلمؓ بن عوسجہ جیسے مخلص شیعہ کچھ وقت کے بعد چھے یا سات محرم کو بڑی زحمت و مشقت کے ساتھ اپنے آپ کو کربلا پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو خطوط لکھ کر دعوت دی تھی وہ عمر سعد کے فوجی لشکر کے سردار اور کمانڈر نظر آتے ہیں۔

کوفہ میں ابن زیاد کے منصوبے

اب ہم اس اہم مطلب اور بیان کردہ سوالوں کا جواب دریافت کرنے کے لیے ایک بار پھر کوفہ کی اس حالت کا جائزہ لیتے ہیں جب نیا گورنر یعنی ابن زیاد وہاں داخل ہوا۔

دھمکی

معاویہ کی جانب سے ابن زیاد کو جو حکم ملا اور جس کا ابلاغ یزید کے توسط سے ہوا تھا تو ابن زیاد شہر کوفہ میں داخل ہوا اور اس نے کوفہ میں بہت سے احکام جاری کیے اور بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ اس نے مسجد میں اپنے پہلے خطبے میں لوگوں سے خطاب کے دوران کہا:

أمّا بعد فان امیرالمؤمنین و لانی مصرکم، و ثغرکم وفیئکم، أمرنی بانصاف مظلومکم و اعطاء محرومر و الاحسان الی سامعکم و مطیعکم و باشدّة علی مربیکم فأنا لمطیعکم کالو الدالبرّ، و سیفی و سوطی علی من ترک أمری و خالف عهدی، فلیبق امرؤنفسه......

"یزید نے تمھارے شہر کی سرپرستی میرے سپرد کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں مظلوموں کے ساتھ انصاف کروں اور محروم افراد کو بخشش و عطا کروں اور جو لوگ میری اطاعت و فرماں برداری کریں میں ان کے ساتھ ایک اچھے باپ کی مانند مہربان رہوں مگر وہ افراد جو مخالفت و نافرمانی کریں اور عہد و پیمان کو پامال کریں تو میں تازیانہ و تلوار کے ساتھ ان کا جواب دوں

گا......" (مقاتل الطالبین: ۶۳، الکامل فی التاریخ: ۲۳/۴، تاریخ طبری: ۲۶۷/۴)۔

اس تقریر میں جہاں حمایت کرنے والوں کو وعدہ دیا گیا ہے وہاں مخالفین کو دھمکی بھی دی گئی ہے۔ اس نے سب سے پہلا جو اقدام کیا وہ لوگوں کو دھمکی دی اور یہ حکم دیا کہ تمام قبائل' شہر کوفہ کی شخصیات و نام ور افراد کا تعارف کروائیں اور مرحلہ وار اس کے سامنے پیش کریں اور تعارف و پہچان کے بعد ان سے یہ عہد لیا جائے کہ وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ اس نے ان افراد کے بارے میں جو اس کے پاس حاضر نہیں ہوئے تھے' اس طرح کہا:

فمن لم یفعل برئت منه ذمّة و حلال لنا و دمه و ماله

"اگر کوئی شخص یہاں آ کر اور اپنی وفاداری کو ثابت نہ کرے تو ہمارے لیے اس کا خون اور اس کا مال و دولت حلال شمار کیا جائے گا۔"

"کسی قبیلے کی کسی شخصیت نے اگر اطاعت نہ کی تو اس قبیلے میں اسی کو قتل کر دیا جائے گا اور اس کے گھر پر ہی اسے سولی پر لٹکایا جائے گا" (الارشاد: ۴۵/۲، الکامل فی التاریخ: ۲۵/۴، تاریخ طبری: ۲۶۷/۴)۔

افواہیں پھیلانا

ابن زیاد نے دوسرے اپنے اقدام میں یہ حکم دیا کہ کچھ افراد شہر کوفہ کے اندر پروپیگنڈہ کریں اور لوگوں کو یزید کے لشکر اور ان افراد سے خوف زدہ کریں جنھیں شام سے بھیجا گیا ہے اور لوگوں کو حضرت مسلم علیہ السلام سے دور کریں۔ اس کام کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسلمؑ بن عقیل "، حضرت مختارؓ کے گھر سے ہانیؒ بن عروہ کے گھر منتقل ہو گئے (الارشاد: ۵۲/۲-۵۳، الکامل فی التاریخ: ۳۱/۴، تاریخ طبری: ۲۷۶/۴)۔

شہاب بن کثیر حارثی کا تعلق بھی ان پروپیگنڈہ کرنے والوں میں سے تھا اور یہ حجر بن عدی کی گرفتاری میں ملوث تھا اور معاویہ کے زمانے میں شہر "ری" پر گورنر بھی رہ چکا تھا (الارشاد: ۵۲/۲-۵۳، الکامل فی التاریخ: ۳۱/۴، تاریخ طبری: ۲۷۶/۴)۔

پروپیگنڈہ لوگوں میں اس قدر موثر ثابت ہوا کہ مورخین لکھتے ہیں: لوگ ایک

دوسرے کو ڈراتے تھے اور ایک دوسرے کو وحشت زدہ حالت میں شام کی فوج کے بارے میں خبر دیتے تھے (الارشاد:۲/ ۵۴؛ بحارالانوار:۴۴/ ۳۵۰؛ تاریخ طبری:۴/ ۲۷۷)۔

قبائل کے سرداروں کو منصوب اور معزول کرنا

کوفہ کے لوگوں کی اکثریت' قبائلی شکل میں تھی لہٰذا حضرت مسلم علیہ السلام نے ہر قبیلے کے لیے ایک سردار منتخب کیا۔ ابن زیاد نے دوسرے اقدام میں ان سرداروں کو معزول کر دیا اور اپنے آلہ کاروں کو قبیلوں کا سردار بنا دیا اور ہر قبیلے اور حکومتی کارندوں کے درمیان ایک رابطہ قرار دیا گیا۔

گذشتہ زمانوں میں بھی شہروں اور محلوں کے لیے معروف افراد کو مشخص کیا جاتا تھا تاکہ وہ لوگوں کی مشکلات کو حل اور عوام کی ضروریات کو پورا کریں یا اگر حکومت کی طرف سے تحائف وغیرہ لوگوں کے درمیان تقسیم ہوتے تو انھی افراد کے ذریعے یہ کام انجام دیا جاتا اور مال لوگوں تک پہنچتا تھا۔ قبیلے کے افراد اسی شخص کے زیر نظر ہوتے تھے جسے "عَرِیف یا عُرِیف" کہا جاتا اور اس کی جمع "العرفاء" ہے۔ یہ کلمہ روایات میں بھی ذکر ہوا ہے۔ ہم روایت میں پڑھتے ہیں:

حملة القرآن عرفاء أهل الجنة[1]

کلمہ "عرفا" کی رؤسا کے معنی کے ساتھ تفسیر بیان ہوئی ہے۔ اس بنا پر روایت کا معنی یہ ہوگا کہ اہل قرآن بہشت کی قابل احترام شخصیات ہیں۔ ابن زیاد نے رؤسا کی شناخت کی اور ضروری ہدایات ان تک پہنچائیں اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے قبیلے کے ہر ہر فرد کے ذمہ دار ہیں:

اوّل: عمرو بن حریث کو ان تمام قبائل کا سردار بنا دیا جو حجاز و مدینہ منورہ سے ہجرت کر کے کوفہ میں مقیم ہو چکے تھے اور اسے عباس بن جُعدہ جدلی کہ جسے حضرت مسلم علیہ السلام نے اس منصب پر فائز کیا تھا' کی جگہ مقرر کر دیا اور عباس بن جُعدہ کو معزول کر دیا۔

دوّم: ابوثمامہ صائدی جو تمیم و ہمدان جیسے قبائل کا سردار تھا' کو معزول کر کے ان کی جگہ

---

(۱) الکافی:۲/ ۶۰۶؛ سنن دارمی:۲/ ۴۷۰؛ مجمع الزوائد:۷/ ۱۶۱؛ الجامع الصغیر:۱/ ۵۸۰، حدیث:۳۷۵۹؛ کنزالعمال:۱/ ۵۱۳، حدیث:۲۲۸۹؛ تاریخ مدینہ دمشق:۶۹/ ۲۰۵۔

خالد بن عرفطہ کو مقرر کر دیا۔

سوم: ربیعہ، بکر اور کندہ قبائل کے سردار عبیداللہ بن عمر بن عزیز کندی کو معزول اور قیس بن ولید عبدالشمس کو منصوب کر دیا۔

چہارم: معروف قبائل بنی اسد، مذحج اور دوسرے قبائل کی سرکردہ شخصیت حضرت مسلمؓ بن عوسجہ کو برطرف کر کے ان کی جگہ ابو بردہ فرزند ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کر دیا۔ ابو بردہ وہ شخص تھا جس نے حجر بن عدیؓ کے قتل کی سند پر دستخط کیے تھے۔

جاسوسوں کی روانگی

ابن زیادہ نے ایک دوسرے پروگرام کے مطابق لوگوں میں اپنے ایسے جاسوس پھیلا دیے جو مسجد اور مسجد سے باہر مکمل طور پر لوگوں سے رابطہ برقرار رکھتے تھے اور ابن زیاد کو خبریں لا کر دیتے تھے۔ جس وقت حضرت مسلم علیہ السلام مخفی طور پر حضرت مختارؓ کے گھر سے ہانیؓ بن عروہ کے گھر منتقل ہوئے تو طے تھا کہ کسی شخص کو اس بارے میں معلوم نہ ہو۔ ابن زیاد کے غلام معقل کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ وہ تین ہزار درہم کے عوض حضرت مسلمؓ بن عوسجہ کی جاسوسی کا کام انجام دے جو حضرت مسلمؑ بن عقیل علیہ السلام کے لیے رقم جمع کر رہے تھے۔

اس نے اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتے ہوئے اور حضرت مسلمؓ بن عوسجہ کو رقم دینے کے ذریعے ان کے اعتماد کو حاصل کرنے کی کوشش اور یہ دھوکہ دینا چاہا کہ وہ کسی طرح حضرت ہانیؓ کے گھر پر حضرت مسلم علیہ السلام کے ٹھکانے کا پتا لگائے۔ یہ واقعہ تمام تاریخی کتابوں میں ذکر ہوا ہے[1]

کڑی نگرانی

ایک اور اہم کام جو ابن زیاد نے انجام دیا وہ شہر کوفہ کا محاصرہ تھا۔ اس نے حکم دیا کہ شہر تک جانے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر کے ان کی کڑی نگرانی کی جائے۔ قیس بن مسہر

(۱) رجوع کریں: الارشاد: ۲/ ۴۵؛ تاریخ طبری: ۴/ ۲۷۰؛ تہذیب الکمال: ۴/ ۴۲۴؛ الاخبار الطوال: ۲۳۵؛ سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۲۰۷؛ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۶۳؛ الکامل فی التاریخ: ۳/ ۲۵؛ الاصابہ: ۳/ ۲۰۷؛ تہذیب التہذیب: ۳/ ۳۰۲ اور دوسرے مآخذ۔

والے واقعہ میں شہر میں داخل وخارج ہونے والے راستوں کی شدید نگرانی اوراس کی گرفتاری کی وضاحت ہو چکی ہے۔

یزید نے پہلے دن سے ہی ابن زیاد کو حکم دیا:

و خذ علی التهمة (تاریخ طبری:۴/۲۸۶' البدایہ والنہایہ:۸/۱۶۹' تاریخ مدینہ دمشق:۱۸/۳۰۷' الکامل فی التاریخ:۴/۳۶)

''ہر مشکوک شخص کو فقط شک کی بنا پر گرفتار کرلو۔''

یہ نگرانی اس قدر سخت تھی کہ جب راستا میں کچھ اہل کوفہ کی سیدالشہداؑ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے کوفہ کے حالات بیان کرتے ہوئے مولاؑ کو بتایا:

و الله ما ندری غیر أنّا لا نستطیع أن نلج و لانخرج

''خدا کی قسم! اس قدر کڑی نگرانی ہے کہ نہ تو ہم شہر کوفہ کے اندر رہ سکتے ہیں اور نہ ہی شہر سے باہر نکل سکتے ہیں'' (تاریخ طبری:۴/۲۹۵' الارشاد:۲/۷۲)۔

ابن زیاد نے حُصین بن نُمیر کو شہر کوفہ کی پولیس کا سربراہ بنا دیا (بعض کتابوں میں ذکر ہوا ہے کہ سمرہ بن جندب کو اس منصب پر فائز کیا گیا۔ یہ وہی سمرہ ہے جس نے پہلے ہی دن سے اہل بیت علیہم السلام سے دشمنی رکھی ہے۔ بعض کے نزدیک کہ وہ اس تاریخ کو مر چکا تھا)۔

اور حکم دیا کہ کوفہ کے ہر گھر کی نگرانی کی جائے۔ ابن زیاد نے اسے حکم دیتے ہوئے کہا:

و قد سلطتك علی دور أهل كوفه

''میں نے تجھے اہل کوفہ کے گھروں پر مسلط کیا ہے'' (الارشاد:۲/۵۷' مقاتل الطالبین:۶۸' تاریخ طبری:۴/۲۷۹)۔

کڑی نگرانی کا ایک نمونہ عبداللہ بن یقطر کے واقعہ میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے:

عبداللہ بن یقطر کے بارے میں کہا جاتا ہے:

كان رضيع الحسين

''وہ حضرت امام حسینؑ کا رضاعی بھائی تھا''[1]

---

(۱) تاریخ طبری:۴/۳۵۹' الکامل فی التاریخ:۴/۹۳' ترجمہ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد:۷۷' المعجم الکبیر:۳/۱۰۳' حدیث ۲۸۰۳ اور دوسرے مآخذ۔

البتہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ روایات کے مطابق سید الشہداؑ نے کسی عورت کا دودھ نہیں پیا ہے۔ لہٰذا اس شخص کو "رضیع الحسین" کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عبداللہ کا باپ پیغمبرؐ اکرم کا خادم تھا اور اس کی ماں میمونہ امیرالمومنینؑ کے گھر کا کام کرتی تھی اور یہ سید الشہداؑ کی ولادت سے تین دن پہلے پیدا ہوا ہے۔

چوں کہ میمونہ امیرالمومنینؑ کے گھر کی خادمہ تھی اس لیے سید الشہداؑ کی ولادت کے بعد وہ مولاؑ کے ساتھ اپنے بیٹے کو بھی گود میں لیتی اور ایک ساتھ اپنے بیٹے اور سید الشہداؑ کی دیکھ بھال کیا کرتی تھی۔

چوں کہ سید الشہداؑ اس کے بیٹے کے ساتھ اس خاتون کی گود میں رہے ہیں لہٰذا مجازی طور پر اسے "رضیع الحسین علیہ السلام" کہا جاتا ہے۔ گویا یہ چیز عبداللہ بن یقطر کے لیے شرافت و مقام کا باعث بنی ہے۔

جب سید الشہداؑ نے عبداللہ بن یقطر کو کوفہ روانہ کیا تو چوں کہ اطراف کوفہ پر سخت پہرا تھا لہٰذا اسے بھی قیس بن مسہر کی طرح گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا گیا اور ابن زیاد کے حکم پر اسے دارالامارہ کی چھت سے نیچے دھکیل دیا گیا (مناقب آل ابی طالب: ۲۲۲/۳؛ بحارالانوار: ۳۴۳/۴۴)۔

عبداللہؓ دارالامارہ کی چھت سے نیچے گرے اور ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئیں لیکن بدن میں ابھی کچھ رمق تھی تو اس وقت [ایک ابن المال عبدالملک بن عمیر لخمی نے جو کوفہ کا قاضی تھا] پاس آ کر ان کا سر تن سے جدا کر دیا جب اس سے لوگوں نے سر قلم کرنے کی وجہ پوچھی تو اس نے جواب دیا:

أردت أن أریحه (الارشاد: ۷۱/۲؛ تاریخ طبری: ۳۰۰/۵؛ الکامل فی التاریخ: ۴۳/۴)

"میں نے چاہا کہ اس کو راحت و سکون دے دوں۔"

جی ہاں! ان کا علاج و معالجہ اور خدمت کرنے کی بجائے اس نے انھیں ذبح کر دیا۔

قتل و غارت

ابن زیاد کا ایک منصوبہ کوفہ میں حقیقی شیعہ اور محبانِ اہل بیت علیہم السلام کی عظیم شخصیات کا قتل تھا۔ اس نے اپنے باپ زیاد بن ابیہ کی مانند اس پروگرام کو عملی جامہ پہنایا۔

① میثم تمار

میثم تمارؓ وہ شخصیت ہیں جو ابن زیاد کے ناپاک ہاتھوں سے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضرت میثم تمارؓ کا واقعہ کہ امیر المومنین علیہ السلام نے انھیں ان کی شہادت کی کیفیت کے بارے میں خبر دی تھی۔ یہ واقعہ سننے کے قابل ہے۔

مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت حبیبؓ ابن مظاہر بھی حضرت میثم تمارؓ کی شہادت کی کیفیت کو جانتے تھے اور اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ رشید ہجری بھی ان دونوں افراد کے حالات سے مطلع تھے۔

کتاب رجال کشی میں اس طرح ذکر ہوا ہے:

ایک دن حبیبؓ بن مظاہر اور میثم تمارؓ کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے ایک دوسرے کو مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی خبر دی۔ حضرت میثمؓ نے حضرت حبیبؓ ابن مظاہر کو بتایا کہ آپؓ کو اس طرح شہید کریں گے۔

حضرت حبیبؓ نے بھی حضرت میثمؓ سے کہا: آپؓ کو اس طرح شہید کریں گے۔ جب دونوں افراد ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو رشید ہجری وہاں پہنچے اور لوگوں سے پوچھتے ہیں: یہاں دو افراد جو آپس میں گفتگو کر رہے تھے، کہاں چلے گئے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: یہ دو افراد عجیب و غریب قسم کی گفتگو کر رہے تھے۔

انھوں نے پوچھا: کیا کہہ رہے تھے؟ لوگوں نے جو کچھ سنا تھا اس سے رشید کو مطلع کیا۔ حضرت رشیدؓ نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہا: ان دو افراد نے واقعہ کے اس حصّے کو بیان نہیں کیا ہے جس کا امیر المومنین علیہ السلام نے ذکر فرمایا ہے اور میثمؓ اس حصّے کو فراموش کر چکے ہیں کہ کوفہ میں حضرت حبیبؓ کا سر لانے پر انعام کے طور پر اتنے درہم دیے جائیں گے (رجال کشی: ۱/ ۲۹۲-۲۹۳)۔

جی ہاں! ایسے افراد کوفہ میں موجود تھے لیکن ان کی تعداد انگلیوں کے برابر تھی۔ جن افراد نے امیرالمومنین علیہ السلام سے اس طرح کے اسرار و حقائق کو سنا تھا وہ ایک دوسرے کے سامنے انھیں بیان کرتے تھے اور ان کی بشارت دیتے تھے۔

جی ہاں! واقعاً یہ حقیقی شیعہ شہادت کے لیے تیار تھے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان چند گنے چنے افراد کی تعداد ہی کیا تھی جو زیاد بن ابیہ اور عبیداللہ بن زیاد کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے؟ ابن حجر عسقلانی حضرت میثم تمارؓ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت میثمؓ اپنی عمر کے آخری حصے میں مکہ سے مشرف ہو کر مدینے میں رسولؐ اکرم کی زوجہ محترمہ حضرت اُمّ سلمیٰؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ان کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی۔ جب حضرت میثمؓ کوفہ واپس لوٹے اور گرفتار ہو کر زندان پہنچے تو انھوں نے وہاں موجود حضرت مختار ثقفیؓ سے فرمایا:

انّک ستفلت و تخرج ثائرًا بدم الحسین فتقتل هذا الذی یرید أن یقتلک (الارشاد:۱/ ۳۲۳'الاصابہ:۶/ ۲۵۰)

"تُو بہت جلد آزاد ہو کر موت سے نجات پالے گا اور ان سے خونِ حسینؑ کا انتقام لے گا جو تیری جان کے دشمن ہیں۔"

یہی بات سچ ثابت ہوئی اور حضرت میثم تمارؓ شہید ہو گئے اور حضرت مختارؓ واقعہ کربلا کے بعد تک زندان میں تھے۔

② عبیداللہ بن عمرو بن کندی

مذکورہ بحث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں بعض شخصیات زندان میں تھیں۔ ان افراد میں سے ایک عبیداللہ بن عمرو بن عزیز کندی ہیں جن کو شہید کر دیا گیا تھا۔ مؤرخین نے عبیداللہ بن عمرو کے حالاتِ زندگی میں لکھا ہے:

فارسًا شجاعًا کوفیًا من الشیعة، و شهد مع أمیرالمومنین علی مشاهده کلّها، و کان من الّذین بایعوا مسلمًا و یأخذ

البیعة من أھل الکوفة للحسین ھو و مسلم بن عوسجة

''وہ شجاع گھڑ سوار اور شیعیانِ کوفہ میں سے تھے اور وہ تمام جنگوں میں امیر المومنین علیہ السلام کے ہم رکاب تھے اور انھوں نے کوفہ میں حضرت مسلم علیہ السلام کی بیعت کی اور حضرت مسلمؓ بن عوسجہ کے ساتھ مل کر سید الشہدا علیہ السلام کے لیے لوگوں سے بیعت لیتے تھے'' (تاریخ الکوفہ:۳۳۲)۔

اس سے پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت حضرت مسلمؓ بن عقیل علیہ السلام کے پیروکاروں کو آزاد چھوڑا اور یہ افراد علانیہ طور پر اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ نعمان کے بعد ابن زیاد کی سرپرستی میں پولیس کے سربراہ حُصین بن نُمیر نے انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا اور پھر ان سے یہ پوچھا جاتا کہ تم قبیلہ ''کندہ'' کے سردار ہو اور تم ''ربیعہ'' کے سردار ہو؟ جب وہ جواب دیتے: ہاں تو ابن زیاد انھیں قتل کرنے کا حکم دے دیتا تھا (تاریخ الکوفہ:۳۳۲)۔

③ عبید اللہ بن حارث بن نوفل ہمدانیؒ

عبید اللہ بن حارث ہمدانیؒ بھی وہ شیعہ ہیں جو ابن زیاد کے حکم سے شہید ہوئے اور آپؒ صحابی رسولؐ خدا اور جنگِ صفین میں امیر المومنین علیہ السلام کے ہم راہ تھے۔ مؤرخین نے واقعہ کربلا میں ان کے کردار کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

کان یأخذ البیعة من أھل الکوفة للحسین

''وہ کوفہ کے لوگوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کے لیے بیعت لیتے تھے۔''

کثیر بن شہاب نے انھیں گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کیا اور ان سے سوال کیا کہ تم نے حضرت مسلم علیہ السلام کی بیعت کی ہے؟

انھوں نے جواب دیا: جی ہاں۔

تم حسینؑ کے لیے بیعت لیتے رہے ہو؟

انھوں نے کہا: جی ہاں۔

ابن زیاد نے حکم دیا کہ ان کے قبیلہ والوں کے سامنے ان کے سر کو تن سے جدا کر دیا جائے (تاریخ الکوفہ:۳۳۲)۔

جب ایک قبیلہ کے سردار کو اس قبیلے کے لوگوں کے سامنے قتل کیا جائے اور اس قدر سخت نگرانی و نظارت اور قتل و غارت کے ہوتے ہوئے کیا کسی قبیلے کا دوسرا کوئی فرد سرگرم عمل ہو سکتا ہے؟

جی ہاں! یہی کام خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ اور اس کے قبیلے کے ساتھ انجام دیا تھا۔

④ عبدالاعلی بن یزید کلبی علیمی

ابن زیاد کے ہاتھوں شہادت کے درجہ پر فائز ہونے والی ایک شخصیت عبدالاعلی کلبی ہیں۔ مؤرخین نے ان کی تعریف کے سلسلے میں تحریر کیا ہے:

كان فارسًا شجاعًا قارئًا من الشيعة كوفيًا و كان هو و حبيب بن مظاهر الأسدي يأخذان البيعة من أهل الكوفة للحسين (تاریخ الکوفہ:۳۳۳)

"وہ شجاع و بہادر گھڑ سوار اور شیعیانِ کوفہ کے قاری قرآن تھے اور یہ وہ شخصیت تھے جو حضرت حبیبؓ بن مظاہر کے ساتھ اہل کوفہ سے سید الشہداؑ کے لیے بیعت لیتے تھے۔ کثیر بن شہاب نے انھیں گرفتار کر لیا تھا اور جب حضرت مسلمؑ کو شہید کر دیا گیا تو ابن زیاد نے عبدالاعلی کو حاضر کر کے ان کے قتل کا حکم صادر کیا تھا۔"

⑤ عباس بن جُعدہ جدلی

عباس بن جعدہ ان نامی گرامی افراد میں سے ہے کہ جنھیں حضرت مسلمؑ نے کوفہ میں چند قبیلوں کا سردار مقرر کیا تھا۔ مؤرخین نے ان کے حالات زندگی میں تحریر کیا ہے:

كان من الشيعة الّذين بايعوا مسلم بن عقيل في الكوفة و من المخلصين في الولاء لأهل البيت عليهم السلام، و كان

یأخذ البیعة من الناس للحسین بن علی علیهما السلام

"وہ اُن شیعوں میں سے تھے کہ جنھوں نے کوفہ میں مسلمؑ بن عقیل علیہ السلام کی بیعت کی تھی اور وہ اہل بیت علیہم السلام کے مخلص موالیوں میں سے تھے اور اُنھوں نے لوگوں سے حسینؑ بن علیؑ کے لیے بیعت لی تھی" (تاریخ الکوفہ:۳۳۴)۔

محمد بن اشعث کندی جو خوارج اور کربلا میں عمر بن سعد کے لشکر کا ایک سردار تھا' اسی کے ہاتھوں عباس جدلیؒ گرفتار ہوئے اور حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی شہادت کے بعد انھیں بھی ابن زیاد کے حکم سے شہید کر دیا گیا (تاریخ الکوفہ:۳۳۵)۔

⑥ عمارہ بن صلخب ازدی

شیعیانِ کوفہ کی ایک اور شخصیت' عمارہ بن ازدی تھے۔ ان کا شمار بہادر مردوں اور حضرت مسلمؑ بن عقیل علیہ السلام کی بیعت کرنے والوں میں ہوتا ہے اور وہ کوفہ کے لوگوں سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی بیعت لیتے تھے۔ محمد بن اشعث نے انھیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں ان کے قبیلے کی نگاہوں کے سامنے قتل کر دیا جائے (مقتل الحسینؑ ابی مخنف:۴۳-۵۸' تاریخ طبری:۲۷۶/۴ و ۲۸۵)۔

شیعوں کو قید کرنا

ابن زیاد کا ایک دوسرا کام کوفہ میں شیعوں کو زندان بھیجنا تھا۔ ان قیدیوں میں حضرت مختارؒ، حارث اعور ہمدانی' سلیمان بن صرد اور ان کے ساتھ میتب بن نجبہ اور رفاعہ بن شداد جیسے افراد تھے۔ ان اسما میں غور کیجیے۔ طبری لکھتا ہے: ابن زیاد نے یزید کو ایک خط میں لکھا:

و ما ترکت لکم ذا ظنّة أخافه علیکم الاّ و هو فی سجنکم

"مجھے جس شخص کے بارے میں بھی یہ شک تھا کہ وہ تمھارے خلاف قیام کرے گا۔ میں نے اسے باقی نہیں چھوڑا مگر یہ کہ وہ تمھارے زندان کی ہوا کھا رہا ہے" (تاریخ طبری:۲۸۷/۴' الکامل فی التاریخ:۱۳۱/۶)۔

ان تمام حالات و واقعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بزرگانِ شیعہ کہاں تھے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا۔ کیا اس حقیقت واقعیت کے کہا سکتا شیعوں

سربراہ حضرات خود سید الشہداؑ کے قتل میں شریک تھے یا یہ کہ خود شیعوں نے مولاؑ کو دعوت دی تھی اور پھر خود ہی انھیں شہید کر دیا؟

جی ہاں! بصرہ کا گورنر ابن زیادؔ معاویہ کے حکم سے اپنے گذشتہ مقام و مرتبہ کو محفوظ رکھتے ہوئے کوفہ کا گورنر بن گیا۔ اس نے واقعہ کربلا کے بعد شام کی طرف سفر شروع کیا۔

واقعہ کربلا سے چار یا پانچ سال کے بعد سلیمان بن صرد کی قیادت میں ایک گروہ ظاہر ہوا جس نے حُصین بن نُمیر، ابن زیاد اور ان کے ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

مؤرخین کے مطابق ابن زیاد نے اس واقعہ کے سلسلے میں ان الفاظ کا اظہار کیا:

كنت أقول: ليتني كنت أخرجت أهل السجن فضربت أعناقهم (تاریخ طبری: ۴/۳۰۳، الکامل فی التاریخ: ۴/۱۴۱)

"میں ہمیشہ یہ کہتا تھا: اے کاش! میں اس زمانے میں زندان میں موجود ان افراد کو باہر نکال کر ان کا سر تن سے جدا کر دیتا۔"

واقعاً! ابن زیاد کن لوگوں کی موت کا خواہش مند تھا؟

جی ہاں! وہی افراد جو زندان میں تھے اور اب جنھوں نے واقعہ کربلا و عاشورہ کے خون کا انتقام لینے کے عنوان سے قیام کیا اور ابن زیاد کی یہ ڈیوٹی تھی کہ ان سے جنگ کرے۔ ابن زیاد نے کچھ قیدیوں کو قتل کر دیا اور ان میں سے کچھ افراد کو اس نے آزاد کر دیا اور کچھ افراد فرار کر گئے تھے۔ اس نے ان کا پیچھا کیا۔ جب چند سالوں کے بعد سلیمان بن صردؒ، مختار ثقفیؒ اور دوسرے افرادؒ اہل شام اور سید الشہداؑ کے قاتلوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تو ابن زیاد یہ آرزو کرتا تھا کہ اے کاش! میں ان قیدیوں کو اس زندان میں قتل کر چکا ہوتا۔

اس طرح واقعہ عاشورہ کے چند سال بعد ابن زیاد اور اس کے ساتھیوں کا قتل ہوا اور کچھ کو خود حضرت مختارؒ نے بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔

اہل سنت کی نگاہ میں سلیمان بن صردؓ

اہل سنت کے نزدیک سلیمانؓ ایک بلند مقام شخصیت کے مالک ہیں۔ اصحابِ رسولؐ خدا کے حالاتِ زندگی سے متعلق کتابوں میں انھوں نے سلیمانؓ کے حالاتِ زندگی کو سنہری الفاظ میں قلم بند کیا ہے۔[1]

شمس الدین ذہبی ان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

کان صالحًا دینًا من الشرف قومه

"وہ صالح، متدین اور قوم کے شرفا میں سے تھے۔"

انھوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ مل کر ایک خط حضرت حسینؑ بن علیؑ کو تحریر کیا تھا اور انھوں نے آپؑ کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی، لیکن ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور وہ مولاؑ کی نصرت نہ کر سکے (سیر اعلام النبلاء:۳/۳۹۵)۔

کیوں کہ وہ اس وقت زندان میں تھے (تنقیح المقال فی علم الرجال:۲/۶۳)۔

البتہ ذہبی نے اس کی وضاحت نہیں کی کہ ابن زیاد نے انھیں جیل میں ڈال دیا تھا کیوں کہ یزید کے گورنر ابن زیاد کے ذریعے سلیمانؓ جیسی شخصیت کو زندان بھیجا جانا، ان کے لیے دشوار و سخت تھا۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض اہل سنت ان کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

...... فلمّا عجز عن نصرة ندم و حارب

"...... جب وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی مدد کرنے سے ناتواں ہوئے تو نادم و پشیمان ہو کر جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے"۔[2]

یعنی اپنی بیعت سے وفاداری اور سید الشہدا علیہ السلام کی ہم راہی میں قیام کرنے سے عاجز و ناتواں اور پشیمان ہوئے۔ اس بات پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ وہ کس طرح عاجز ہوئے کہ انھیں

---

(۱) سیر اعلام النبلاء،۳/۳۹۳-۳۹۵، الاصابہ:۳/۱۴۴-۱۴۵، تہذیب التہذیب:۴/۱۷۵، نمبر۱۴۰۔

(۲) تاریخ الاسلام:۵/۱۲۲-۱۲۳، الاستیعاب:۲/۶۴۹، الطبقات الکبریٰ:۴/۲۹۲، الاصابہ:۳/۱۴۴، نمبر:۳۴۷۰۔

ندامت و پشیمانی کا سامنا کرنا پڑا؟ یہ ناتوانی و پشیمانی کس طرح جمع ہو سکتی ہے؟ (واللہ العالم)

جی ہاں! یہ عجیب سی چال جس کو بعض علمائے اہل سنت نے اختیار کیا ہے کیوں کہ وہ نہیں چاہتے ہیں کہ ایسے شخص کے زندانی ہونے کی وضاحت کریں بل کہ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ان سے گناہ سرزد ہوا اور وہ نادم و پشیمان ہوئے اور اس کے بعد جنگ کی ہے۔ یہ لوگ اس معنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> كان دينًا عابدًا خرج في جيش تابوا الى الله من خذلانهم الحسين الشهيد' وساروا للطلب بدمه' و سمّوا جيش التوّابين (تاریخ الاسلام:۳/۳۹۵)

> ''وہ ایک دین دار و عبادت گزار شخص تھے اور سیدالشہداءؑ کے سلسلے میں کوتاہی کی وجہ سے خدا کی بارگاہ میں توبہ کرنے والے گروہ کے ساتھ انھوں نے خونِ حسینؑ کا انتقام لینے کے لیے قیام کیا اور اس لشکر کا نام توابین (توبہ کرنے والے افراد) مشہور ہوا۔''

یہ لشکر وہی سپاہ ہے جس نے لشکر شام کا سامنا کیا اور ابن زیاد کے لشکر کے سرکردہ افراد اور اس وقت کوفہ کو کنٹرول کرنے والی شخصیات پر حملہ کر کے انھیں قتل کر دیا۔ قابل ذکر ہے کہ توابین کا واقعہ خود ایک جدا تاریخ ہے۔

فراریوں کا تعاقب

ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ کے کچھ ساتھیوں کو شہید کرنے کے بعد مسلمؓ بن عوسجہ حبیبؓ بن مظاہر اور دوسرے کچھ افراد کو تلاش اور ان کا پیچھا کیا لیکن وہ انھیں گرفتار کرنے میں ناکام رہا۔

کوفہ ابن زیاد کے کنٹرول میں

ان تمام اقدامات کے ذریعے کوفہ پر ابن زیاد کا مکمل کنٹرول ہو گیا اور سیدالشہداءؑ بھی

کربلا پہنچ گئے۔ اس وقت اور ان پروگراموں کو اجرا کرنے کے بعد ابن زیاد نے منبر پر آ کر لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

ایّها النّاس! انکم بلوتم آل أبی سفیان، فوجدتموهم علی ما تحبّون، و هذا یزید، قد عرفتموه، حسن السیرة، محمود الطریقة، محسن للرعیّة، متعاهد الثغور یعطی العطاء فی حقّه، قد أمنت السبل علی عهده...... (الفتوح:۸۹/۵)

"اے لوگو! تم نے آلِ ابوسفیان کا امتحان کرلیا ہے اور تم انھیں پہچانتے ہو...... تمھارے راستے محفوظ ہیں...... معاویہ کے بعد یزید بہترین شخص اور دنیا کے مال وزر کے سلسلے میں تمھیں بے نیاز کرنے والا ہے۔ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں بیت المال سے تمھارے رزق میں ایک سو درہم یا ایک سو دینار اضافہ کردوں اور اس رقم کو تمھارے لیے محفوظ رکھوں۔ اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ کوفہ سے میں تمھیں اس کے دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ کروں لہٰذا اس کو سنو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو۔"

ابن زیاد اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:

فلا یبقینّ رجلٌ من العرفاء و المناکب و التجّار و السکان الاّخرج فعسکر معی، فأیّما رجل وجدناه بعد یومنا هذا متخلّفًا عن العسکر برئت منه الذمّة (انساب الاشراف:۱۷۸/۳)

"ہر چھوٹا بڑا اور تاجر وغیرہ کوئی باقی نہ رہے اور تم سب لوگ میرے لشکر کے ہم راہ چلو اور جس نے ہمارے لشکر سے منہ موڑا تو ہم اس کے خون کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہیں۔"

تاریخ حلب کے مصنف اس بات کا اضافہ کرتے ہیں:

و کان ابن زیاد اذا وجه الرجل الی قتال الحسین فی الجمع

الکثیر، بعث رجاله فی خیل الی الکوفة، و أمره أن یطوّف بھما، فمن و جدہ قد تخلف، أتاہ به

''لوگوں کو سید الشہداؑ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار کرنے کے بعد ابن زیاد نے محلوں اور کوچوں میں اپنے سپاہیوں کو روانہ کیا تا کہ وہ تلاش کریں اور اگر کسی کو حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے پائیں تو اسے بھی پکڑ کر لے آئیں''۔[1]

اس ترتیب کے ساتھ جب دھمکیاں عملی صورت اختیار کر چکیں اور کارندوں نے تلاشی لینا شروع کر دی تو شہر کوفہ پر ابن زیاد کی خواہش کے مطابق کنٹرول ہو گیا۔ اس نے تمام افراد کو کربلا کی طرف روانہ کر دیا، فقط وہ افراد باقی رہ گئے جو جیل میں بند یا کسی طرح سے شہر سے باہر اور نخلستانوں میں پناہ اختیار کر چکے تھے۔ اس نے تمام افراد کو عمر سعد کی سربراہی میں کوفہ سے سید الشہداؑ کے ساتھ جنگ کے لیے روانہ کیا۔ یہ افراد دو گروہوں میں تقسیم تھے:

پہلا گروہ: وہ لوگ تھے جو رغبت یا مجبوری و زبردستی کی وجہ سے اس میدانِ جنگ میں حاضر تھے۔

دوسرا گروہ: وہ افراد جن کے لیے کربلا تک پہنچنے کا واحد راستا، عمر سعد کے لشکر میں شامل ہونا تھا، کیوں کہ انھوں نے تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شامل ہونے والے

دوسرے گروہ نے سید الشہداؑ سے ملنے اور ان کی ہم راہی اختیار کرنے کے لیے اس راستے کو اختیار کیا اور ان افراد کے نام و خصوصیات تاریخ میں ذکر ہوئی ہیں۔ اس گروہ نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سید الشہداؑ کے لشکر کی ہم راہی اختیار کی۔

اس بات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عمر سعد کے ساتھ ملنے والے دوسرے لوگوں کی بھی یہی نیت تھی لیکن وہ اپنے مقصد میں کام یاب نہ ہو سکے اور یہ یقین سے کہنا چاہیے کہ یہ گروہ

---

(1) بحار الانوار: ۴۴/۳۸۵، انساب الاشراف: ۳/۱۸۶، الفتوح: ۵/۱۵۷، الاخبار الطوال: ۲۵۴، تاریخ حلب شرح حال امام حسینؑ۔

سید الشہداؑ کے لشکر میں شمولیت اختیار کرنے کی غرض سے عمر سعد کے لشکر کے ہم راہ کربلا آیا تھا اور ان کی یہ ہم راہی' مجبوری کی بنا پر تھی۔

اس وجہ سے انھوں نے اپنے آپ کو رات کے وقت سید الشہداؑ کے لشکر تک پہنچایا اور یہ افراد پہلے سے ہی ہدایت یافتہ تھے نہ یہ کہ شب عاشورہ یا روزِ عاشورہ کو یہ ظلمت سے نور کی طرف منتقل ہوئے ہیں۔ البتہ حُرّ بن یزید' روزِ عاشورہ کو حق و نورانیت سے پیوستہ ہوئے۔

ایک شخصیت جو ابن سعد کے لشکر کے ساتھ آئی اور اس موقع پر اس نے سید الشہداؑ کی سعادت مند فوج میں شمولیت اختیار کی وہ قاسم بن ابی بشیر ازدی ہیں (المزار؛ ابن مشہدی: ۴۹۴)۔

ان کے بارے میں اس طرح نقل ہوا ہے:

مال الی الحسین علیه السلام ...... و قتل بین یدیه

"انھوں نے حضرت امام حسینؑ کی طرف رُخ کیا...... اور مولاؑ کی رکاب میں شہید ہوئے" (ابصار العین فی انصار الحسینؑ: ۱۸۶)۔

ان سعادت مند افراد میں ایک عمرو بن ضبیعہ بن قیس ہیں (مناقب آل ابی طالبؑ: ۲۳۲/۴)۔

ان کے بارے میں مؤرخین نے تحریر کیا ہے:

کان عمر فارسا مقداما فی الحروب' خرج مع ابن سعد ثم دخل فی انصار الحسین علیه السلام ......(اقبال الاعمال: ۷۸/۳؛ ابصار العین فی انصار الحسینؑ: ۱۹۴)

"وہ ایک ایسے گھڑ سوار تھے جو جنگ میں پیش قدم تھے۔ وہ ابن سعد کے ہم راہ کوفہ سے نکلے اور پھر حضرت امام حسینؑ کے انصار میں شامل ہو گئے۔"

ان خوش قسمت افراد میں سے ایک حلاس بن عمرو ازدی ہیں۔ وہ امیر المومنینؑ کے زمانہ میں شہر کوفہ کے امن و امان کے ادارہ کے سربراہ تھے۔ وہ اپنے بھائی نعمان کے ساتھ ابن سعد کی فوج میں حاضر ہوئے اور پھر رات کے وقت انھوں نے اپنے آپ کو لشکر حسینیؑ تک پہنچایا (ابصار العین فی انصار الحسینؑ: ۱۸۷)۔

ان سعادت مند افراد میں مسعود بن حجاج تیمی جیسے والد اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن کا نام لیا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں افراد اسی طرح ابتدا میں ابن سعد کے لشکر کی ہم راہی میں کربلا آئے لیکن آخرکار حضرت امام حسین علیہ السلام کے لشکر میں شمولیت اختیار کر کے مولاؑ کی رکاب میں درجہ شہادت پر فائز ہو گئے (ابصار العین فی انصار الحسینؑ: ۱۹۳)۔

کوفہ سے روانہ ہونے والی فوج کے سردار

① عمر بن سعد (فوج کا اعلیٰ سربراہ)

ابن زیاد کے روانہ کیے جانے والے لشکر کے کمانڈروں کی پہچان بہت زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔ اس فوج کا سب سے اعلیٰ سربراہ عمر سعد تھا۔ دوسرے کمانڈر کون لوگ تھے؟ اس بحث کو پیش کرنے سے پہلے دو اہم نکات کا ذکر دل چسپ ہے:

① مورخین کے نقل کے مطابق عمر سعد کو چار ہزار سپاہیوں کا سربراہ بنایا گیا تا کہ اس کی قیادت میں یہ لشکر دیلم کے علاقے میں جنگ کے لیے روانہ ہو (قابل ذکر بات ہے کہ یہ نکتہ اپنی جگہ پر قابل تحقیق ہے کہ کیا واقعاً ان دنوں میں شہر "ری" میں جنگ کی کوئی خبر تھی یا یہ لوگوں کو جمع کرنے کا ایک بہانہ تھا؟)

اس سلسلے میں بہت سی تاریخی کتابوں میں اس طرح نقل ہوا ہے:

كانوا قد أُعدوا للخروج معه الى الرى لقتال الديلم

"اس لشکر کو حکم دیا گیا کہ پہلے حسینؑ بن علیؑ کے ساتھ جنگ کرے اور پھر "ری" کی طرف جنگ کے لیے روانہ ہو"[1]

② عمر سعد پہلے دن سے ہی بنو اُمیہ کا لالچی خوشامدی تھا اور کوفہ میں اس نے کبھی اہل بیت علیہم السلام سے کوئی تعلق نہیں رکھا ہے۔ ہم نے بیان کیا ہے کہ جب نعمان بن بشیر نے حضرت مسلم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں سے نرم سلوک روا رکھا تو ابن سعد نے یزید کو خط

---

(۱) الاصابۃ: ۲/۱۷۱؛ الاخبار الطوال: ۲۵۳؛ الفتوح: ۵/۸۵؛ مطالب السؤول فی مناقب آل الرسول علیہم السلام: ۴۰۰؛ تاریخ الاسلام: ۵/۱۵؛ لواعج الاشجان: ۱۰۵۔

لکھا: دھیان سے کام لو کوفہ ہاتھ سے جا رہا ہے۔

③ امیر المومنین علیہ السلام جس وقت کوفہ میں تھے اس وقت آپؑ نے یہ خبر دی کہ حسینؑ کا قاتل عمر بن سعد ہوگا (الاستیعاب: ۱/ ۳۹۳-۳۹۴)۔

④ حُصین بن نُمیر (بعض مآخذ میں حُصین بنی تمیم ذکر ہوا ہے لیکن ہمارے نزدیک حُصین بن نُمیر صحیح ہے)

تاریخ کی کتابوں میں حُصین بن نُمیر کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ حُصین بن نُمیر کا تعلق شام کے ایک شہر حمص سے تھا (الاصابۃ: ۲/ ۸۰، البدایہ والنہایہ: ۸/ ۲۳۹، الوافی بالوفیات: ۱۳/ ۵۶)۔

اس علاقے کے لوگ ناصبی اور امیر المومنین علیہ السلام و اہل بیت علیہم السلام کے دشمن تھے (تاریخ طبری: ۴/ ۳۳۰، الارشاد: ۲/ ۶۹، مقتل الحسینؑ [ابو مخنف] ۱۳۲، مثیر الاحزان: ۳۰ اور دوسرے مآخذ)۔

اور حُصین بن نُمیر نے بھی ایسے شہر میں پرورش پائی تھی' طبری لکھتے ہیں:

و کان علی شرط عبیداللّٰہ

اور وہ شہر کوفہ کی پولیس کا سربراہ اور اس شہر کے اطراف اور سرحدوں پر اس کی کڑی نگرانی تھی۔ جیسا کہ ہم نے پہلے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حُصین نے نگرانی کی غرض سے شہر کے مختلف افراد کو گرفتار کیا۔ اس کے کچھ جرائم کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

یہ وہ شخص ہے جس نے کربلا میں حضرت حبیبؓ بن مظاہر کو شہید کیا (مناقب آل ابی طالبؑ: ۳/ ۲۵۲، مقتل الحسینؑ [ابو مخنف] ۱۳۳-۱۳۵ اور دوسرے مآخذ)۔

یہ وہ پہلا فرد ہے جس نے عمر سعد کے لشکر کی طرف سے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے خیموں پر تیر اندازی کی' کیوں کہ یہ فوج کے تیر انداز دستہ کا سربراہ تھا۔ یہ وہ خبیث شخص تھا جس نے اہل بیت علیہم السلام کے مقدس سروں کو اپنے قبضے میں لے کر کربلا سے شام پہنچایا۔

یزید نے حکم دیا: سروں کو اس کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ وہ ان سے ان کے قتل کی کیفیت کے سلسلے میں سوال کرے۔ انھوں نے سروں کو یزید کے سامنے پیش کیا اور یزید نے ان سے سوال کرنے شروع کیے اور جب حُصین بن نُمیر کی باری آئی تو یزید نے اس سے پوچھا: مجھے بتاؤ کہ تم نے حسینؑ کو کس طرح قتل کیا ہے؟

حصین نے پہلے تو امان طلب کی اور امان لینے کے بعد اس نے جواب دیا:

اعلم- أيها الأمير- أنّ الذى عقد الرايات و وضع الأموال و جيّش الجيوش و أرسل الكتب و أوعد و وعد هو الّذى قتله

"اے امیر! جس نے پرچم روشن کیے اور اموال کو فوج کے قبضے میں قرار دیا اور افواج کو مسلح کیا اور اس سلسلے میں خط ارسال کیے اور جس نے وعدے و دھمکیاں دی ہیں یہی وہ شخص ہے جس نے حسینؑ کو قتل کیا ہے" (نور العین فی مشہد الحسینؑ: ۷۰)۔

یزید اس جواب سے غضب ناک ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ حصین بن نُمیر وہ شخص ہے جس نے خانۂ خدا سے ابن زبیر کو نکالنے اور اسے سرکوب کرنے کے لیے منجنیق نصب کی تاکہ خانۂ خدا کو پامال کر کے ویران کر ڈالے۔

بالآخر واقعہ کربلا کے پانچ یا چھے سال بعد حصین بن نُمیر، اہل شام کے کچھ افراد کے ہم راہ جو ابن زیاد کے ساتھ تھے، سلیمان بن صردؓ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں قتل ہو کر واصل جہنم ہوا (امالی شیخ طوسی ؒ: ۲۴۲)۔

۴ شبث بن ربعی (سیرہ اعلام النبلاء: ۴/۱۵۰، نمبر ۵۱)

یہ خوارج کا سرکردہ تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کا سرسخت دشمن تھا۔ یہ واقعہ کربلا میں ایک ہزار فوجیوں کا کمانڈر اور حضرت امام حسین علیہ السلام کو خط لکھنے والوں میں سے تھا (الارشاد: ۲/۹۸، الفتوح: ۴/۳۲۳، الکامل فی التاریخ: ۴/۶۲، البدایہ والنہایہ: ۸/۱۹۳)۔

قابل ذکر ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد تک خوارج اہل بیت علیہم السلام کی مخالفت کے سلسلے میں بنو اُمیہ کے ساتھ بہت تعاون کرتے تھے۔ انھوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی شہادت اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ اور ان کی شہادت نیز واقعہ عاشورہ میں بنو اُمیہ سے مکمل تعاون کیا۔

البتہ بعد میں حکومت کے چکر میں ان کے درمیان شدید اختلاف پیدا ہو گیا اور ان میں

عجیب و غریب قسم کی کشمکش دیکھنے میں آئی۔

④ حجار بن ابجر عجلی

حجار بن ابجر ابن زیاد کی فوج کا ایک سالار تھا اور یہ کربلا میں ایک ہزار فوج کا کمانڈر تھا۔ اس نے شبث بن ربعی اور دوسرے افراد کے ساتھ مل کر حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت کے لیے خط لکھا اور اس پر دستخط کیے تھے (الارشاد: ۲/ ۹۸' الفتوح: ۳/ ۳۳۳' الکامل فی التاریخ: ۴/ ۶۲' البدایہ والنہایہ: ۸/ ۱۹۴)۔

واقعہ کربلا کے بعد اس کا شمار اُن بڑے لوگوں میں ہوتا تھا جس نے حضرت مختارؓ کے خلاف قیام کیا اور بالآخر اسے شکست کا سامان کرنا پڑا[1] وہ نصرانی تھا۔[2] اور اسی دین پر دنیا سے گیا ہے۔

ابن حجر نے مرزبانی سے نقل کیا ہے:

ان ابجر مات علی نصرانیة فی زمن علی (الاصابۃ: ۲/ ۱۴۳)

"ابجر علی علیہ السلام کے دورِ حکومت میں نصرانی دین پر اس دنیا سے چل بسا تھا۔"

⑤ حُربن یزید ریاحی

حُربن یزید بھی ابن زیاد کی طرف سے روانہ کی جانے والی فوج کا ایک سربراہ تھا جو ایک ہزار سپاہیوں کا افسر تھا۔ البتہ اس کی بازگشت کی داستان تمام لوگوں کے لیے درس آموز قرار پائی کہ کس طرح اس نے سید الشہداء علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کو کربلا میں داخل ہونے سے پہلے اذیت دی اور ان کے لیے رکاوٹ بنا' لیکن جب متوجہ ہوا تو بالکل تبدیل ہو کر کامیابی سے ہم کنار ہوا۔

⑥ شمر بن ذی الجوشن

شمر چار ہزار فوجیوں کا کمانڈر تھا (بحارالانوار: ۴۴/ ۳۲۵)۔

---

(۱) مقتل الحسینؑ [ابومخنف]: ۱/ ۳۷۱' تاریخ طبری: ۳/ ۵۲۸' الفتوح: ۶/ ۲۹۴۔

(۲) الاصابۃ: ۲/ ۱۴۳' الاخبار الطوال: ۲۱۴۔

وہ شروع ہی سے بنواُمیہ کا کارندہ اور ابن زیاد کا خدمت گزار تھا۔ جب ابن زیاد نے یہ محسوس کیا کہ عمر سعد اس کے حکم کی تعمیل کرنے میں ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے تو اس نے شمر کو ایک خط دے کر کہا: یہ عمر سعد کو دو اور اس کی حفاظت کرو۔ شمرؔ بنواُمیہ کا دل دادہ بن چکا تھا۔

شیعہ وسنی مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابن زیاد نے شمر کو کہا:

اذهب فان جاء حسين و اصحابه علي حكمي و الاّ فمر عمر بن سعد ان يقاتلهم' فان تباطا عن ذلك فاضرب عنقه' ثمّ أنت الامير علي الناس...... (البدایہ والنہایہ: ۱۷۵/۸)

''جاؤ اگر حسینؑ نے ہمارا حکم مان لیا تو ٹھیک ورنہ عمر سعد کو حکم دو کہ وہ انھیں قتل کردے اور اگر عمر سعد اس حکم کو ماننے میں ٹال مٹول کرے تو اس کی گردن اُڑا کر تم خود فوج کے امیر بن جاؤ۔''

شمر کے بارے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ابن حجر لکھتے ہیں:

شمرؔ نماز جماعت میں آتا اور نماز کے بعد توسل کرتے ہوئے کہتا تھا:

اللّٰهم انك تعلم انّي شريفٌ فاغفرلي

''خدایا! تُو جانتا ہے کہ میں ایک اچھا انسان ہوں لہٰذا میری مغفرت فرما!'' (تاریخ مدینہ دمشق: ۱۸۹/۲۳' میزان الاعتدال: ۲۸۰/۲' لسان المیزان: ۱۵۲/۳)۔

راوی کہتا ہے: میں نے اسے کہا: تُو یہ خدا سے کیسے توقع کرسکتا ہے کہ وہ تجھے بخش دے حالانکہ تُونے فرزندِ رسولؐ خدا کو شہید کیا ہے؟ شمر نے جواب دیا: تُو کیا کہتا ہے؟ میں کیا کرسکتا تھا! وہ ہمارے امیر ہیں۔ انھوں نے ہمیں حکم دیا اور اگر ہم مخالفت کرتے تو ان حیوانات سے بدتر ہوتے۔ ہمارے امیرؔ واجب الاطاعت ہیں۔

ابن حجر عسقلانی خود متعصب ہونے کے باوجود اس مطلب کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں:

انّ هذا العذر قبيح' فانّما الطاعة في المعروف

''یہ عذر نہایت ناپسندیدہ ہے کیوں کہ اطاعت فقط پسندیدہ اور اچھے اُمور

میں ذکر ہوئی ہے"(لسان المیزان:۳/۱۵۳'میزان الاعتدال:۲/۲۸۰)۔

۷، ۸ قیس ومحمد

ابن زیاد کی روانہ کی جانے والی فوج کے کمانڈروں میں دو بھائی جن کے بالترتیب نام قیس اور محمد ہیں اشعث بن قیس کی اولاد شمار ہوتے ہیں۔اشعث' اس جُعدہ کا باپ ہے جس نے پیسہ اور یزید کی ہمسری کے لالچ میں معاویہ کے کہنے پر حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کو زہر پلایا۔

تحقیق کے مطابق ان دو افراد کا والد یعنی اشعث' امیرالمومنین علیہ السلام کی شہادت میں شریک تھا(الارشاد:۱/۱۹)۔

محمد بن اشعث' سیدالشہداعلیہ السلام کو دعوت دینے والوں میں سے تو نہیں تھا لیکن اس کے بھائی قیس نے دعوت نامہ پر دستخط کیے تھے۔حضرت امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورہ دشمن کی فوج کو خطاب کیا اور شبث بن ربعی' حجار بن ابجر' قیس ابن اشعث اور یزید بن حارث کو آواز دے کر فرمایا: کیا تم نے مجھے خط نہیں لکھے تھے؟ قیس بن اشعث نے جواب دیا: آؤ اور یزید کی بیعت کرو!

مولاؑ نے جواب میں فرمایا: تو اس شخص کا ہی بھائی ہے جس نے کوفہ میں مسلمؑ بن عقیلؑ کو شہید کیا اور اب یہ چاہتے ہو کہ تم میرے قتل میں بھی شریک ہو جاؤ؟

لا و اللّٰہ لا اعطیھم بیدی اعطاء الذلیل و لا اقرلھم اقرار العبید

(الارشاد:۲/۹۸'البدایہ والنہایہ:۸/۱۹۳'تاریخ طبری:۳/۳۲۳'الکامل فی التاریخ:۳/۶۳)

"نہ خدا کی قسم! میں اپنا ہاتھ ان جیسے ذلیل افراد (بیعت کے لیے) کو نہیں دوں گا اور حقیر بندوں کی طرح اقرار نہیں کروں گا۔"

۹ یزید بن حارث

یزید بن حارث دو ہزار سپاہیوں کا سالار اور سیدالشہداعلیہ السلام کو دعوت دینے والوں میں سے تھا۔امام علیہ السلام نے روزِ عاشورہ اس کو اس کے نام کے ساتھ پکار کر خطاب فرمایا۔وہ کوفہ میں بنواُمیہ کی حکومت کے لیے عمرسعد اور دوسرے افراد کے ساتھ مل کر

اور سلیمانؓ بن صرد و مختارؒ اور دوسرے افراد کے خلاف سرگرم عمل رہتا تھا (جمل من انساب الاشراف:۶/۳۶۷و۳۸۱)۔

⑩ عمرو بن حریث

عمرو بھی ابن زیاد کی فوج کا ایک سپہ سالار تھا اور یہ اس قدر بنی اُمیہ کا غلام تھا کہ کوفہ میں ابن زیاد کی غیر موجودگی میں کوفہ کا گورنر ہوتا تھا (جمل من انساب الاشراف:۶/۳۶۷-۳۷۶)۔

⑪ عمرو بن حجاج

عمرو بن حجاج بھی ابن زیاد کے لشکر کا ایک کمانڈر تھا۔ وہ فوج کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:

یا اهل الکوفة! الزموا طاعتکم و جماعتکم' و لا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین و خالف الامام (تاریخ طبری:۴/۳۳۱؛ مقتل الحسینؑ [ابومخنف]:۱۳۶)

"اے اہلِ کوفہ! اپنے اجماع واتحاد کی حفاظت کرو اور اس شخص کو قتل کرنے میں تم شک و تردید کا شکار نہ ہو جاؤ جو دین سے پھر چکا ہے اور جس نے اپنے امام کی مخالفت میں خروج کیا ہے۔ کیا واقعاً ایسا عقیدہ رکھنے والے افراد شیعہ ہیں؟"

عمرو بن حجاج کی نہر فرات کے محاصرہ پر ڈیوٹی تھی اور وہ اپنے سپاہیوں سمیت حضرت امام حسین علیہ السلام کے خیموں تک پانی نہیں پہنچنے دیتا تھا (الارشاد:۲/۸۶؛ مناقب آل ابی طالب:۴/۲۲؛ تاریخ طبری:۴/۳۱۲؛ الکامل فی التاریخ:۴/۶۷ اور دوسرے مآخذ)۔

اس بے حیا و گھٹیا انسان نے بڑی گستاخی کرتے ہوئے نواسۂ رسولؐ کی طرف رُخ کر کے کہا:

یا حسین! هذا الفرات تلغ فیه الکلاب و تشرب منه الحمیر و الخنازیر' و الله لا تذوق منه جرعةً حتّی تذوق الحمیم فی نار جهنّم (انساب الاشراف:۳/۱۸۲، نمبر ۳۳)

"اے حسینؑ! یہ فرات ہے جس سے کتے، گدھے اور خنزیر سیراب ہو رہے ہیں، خدا کی قسم! تم اس سے ایک گھونٹ پانی نہیں پیو گے یہاں تک کہ جہنم کی آگ میں حمیم نوش کرو گے۔"

کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسا شخص شیعہ تھا؟ اس وقت سید الشہداعلیہ السلام نے اس پر لعنت کی۔

ابن اثیر تحریر کرتے ہیں: بالآخر مختارؒ اور اس کے ساتھی، عمرو بن حجاج کے تعاقب میں تھے کہ انھوں نے اسے بیابان میں ایسی حالت میں پایا کہ پیاس کی وجہ سے اس میں رمق باقی نہیں رہی تھی اور پھر انھوں نے اس کو واصل جہنم کیا (الکامل فی التاریخ:۴/۲۳۶، تاریخ ابن خلدون:۳/۲۵)۔

⑫ عزرہ بن قیس احمسی

عزرہ بن قیس بھی ابن زیاد کی فوج کا ایک کمانڈر تھا۔ اس کے حالاتِ زندگی کے ذیل میں مورخین نے لکھا ہے:

و هو علي خيل أهل الكوفة

"وہ اہل کوفہ کی گھڑ سواری فوج کا سپہ سالار تھا" (الارشاد:۲/۲۰۳، تاریخ طبری:۴/۳۲۲، مقتل الحسینؑ [ابو مخنف] ۱۳۹)۔

جس وقت ابن زیاد نے اسے سید الشہداعلیہ السلام کے پاس پیغام دے کر بھیجنا چاہا تو اس نے معذرت کرتے ہوئے کہا: میں ان لوگوں میں سے ہوں جنھوں نے امام علیہ السلام کو خط لکھا اور انھیں مدد و نصرت کا وعدہ دیا تھا (الارشاد:۲/۸۴-۸۵، تاریخ طبری:۶/۳۱۰)۔

وہ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں شہر حلوان (وہ شہر جو شام و عراق کے درمیان) کا گورنر تھا (تاریخ مدینہ دمشق:۴۰/۳۰۹-۳۱۰)۔

اس کی حیثیت صدر اسلام سے مشخص تھی۔ ابن زیاد کی فوج کے یہ تمام کمانڈر کربلا میں اپنے ماتحت سپاہیوں کی قیادت کرتے تھے۔ کیا واقعا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ایسے لوگ شیعہ تھے؟

کربلا میں سپاہِ شام کی موجودگی

گذشتہ مطالب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل کوفہ کے علاوہ شام سے لوگ مل کر لشکر کربلا میں موجود تھے اور اس مطلب پر شواہد بھی موجود ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول روایت ہے کہ امام علیہ السلام سے لوگوں نے سوال کیا: تاسوعا اور عاشورہ کے دن روزہ رکھنے کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

تاسوعا یوم حوصرفیه الحسین علیه السلام و أصحابه بکربلاء و اجتمع علیه خیل أهل الشام و أناخوا علیه و فرح ابن مرجانة و عمر بن سعد بتوافر الخیل و کثرتها و استضعفوافیه الحسین علیه السلام و أصحابه و أیقنوا أنّه لایأتی الحسین علیه السلام ناصرٌ و لا یمدّ أهل العراق. بأبی المستضعف الغریب

"تاسوعا وہ دن ہے جب کربلا کے میدان میں شام کے سپاہیوں کے ذریعے حضرت امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحابؓ کا محاصرہ کیا گیا...... ابن زیاد اور عمر سعد اپنے کثیر لشکر کو دیکھ کر خوش حال ہوئے۔ یہ لوگ روزِ عاشورہ کو سید الشہداء علیہ السلام اور ان کے اصحابؓ پر مسلط ہوئے اور انھیں یہ یقین ہو گیا کہ اب اہل عراق میں سے کوئی امام علیہ السلام کی مدد و نصرت کے لیے نہیں آئے گا" (الکافی: ۴/ ۱۴۷، حدیث: ۷؛ بحار الانوار: ۴۵/ ۹۵، حدیث: ۴۰)۔

اس روایت کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کون سا وقت تھا جب عبیداللہ اور عمر سعد کو خوشی و مسرت نصیب ہوئی؟ اس وقت جب اہل شام سے فوج کربلا میں داخل ہوئی ہے۔

اس سلسلے میں شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے سلسلۂ سند سے اس طرح روایت نقل کی ہے:

و نظر الحسین علیه السلام یمیناً و شمالاً و لا یری أحداً

فرفع رأسه الی السماء فقال: اللّٰهم انّك تری ما یصنع بولد نبیّك...... فأقبل عدوّ الله سنان بن أنس الأیادی و شمر بن ذی الجوشن العامری فی رجالٍ من أهل الشام......

"حضرت امام حسین علیہ السلام نے دائیں بائیں جانب نگاہ کی تو کسی کو نہ پایا' پھر اپنا سرِ اقدس آسمان کی طرف جانب بلند کر کے فرمایا: خدایا! تُو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ تیرے رسولؐ کے فرزند سے کیا سلوک کر رہے ہیں...... اس وقت دشمنانِ خدا' سنان ابن انس' شمر بن ذی الجوشن اور شام کے کچھ افراد نے امام علیہ السلام پر حملہ کر دیا" (امالی شیخ صدوقؒ: ۲۲۶)۔

اگر تم مسرت وخوشی کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو اس دن کا روزہ رکھو۔ عاشورہ کے دن روزہ رکھنا بنواُمیہ کی طرف سے ہے' کیوں کہ شیخ طوسیؒ اپنے سلسلۂ سند سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

انّ آل امیّة لعنهم الله و من اعانهم علی قتل الحسین علیه السلام من أهل الشام نذروا و نذرًا' ان قتل الحسین و سلم من خرج الی الحسین و صارت الخلافة فی آل أبی سفیان أن یتّخذوا ذلك الیوم عیدًا لهم' و ان یصوموا فیه شكرًا و یفرّحون أولادهم' فصارت فی آل أبی سفیان سنّةً الی الیوم فی الناس (امالی شیخ طوسیؒ: ۶۱)

"بے شک آلِ اُمیہ (لعنت اللہ علیہم) اور قتلِ حسینؑ میں ان کی مدد کرنے والے اہلِ شام نے یہ نذر مانی کہ اگر انھیں حسینؑ پر فتح نصیب ہوئی [اور وہ انھیں قتل کرنے میں کامیاب ہو گئے] اور انھوں نے حکومت کو اپنے اختیار میں لے لیا تو وہ اس دن کو عید منائیں گے اور اس کے شکرانہ کے طور پر روزہ رکھیں گے اور یہ چیز آج تک آلِ ابوسفیان کے لیے سنت قرار

پائی ہے)۔

یہ روایت اس چیز کو بھی بیان کر رہی ہے کہ اہل شام کا لشکر بھی سید الشہداؑ کو ختم کرنے کے لیے موجود تھا۔ جی ہاں! بنواُمیہ روزِ عاشورہ کو روزہ رکھتے تھے اور اسی وجہ سے ابھی تک کچھ وہابی حضرات یہ کہتے ہیں:

ذالك يوم قتل الحسين، فان كنت شامتًا فصُم

''روزِ عاشورہ قتل حسینؑ کا دن ہے، اگر تم شماتت اور اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی رکھنا چاہتے ہو تو اس دن کا روزہ رکھو'' (امالی شیخ طوسیؒ:61)۔

کربلا میں شامی سپاہیوں کے بعض جرائم

منقولہ شواہد کی بنا پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ شام کی فوج، کربلا میں موجود تھی اور روزِ عاشورہ اس نے جنگ میں شرکت کی ہے۔ اگرچہ ان کی دقیق تعداد مشخص نہیں لیکن ان میں سے کچھ افراد کے نام تاریخ میں موجود ہیں۔ البتہ یہ افراد اہل شام کے ان افراد میں سے نہیں تھے جو کوفہ میں سکونت پذیر تھے بل کہ شام سے ایک بھاری نفری کو سید الشہداؑ کے قتل میں شریک ہونے کے لیے کربلا بھیجا گیا تھا۔ مختصر بات یہ ہے کہ ایک فی صد احتمال نہیں دیا جا سکتا کہ سید الشہداؑ کو قتل کرنے والے افراد کوفہ کے شیعہ تھے کیوں کہ کوئی بھی شیعہ چاہے جس معنی میں ہو اور چاہے جس قدر فاسق و سنگ دل اور بے دین ہو ایسے جرائم کا مرتکب نہیں ہو سکتا۔ ان جرائم میں کچھ درج ذیل ہیں:

1. پانی کی بندش
2. خیموں کو آگ لگانا
3. بچوں کا قتل
4. عورتوں کا قتل
5. اموال کی لوٹ مار
6. گھوڑوں کے سموں کے ذریعے فرزند زہراؑ کے بدنِ مطہر کو پامال کیا جانا۔

واضح سی بات ہے کہ ان بے ہودہ کاموں میں سے کوئی کام بھی شیعوں سے انجام نہیں پا سکتا اور بالفرض اگر وہ شیعہ، عمر سعد کے لشکر کے سربراہ اور قساوت و بے دینی میں مشہور بھی تھے تو پھر بھی وہ پانی کی بندش، خیام کو آگ لگانے جیسے جرائم کا ارتکاب نہیں کر سکتے تھے۔

یہ جو خطبا حضرات، کربلا میں رونما ہونے والے جرائم کا ذکر کرتے وقت یہ کہتے ہیں کہ خواتین اہل بیت علیہم السلام عصمت و طہارت کے کانوں سے انھوں نے گوشوارے چھین لیے، یہ ایک حقیقت اور عاشورہ کے حقائق میں سے ہے۔

جی ہاں! یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ حتماً سنی حضرات ان واقعات کو نقل کریں تاکہ ہم انھیں قبول کریں۔ ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیے کہ اہل سنت کے متعصب افراد، ان واقعات کو نقل کریں گے۔ کسی کو کہنے کا حق حاصل نہیں ہے کہ یہ دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام کے ظلم و ستم، خرافات ہیں اور ایسا کچھ نہیں ہوا ہے۔

جیسا کہ تاریخ میں ذکر ہوا ہے کہ سید الشہداؑ کے بدنِ مبارک کو دس گھڑسواروں نے اپنے گھوڑوں کے سموں کے ذریعے پامال کیا اور یہ بات حقیقت ہے۔ تحقیق کے مطابق ان لوگوں کے نام اہل سنت کی معتبر کتابوں میں درج ذیل ہیں:

① اسحاق بن حویہ ② اخنس بن مرثد ③ حکیم بن طفیل سنبسی
④ صالح بن وہب جعفی ⑤ واحظ بن ناعم ⑥ رجاء بن منقذ عبدی
⑦ عمرو بن صبیح صیداوی ⑧ سالم بن خیثمہ جعفی ⑨ ہانی بن شعث حضرمی
⑩ اسید بن مالک

اہل سنت کے نزدیک نہایت معتبر ابو عمرو زاہد نامی شخص کہتا ہے کہ ہم نے ان دس افراد کے بارے میں تحقیق کی ہے اور ہم نے سب کو ولد الزنا پایا ہے (الملہوف: ۷۹-۸۰، مثیر الاحزان: ۵۹، بحار الانوار: ۴۵/ ۵۹-۶۰)۔

کیا واقعی یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ روزِ عاشورہ کو شیعہ حضرات نے ان جرائم و ظلم کا ارتکاب کیا ہے؟

سید الشہداؑ کے قاتلوں کے عقیدے پر ایک نظر

وہ لوگ جو کربلا میں تھے اور جنھوں نے سید الشہداؑ کے ساتھ جنگ کی ان کا عقیدہ کیا تھا؟ حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں کے شیطانی عقائد کا ایک نمونہ ملاحظہ کیجیے:

سنی مؤرخ طبری اپنے سلسلۂ سند سے اس طرح روایت نقل کرتے ہیں:

عاشورہ کے دن، ابن زیاد کی فوج کے ایک شخص جس کا نام یزید بن معقل تھا جو سید الشہداؑ کا دشمن تھا، نے شہر کوفہ کے عالم قرآن اور امامؑ کے ساتھی بُرَیرؓ بن خضیر سے کہا:

دیکھ رہے ہو خداوند عالم نے تمھارے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟

بُرَیرؓ نے جواب دیا: خداوند عالم نے جو کچھ میرے لیے قرار دیا ہے وہ سعادت و خوش بختی ہے اور جو کچھ تمھارے ساتھ پیش آ رہا ہے وہ شقاوت و بدبختی ہے۔

یزید بن معقل نے کہا: تم جھوٹ بول رہے ہو! تو اس سے پہلے بھی جھوٹا شخص تھا۔ کیا تجھے وہ وقت یاد ہے جب قبیلہ بنی لوذان میں جھوٹی باتیں حضرت عثمان کو کہتا تھا اور معاویہ کو گم راہ اور گم راہ کرنے والا جب کہ حضرت علیؑ کو پیشوائے حق و ہدایت خیال کرتا تھا؟

بُرَیرؓ نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ میرا عقیدہ و نظریہ یہی ہے جو تُو کہہ رہا ہے۔

یزید بن معقل چوں کہ جانتا تھا کہ یہ امیر المومنینؑ کی ولایت پر ایمان رکھتا ہے لہٰذا اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ تُو گمراہ افراد کے زمرہ میں ہے۔

بُرَیرؓ نے کہا: کیا تُو مباہلہ کرنے پر حاضر ہے اور پھر ہم مبارزہ کریں؟

یزید بن معقل نے کہا: ہاں۔

اس وقت دونوں نے چلنا شروع کیا اور مقابلے سے پہلے دست دعا بلند کیے اور جھوٹے شخص پر لعنت کی اور خدا سے چاہا کہ جو شخص حق پر ہے اسے باطل پر غالب فرما اور اس کے بعد دونوں میں مقابلہ کا آغاز ہوا اور بُرَیرؓ نے یزید بن معقل کو قتل کر دیا (تاریخ طبری: ۴/۳۲۸-۳۲۹۔ الکامل فی التاریخ: ۴/۶۶)۔

بات یہ ہے کہ روزِ عاشورہ امیر المومنینؑ کی حقانیت یا حضرت عثمان کے بارے میں

بحث تھی۔ حضرت علی علیہ السلام کی اتباع اور حضرت عثمان کی پیروی' محل اختلاف اور جنگ کا سرچشمہ ہے۔ بُریرؓ اور یزید بن معقل کے درمیان مباہلہ کا نتیجہ' امام ہدایت کے پیروکار اور شیعہ علیؑ ابن ابی طالبؑ کی کامیابی یعنی بُریرؓ بن خضیر کی صورت میں اپنے اختتام کو پہنچا۔

طبری ایک دوسرے مورد میں تحریر کرتا ہے: جب حضرت امام حسین علیہ السلام کے ایک ساتھی حضرت نافع بن ہلالؓ نے میدانِ جنگ میں قدم رکھا تو انھوں نے رجز پڑھا اور کہا: میں حضرت علی علیہ السلام کے دین کا عقیدہ رکھتا ہوں۔ ابن زیاد کی فوج کا مزاحم بن حریث نامی شخص ان سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلا اور حضرت نافعؓ کے جواب میں اس نے کہا: میں دین عثمان کا معتقد ہوں (الارشاد: ۲/ ۱۰۳' تاریخ طبری: ۴/ ۳۳۱' مقتل الحسینؑ [ابو مخنف]: ۱۳۵)۔

ابن اثیر جزری کتاب ''الکامل فی التاریخ'' میں حضرت نافعؓ کی اس رجز خوانی کو نقل کرتے ہیں (الکامل فی التاریخ: ۸/ ۱۹۹)۔

لیکن یہ بیان نہیں کرتے کہ ان کی طرف مقابل نے جواب میں یہ کہا:

انا علی دین عثمان

''میں دین عثمان کا معتقد ہوں۔''

کیوں؟ تا کہ یہ چیز مخفی رہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کے قاتل کون تھے اور کئی صدیوں کے بعد لوگ یہ کہہ سکیں کہ خود شیعوں نے حضرت امام حسینؑ بن علیؑ کو شہید کیا تھا۔

مورخین نے لکھا ہے: ابن زیاد نے عمر سعد کو ایک خط لکھا کہ حسینؑ اور ان کے اصحابؓ پر پانی کی بندش کر دو تا کہ پانی کا ایک قطرہ بھی ان تک نہ پہنچے۔ جیسا کہ مظلوم خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کے ساتھ لوگوں نے یہ سلوک کیا تھا (تاریخ طبری: ۵/ ۴۱۲)۔

ان موارد کی طرف توجہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ میدانِ کربلا میں کون سا محاذ کسی گروہ کے مقابلے میں قرار پایا تھا۔ جس وقت اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کو مدینہ منورہ لوٹایا گیا اور بنی ہاشمؑ کی خواتین نالہ و فریاد' گریہ زاری اور عزاداری کرنے لگیں تو راوی کہتا ہے: میں اس وقت عمرو بن سعید اشدق کے پاس گیا۔ عمر اس منظر کو دیکھ کر ہنسا اور اہل بیت علیہم

اسلام کی دشمنی میں اس نے شعر پڑھنے کے بعد کہا:

هذا واعية بواعية عثمان بن عفّان (تاریخ طبری:۳۵۷/۴)

''یہ عزا و مصیبت' عثمان بن عفان کی مصیبت کے مقابلے میں ہے۔''

جی ہاں! جنگ کی ابتدا میں حضرت عثمان کا نام تھا اور بالآخر جب اہل بیت علیہم السلام مدینہ میں داخل ہوئے تو پھر بھی بات حضرت عثمان کی ہو رہی تھی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کے اقوال میں دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام کی تصویر

سید الشہداء علیہ السلام نے روزِ عاشورہ تقریر کے دوران دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام کی اس طرح توصیف فرمائی ہے:

فانّما أنتم من طواغیت الأمّة و شذّاد الأحزاب و نبذة الکتاب، و نفثة الشیطان، و عصبة الاثام، و محرّفی الکتاب، و مطفئی السنن، و قتلة أولاد الأنبیاء و مبیری عترة الأوصیاء...... و أنتم ابن حرب و أشیاعه تعتمدون و ایّانا تخاذلون...... (بحار الانوار: ۴۵/۸؛ ترجمہ الامام الحسینؑ ابن عساکر: ۳۱۸؛ تاریخ مدینہ دمشق: ۱۴/۲۱۸ تھوڑے اختلاف کے ساتھ)

"تم لوگ اُمت کے سرکش افراد، قرآن کو پس پشت ڈالنے والے، شیطان کی دم، گناہ گار گروہ، قرآن میں تحریف کرنے والے، سنتوں کا خاتمہ کرنے والے اور انبیائے کرامؑ کی اولاد کو قتل کرنے والے ہو۔ تم حرب کی اولاد اور معاویہ کے پیروکار ہو اور تمھارا مقصد صرف ہمیں ختم کرنا ہے۔"

یہ گفتگو کس شخص پر منطبق ہوتی ہے؟ یہ کلمات کسی ایک نچلے درجہ اور فسق و گناہ کے بلند ترین درجہ کے شیعہ فرد پر صدق نہیں کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے ان سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تم کیوں میری جان کے درپے ہو؟

انھوں نے جواب دیا: تیرے باپ کے ساتھ دشمنی کی وجہ سے قتل کر رہے ہیں (نور العین فی مشہد الحسینؑ: ۴۷)۔

حضرت امام حسین علیہ السلام ایک دوسرے مقام پر بلند آواز سے دشمن کی فوج کو خطاب کر

کے فرماتے ہیں:

یا شیعة آل ابی سفیان! ان لم یکن لکم دین و کنتم لا تخافون المعاد، فکونوا احرارًا فی دنیا کم هذه

''اے آلِ ابوسفیان کے پیروکارو! اگر تمھارا دین نہیں اور تم لوگ قیامت سے نہیں ڈرتے ہو تو پس دنیا میں آزاد رہو''۔[1]

جی ہاں! بنیادی طور پر سید الشہداء علیہ السلام کے دشمن اور قاتلوں کا تعلق، خاندانِ ابوسفیان کے پیروکاروں سے تھا، شیعیانِ اہل بیت علیہم السلام سے نہیں تھا اور ظاہری عمل میں فسق و فجور کے لحاظ سے خاندانِ ابوسفیان کے پیروکار تھے بل کہ امام علیہ السلام کے قاتل درحقیقت آلِ ابوسفیان کے راستے پر گام زن تھے۔ اس بنا پر جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ کوفہ کے بزرگانِ شیعہ یا تو زندان میں تھے یا ان کو قتل کر دیا گیا تھا یا پھر وہ فرار ہو چکے تھے۔

ان تمام حالات کے باوجود کیا یہ ہو سکتا ہے کہ شیعہ چاہے جس معنی میں بھی ہو وہ بچوں اور خواتینِ عصمت و طہارت کے خیموں کو آگ لگانے جیسے جرائم کا مرتکب ہو سکتا ہے؟ یہ تمام جرائم و مظالم، اہل سنت کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں۔

ابن جزری تحریر کرتے ہیں:

''......حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جنگ میں عمر سعد نے فوج کو حکم دیا کہ وہ خیموں کو آگ لگا دیں اور حسینؑ نے انھیں اس کام سے منع کیا لیکن انھوں نے خیموں کو آگ لگا دی......''

وہ مزید اس بارے میں لکھتے ہیں:

و خرجت امرأة الکلبی تمشی الی زوجها فجلست عند رأسه تمسح التراب عن وجهه و تقول: هنیئًا لك الجنة، فأمر شمر

(۱) الفتوح: ۵/۱۱۷؛ تاریخ طبری: ۳/۳۳۴؛ الکامل فی التاریخ: ۳/۲۹۶؛ البدایہ والنہایہ: ۸/۲۰۳۔

غلامًا اسمه رستم فضرب رأسها بالعمود فشدخه فماتت مکانها (الکامل فی التاریخ:۳/۶۹--۷۰؛ تاریخ طبری:۴/۳۳۳،۳۳۴؛ مقتل الحسین [ابومخنف]:۱۳۱)

”قبیلہ کلبی کی ایک خاتون اپنے شہید ہونے والے شوہر کے جنازہ کی طرف گئی اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس نے اپنے شوہر کے چہرہ سے مٹی صاف کی اور کہا: تمھیں بہشت مبارک ہو۔ اس وقت شمر نے اپنے رستم نامی غلام کو یہ حکم دیا کہ اس عورت کو قتل کر دے تو اس نے اس مظلوم وغم زدہ عورت پر وار کیا جس کی وجہ سے وہ دم توڑ گئی۔“

بلاذری اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:

”...... خیموں کو آگ لگنے کے بعد عورتوں نے فریاد بلند کی اور ان کا نالہ و زاری بلند ہوئی اور وہ خیموں سے باہر نکلیں...... (انساب الاشراف:۳/۱۹۳، نمبر ۲۰۶؛ الکامل فی التاریخ:۳/۶۹؛ تاریخ طبری:۴/۳۳۴)۔

ایک دوسری معتبر کتاب میں ذکر ہوا ہے:

سید الشہداؑ کی عمر کے آخری لحظہ میں جب ایک چھوٹا سا بچہ ان کے دامن میں جا کر بیٹھا تو ان یزیدیوں نے بڑی بے رحمی سے اس بچے کو بھی شہید کر دیا (المنتظم:۵/۳۴۰)۔

خباثت وکمینگی کی حد یہ تھی کہ جب وہ خبیث شخص، سید الشہداؑ کی دختر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے گوشوارے کو چھین رہا تھا اس وقت گریہ بھی کر رہا تھا۔ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اس سے فرمایا: تو گریہ کیوں کر رہا ہے؟ مجھے چھوڑ دے! اس خبیث نے جواب دیا: اگر میں نے یہ کام نہ کیا تو کوئی دوسرا شخص چھین کر لے جائے گا (سیر اعلام النبلاء:۳/۳۰۴)۔

یزید اور معاویہ کے دفاع میں گھڑی جانے والی حدیثیں

یہ متعصب وانتہا پسند گروہ جب اپنے شرم ناک مقاصد کے حصول میں ناکام رہا تو پھر اس نے یزید کے کاموں کا دفاع اور ان کی توجیہ کرنا شروع کر دی اور اس نے یزید اور اس کے

باپ کی آبرو بچانے کے لیے نہایت اوچھے ہتھکنڈے استعمال کیے اور اس سلسلے میں انھوں نے احادیث گھڑیں جیسے قسطنطنیہ کی فتح مومنین اور نیک کردار لشکر کے ہاتھوں ہونے کی نوید و بشارت دی اور پھر انھوں نے اس فتح و کام یابی کی یزید کی طرف نسبت دیتے ہوئے کہا: پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا ہے: اس لشکر کا کمانڈر یزید ہے (منہاج السنہ:۴/۵۷۱-۵۷۲)۔

انھوں نے اس سے بڑھ کر یہ کہا: یزید کے پرچم کے زیر سایہ اور اس کے لشکر میں حسینؑ بن علیؑ بھی ہیں (تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/۱۱۱؛ الوافی بالوفیات:۱۲/۲۶۳)۔

ابن تیمیہ یزید کا دفاع اور اس کے جرائم و مظالم کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: اگر بالفرض یزید نے حسینؑ ابن علیؑ کو قتل کیا ہے تو دوسری طرف اس نے اچھے کام بھی انجام دیے ہیں، کیوں کہ

إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ (سورۂ مبارکہ ھود، آیت ۱۱۴)

''نیکیاں، برائیوں کو مٹا دیتی ہیں''۔

اس بنا پر یزید نے کسی جرم کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔

غزالی اور اس کی مانند دوسرے افراد یزید کے گناہوں کی توجیہ کے سلسلے میں کہتے ہیں:

شاید یزید نے توبہ کر لی ہو، تم کیوں اس پر لعنت بھیجتے ہو؟

آپ کی نظر میں کیا یہ جھوٹ کے پلندے اہل تحقیق پر مخفی رہیں گے؟ کیا تحقیق کرنے والے مر چکے اور ختم ہو گئے ہیں؟ اگرچہ ممکن ہے ان کی تعداد بہت کم ہو لیکن بہرحال وہ موجود ہیں۔

میں نے ان بے ہودہ عقائد کے سلسلے میں جو سند و دلالت اور اہل سنت کے مؤقف کے بارے میں تحقیق کی ہے اس کے مطابق یہ احادیث فقط خود ساختہ اور ایک خاص گروہ کی شیعہ حضرات کے ساتھ دشمنی و تعصب کی بنا پر ہیں۔

بطور نمونہ اس حدیث کو ملاحظہ فرمائیں کہ ایک محفل میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی موجودگی میں معاویہ منبر پر جاتا ہے، اپنی اور اپنے خاندان کی مدح اور تعریف بیان کرتا ہے اور حضرت امام حسین علیہ السلام سے اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس روایت کے من گھڑت اور بے اعتبار

ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ابن عساکر نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہا ہے:

هذا حديث منكر و لا ارى اسناده متصلاً الى الحسين

"یہ منکر حدیث ہے اور اس کا سلسلہ سند حضرت امام حسین علیہ السلام تک نہیں پہنچتا" (تاریخ مدینہ دمشق: ۱۱۴/۱۱۴)۔

...... یہ تمام جھوٹ، درد کا علاج نہیں کر سکتے ہیں، کیوں کہ اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ یزید و معاویہ، ہمیشہ کے لیے تاریخ کے سیاہ و بدنما چہرے ہیں۔

اب اگر اس زمانے میں ایسے افراد ملتے ہیں جو مقالات اور انٹرنیٹ کی ویب سائٹس پر ابن تیمیہ کے کتب کی باتیں کرتے ہیں تو یہ مسلم ہے کہ ان کی فکری کیفیت کا سرچشمہ کہاں ہے۔ ہم نے اس انتہا پسند گروہ کے بارے میں علمائے اہل سنت کے نظریہ کو بیان کر دیا ہے۔

جب یہ حدیث گھڑتے ہیں کہ روزِ عاشور، عید و خوشی کا دن ہے تو ابن جوزی، ابن کثیر اور عینی جیسے ان کے بزرگان یہ وضاحت کرتے ہیں کہ یہ احادیث ناصبیوں اور سید الشہداء علیہ السلام کے قاتلوں کی خود ساختہ ہیں تا کہ وہ ان کے ذریعے شیعوں کو اذیت و تکلیف پہنچائیں (حیات الحیوان دمیری، مادہ "صرد")۔

بسا اوقات ان انتہا پسندوں کے کچھ افراد، خاندانِ رسالتؐ سے دشمنی کی حد پھلانگ کر یہ کہتے ہیں: عاشورہ کے دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ اس وقت یہ لوگ اس سلسلے میں حدیث گھڑتے ہیں کہ ایک دن صرد نامی پرندہ پیغمبر اکرمؐ کے دست مبارک پر بیٹھا تھا تو آپؐ نے فرمایا: یہ وہ پہلا پرندہ ہے جس نے روزہ رکھا ہے اور وہ دن، عاشورہ کا دن تھا۔[1]

---

(1) عینی نے عمدۃ القاری اور مرحوم مجلسی نے بحارالانوار میں اس مطلب کو حاکم نیشاپوری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور بعض افراد نے یہ خیال کیا ہے کہ حاکم نے اس مطلب کو اپنی کتاب المستدرک میں ذکر کیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ اس کتاب میں اس بات کا تذکرہ نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ اگر المستدرک الصحیحین میں شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کے باب کو ملاحظہ کیا جائے جس میں حاکم نیشاپوری کہتے ہیں: "وقد ذكرت هذه الاخبار بشرحها فى كتاب مقتل الحسين عليه السلام و فيه كفاية لمن سمعه و عاه" المستدرک الصحیحین ۳: ۱۷۷، کو دیکھنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بات "مقتل الحسین" جس میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں روایات کو جمع کیا گیا ہے، میں موجود ہے۔

حاکم نیشاپوری کہتے ہیں: یہ ان احادیث میں سے ایک حدیث ہے جنھیں حسینؑ بن علیؑ کے قاتلوں نے گھڑا ہے (بحارالانوار: ۲۱/۲۹۱؛ عمدۃ القاری: ۱۱/۱۱۸)۔

حاکم اور ان جیسے افراد کا کلام اس غیرت وحمیت کو بتلا رہی ہے جو علمائے اہل سنت نے اس متعصب وانتہا پسند گروہ کے بارے میں ظاہر کی ہے اور احادیث کے مکمل طور پر من گھڑت ہونے پر گواہ وہی مطلب ہے جو ہم نے معاویہ کی مذمت کے سلسلے میں نقل کیا ہے۔ اس سلسلے میں دانش مند علما حضرات نے معاویہ اور ابوسفیان کی مذمت میں پیغمبر اکرمؐ کی احادیث کو جمع کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے کتابیں تالیف کی ہیں۔

علم حدیث کے بزرگ افراد اور اہل سنت کے حفاظ نے واضح طور پر بیان کیا ہے کہ معاویہ کی فضیلت کے بارے میں پیغمبر اکرمؐ کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے۔ بخاری نے اپنی صحیح کتاب میں صحابہ کے مناقب کو علیحدہ علیحدہ روایت کیا ہے اور وہ کہتے ہیں: باب "مناقب فلاں" باب "فلاں" جب معاویہ کی باری آتی ہے تو وہ کہتے ہیں: "باب ذکر معاویہ ابن ابی سفیان"۔

جیسا کہ ہم نے پہلے اشارہ کیا ہے کہ صحیح بخاری کے شارحین' باب معاویہ کے عنوان میں کلمہ مناقب نہ لانے کی وجہ یہ قرار دیتے ہیں کہ معاویہ کی فضیلت ومنقبت کے بارے میں پیغمبرؐ اکرم کی کوئی حدیث موجود نہیں اور اس چیز کو انھوں نے بالکل واضح طور پر بیان کیا ہے (رجوع کریں، فتح الباری: ۷/۸۱)۔

لہٰذا ان لوگوں کی تمام کوشش' معاویہ ویزید کی جاتی ہوئی آبرو کی حفاظت پر مبذول ہوئی ہے۔

عاشورہ کے حقائق میں تحریف

جب یہ متعصب انتہا پسند گروہ' اپنے مقصد یعنی یزید وبنوامیہ کی آبرو بچانے میں کامیاب نہیں ہوسکا تو اس نے عاشورہ کے حقائق میں دخل وتصرف کرنا شروع کیا اور اس سلسلے میں انھوں نے تحریفات انجام دیں۔ آپ مندرجہ ذیل موارد میں ذرا غور کیجیے:

① سید الشہداؑ نے اپنی شہادت اور اس سفر کے الٰہی وظیفہ ہونے کی پیش گوئی کی تھی

سید الشہداؑ کی شہادت کے سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کی گفتگو اس قدر واضح تھی کہ یہ خبر تمام لوگوں بل کہ گھروں میں خواتین کے کانوں تک بھی پہنچی تھی۔ ان تمام اوصاف کے باوجود بعض افراد کہتے ہیں: جب راستا میں سید الشہداؑ کو حضرت مسلمؑ بن عقیلؑ کی خبر پہنچی تو انھوں نے یہ ارادہ کرلیا کہ وہاں سے واپس چلے جائیں لیکن حضرت مسلمؑ کے بھائیوں نے انھیں واپس جانے سے منع کردیا۔ ابن جوزی اسی مورد میں اس طرح رقم طراز ہیں:

فهمّ أن يرجع قالوا: لا ترجع (رجوع کریں، المنتظم: ۵/۳۲۹)

"حضرت امام حسینؑ نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ واپس چلے جائیں لیکن انھوں نے کہا: آپ کو واپس نہیں جانا چاہیے۔"

احمد بن داؤد دینوری (متوفی ۲۸۲)، طبری، ذہبی، شیخ مفید اور دوسرے مؤرخین اس مورد میں اس طرح تحریر کرتے ہیں۔[1]

حضرت امام حسینؑ نے حضرت مسلمؑ کے بھائیوں سے فرمایا:

ماترون، فقد قتل مسلم؟ فقالوا: و الله ما نرجع حتّی نصيب ثأرنا أو نذوق ماذاق

فقال عليه السلام: لا خير في العيش بعد هولاء

"مسلم درجہ شہادت پر فائز ہو چکے ہیں، اب تمھاری کیا رائے ہے؟"[2]

انھوں نے کہا: خدا کی قسم! ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ان کا انتقام نہ لے لیں یا شہادت کا ذائقہ نہ چکھ لیں۔

امام ؑ نے فرمایا: ان کی شہادت کے بعد دنیا کی زندگی میں اب کوئی خیر نہیں ہے۔

---

(۱) الارشاد: ۲/ ۷۵، الاخبار الطوال: ۲۴۷، تاریخ طبری: ۳/ ۲۹۲-۳۰۰، الکامل فی التاریخ: ۳/ ۴۲، تھذیب الکمال: ۶/ ۴۲۷۔

(۲) البدایہ والنھایہ: ۸/ ۲۱۴، الاصابۃ: ۲/ ۷۱، تھذیب التھذیب: ۲/ ۳۰۴، سیرہ اعلام النبلاء: ۳/ ۳۰۸ تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔

یہ بات قطعی و ثابت شدہ ہے کہ مؤرخین نے اسے نقل کیا ہے لیکن اس کے باوجود ابن کثیر اور کچھ افراد اس کلام کی مولاؑ کی طرف نسبت دیتے ہیں تاکہ ان کی غرض و مقصد کو ظاہر کریں۔ ان میں سے کچھ افراد کہتے ہیں: حسینؑ بن علیؑ شب عاشورہ کو اپنے آنے پر نادم و پشیمان ہوئے (تاریخ طبری: ۱۴/۳۱۳)۔

تاریخی واقعہ کے حقائق کو توڑنے موڑنے کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ ان میں سے کچھ افراد اس طرح روایت گھڑتے ہیں کہ شب یا روز عاشورہ کو حسینؑ بن علیؑ نے شام جانے یا یزید کی بیعت کرنے یا کسی طرح اس سے تفاہم و معاملہ کرنے کے لیے تیار ہوئے۔ اس طرح کی روایات جعل کرنے کا مقصد واقعہ عاشورہ کو بے وقعت کرنا یا خود ان کے زعم کے مطابق یزید و بنو اُمیہ کی آبرو و عزت کا حصول ہے۔ کسی صورت میں بھی حقائق اس واقعہ کو مخفی نہیں رکھ سکتے ہیں۔

اہل سنت کے مؤرخ طبری اس بات کو مسترد کرتے ہیں اور اپنے سلسلۂ سند سے عقبہ بن سمعان سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتا ہے:

صحبت حسيناً فخرجت معه من المدينة الى مكّة و من مكّة الى العراق، و لم افارقه حتّى قتل، و ليس في مخاطبته الناس كلمة بالمدينة و لا بمكّة و لا في الطريق و لا بالعراق و لا في عسكر الى يوم مقتله الاّ و قد سمعتها: الا و الله ما أعطاهم ما يتذاكر الناس و ما يزعمون من أن يضع يده في يده يزيد بن معاوية......

"میں حضرت امام حسین علیہ السلام کے آغاز سفر سے ان کے ہم راہ تھا اور کسی وقت میں ان سے جدا نہیں ہوا اور مدینہ و مکہ کے لوگوں سے مولاؑ کی تقریروں کے وقت، راستوں میں عراق میں اور فوجوں کے نزدیک الغرض ہر مقام پر ان کی شہادت تک میں ان کے ساتھ تھا۔ خدا کی قسم! اس طرح

نہیں تھا جو لوگ خیال کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ مولاؑ بیعت کے لیے اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دینا چاہتے تھے“(تاریخ طبری:۱۴/ ۳۱۳ مقتل الحسینؑ [ابو مخنف]:۱۰۰)۔

عقبہ بن سمعان قسم کھا رہا ہے کہ ایسی بات نہیں تھی اور نہ ہی اس طرح ہونا چاہیے تھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام یزید کی بیعت کرنے کا ارادہ کریں؟ ہرگز ایسا نہیں ہے۔ یہ جھوٹ کے پلندے کس لیے؟ ان تمام کا مقصد وغرض مسلمانوں کے درمیان اس عظیم واقعہ کی اہمیت کو کم اور اس حادثہ کے بے نظیر اثرات کو ختم کرنا ہے کیوں کہ وہ چاہتے ہیں اس بہانہ سے وہ یزید و بنوامیہ کی حمایت کریں۔

دوسری ناکام کوششیں

ان تمام ناکام کوششوں کے باوجود جب وہ سید الشہدا علیہ السلام اور ان کی باعظمت تحریک میں کوئی کم زور نکتہ تلاش کرنے میں ناکام رہے تو پھر انھوں نے اس مقابلے کو ایک دوسری شکل دینا چاہی اور یہ کوشش کی کہ یزید کو قاتل ہونے سے بری قرار دیں اور اس مسئلے میں شک وتردید پیدا کریں لیکن یہ طریقہ بھی ناکام رہا۔

پھر انھوں نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا اور یہ کہنے لگے کہ حسینؑ بن علیؑ نے خلیفہ شرعی یزید کے خلاف قیام کیا اور وہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: بہت سارے صحابہ جن میں عبداللہ بن عمر بھی ہے نے یزید کی بیعت کی[1]

اب جب کہ حسینؑ بن علیؑ نے شرعی حکومت کے خلاف قیام کیا لہٰذا وہ خارجی ہیں اور ان کو قتل کرنا چاہیے تھا اور یہ قتل برحق انجام پایا ہے۔ یہ کوشش بھی نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی اور دوسری طرف معتبر کتابوں میں تاریخی تحقیق کے مطابق عبداللہ بن عمر نے پیسے لے کر اپنے آپ کو معاویہ کے ہاتھوں بیچ دیا۔

---

(۱) قابل ذکر بات یہ ہے کہ وہ ان بہت سے صحابہ میں سے فقط عبداللہ بن عمر کے نام پر اکتفا کرتے ہیں اور کسی دوسرے صحابی کا نام کتاب میں ذکر نہیں ہوا ہے۔ البتہ اس سے پہلے ہم نے عبداللہ بن عمر کی بیعت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ شرح قصیدہ الہمزیہ:۲۷۱۔

یہ واقعہ مکمل طور پر برعکس ہے یعنی جس نے بھی یزید کی بیعت کی چاہے وہ صحابہ میں سے ہو وہ یزید کے اعمال میں شریک ہے' نہ یہ کہ ان کی بیعت نے یزید کی حکومت کو شرعی حیثیت عطا کی ہے۔ یزید کی بیعت کا مطلب' اس کے جرائم و گناہوں میں شریک ہونا ہے اور ان لوگوں کی بے عدالتی اور غیر عادل ہونے کو ثابت کرتا ہے جنھوں نے یزید کی بیعت کی ہے۔ جس طرح اس کا باپ معاویہ اس کے تمام کاموں میں شریک ہے۔

ایک دوسرے گروہ نے گفتگو کو تبدیل کیا اور یزید کے قاتل ہونے کا اقرار کرنے کے ساتھ کہتے ہیں' شاید یزید نے توبہ کر لی ہو لہٰذا اس پر لعن طعن نہ کرو۔ یہ بات بھی بے فائدہ ہے۔ پھر انھوں نے ایک نیا روپ اختیار کیا اور یہ کہنے لگے: عاشورہ' عید کا دن ہے۔ یہ اس فرقہ صوفیہ کے سربراہ کا کلام ہے جس کی اب بغداد میں قبر عرفا کی زیارت گاہ ہے اور ہم اس کے بارے میں پہلے بیان کر چکے ہیں۔

انھوں نے پھر بھی اس محاذ آرائی سے ہاتھ نہیں اٹھایا اور کہا: حضرت امام حسین علیہ السلام شہادت کے درجہ پر فائز ہونے کے ذریعے عظیم و بلند مقام پر پہنچے ہیں لہٰذا کیوں ان کے لیے عزاداری کی جائے؟ تمھیں خوش حال ہونا چاہیے' بل کہ شدید ناراضگی و غصہ کی وجہ سے انھوں نے مقتل کے بارے میں پڑھنا حرام قرار دیا ہے تاکہ لوگوں کے سامنے کربلا کے واقعات و حقائق بیان نہ کیے جائیں لیکن یہ طریقہ بھی بے فائدہ ثابت ہوا۔

جی ہاں! وہ حیران و پریشان ہیں کہ انھیں کیا کرنا چاہیے؟ تکذیب مؤثر ثابت نہ ہو سکی' شک و تردید پیدا کرنے نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا۔ دفاع بھی درد کا مداوا نہ کر سکا اور توجیہ بھی غیر مؤثر ہوئی۔ بعض دوسرے افراد نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا اور وہ لکھتے ہیں: چوں کہ یزید صحابہ میں سے نہیں تھا لہٰذا ہم اس کا دفاع اور اس کے کاموں کی توجیہ نہیں کر سکتے ہیں۔

اس بات کا کیا مطلب ہے؟ یہ بات اس نظریہ کی طرف اشارہ ہے کہ جس کے مطابق ضروری ہے اصحاب کے تمام کاموں کی توجیہ کی جائے' کیوں کہ اہل سنت' تمام اصحاب رسولؐ کو مجتہد خیال کرتے ہیں۔ وہ اصحاب جو جنگ صفین کے لیے گئے اور جنھوں نے جنگ کا آغاز کیا

گویا انھوں نے اجتہاد کیا ہے۔ اگر یزید بھی صحابی ہوتا تو یقیناً وہ کہتے کہ اس نے اجتہاد کیا ہے اور اس کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

یزید نے فرزند دختر رسولؐ کو ان خصوصیات کے ساتھ شہید کیا ہے۔ لہٰذا اس نظریہ کی بنا پر زیادہ سے زیادہ وہ کہتے ہیں کہ اس نے خطاو غلطی کی ہے چوں کہ وہ مجتہد تھا لہٰذا معذور ہے اور شاید اس کو پاداش واجر بھی دیا جائے۔

جی ہاں! یہ لوگ اس نظریہ کے بل بوتے پر صحابہ کے غلط کاموں کی توجیہ کرتے ہیں۔

یزید کی تکفیر اور اس پر لعن

بالآخر یزید سے دفاع کے تمام طریقے ناکام ثابت ہوئے۔ اسی وجہ سے انجام شدہ تحقیق کے مطابق بعض بزرگ اہل سنت واضح طور پر یزید پر لعنت بھیجتے ہیں بلکہ اسے کافر قرار دیتے ہیں۔

احمد بن حنبل یزید کو کافر قرار دیتے تھے۔ ان کی اس نظر و رائے کو ابن جوزی اور شہاب الدین آلوسی نے اپنی تفسیر میں اور ابن حجر مکی اور دوسرے افراد نے نقل کیا ہے۔

ابن حجر اس بارے میں لکھتے ہیں:

انّ یزید بلغ من قبائح الفسق و الانحلال عن التقویٰ مبلغًا لا یستکثر علیه صدور تلک القبائح منه' بل قول الامام احمد بن حنبل بکفرہٖ' و ناهیک به علمًا و ورعًا بانّه لم یقل ذلک الاّ لقضایا وقعت منه صریحة فی ذلک ثبتت عندہٗ مقام احمد بن حنبل (شرح قصیدہ الہمزیہ: ۲۷۰-۲۷۱)

ابن حجر کے قول کے مطابق احمد بن حنبل کا مقام' تقویٰ و ورع کے لحاظ سے بلند و عظیم ہے۔ ان اوصاف کے باوجود اگر احمد کسی کو واضح طور پر کافر قرار دے تو حتماً اس کی وجہ و سبب وہ کام ہیں جو اس فرد سے سرزد ہوئے ہیں۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ احمد بن حنبل کے نزدیک یزید سے ان کاموں اور گناہوں کا

ارتکاب ثابت تھا اس لیے انھوں نے یزید بن معاویہ کے کفر کا حکم لگایا ہے۔

یزید پر لعن کے معتقد علما

علمائے اہل سنت کی ایک جماعت واضح طور پر یزید پر لعنت بھیجتی ہے بل کہ ان میں سے کچھ اسے کافر قرار دیتے ہیں کہ جن کے نام درج ذیل ہیں:

قاضی ابویعلی فرا' حافظ ابوالفرج ابن جوزی' حافظ ابوالحسن ہیثمی' سعدالدین تفتازانی' حافظ شیخ عبدالصمد بن حسن[1] شیرازی' حافظ جلال الدین سیوطی' شہاب الدین آلوسی بغدادی' شہاب الدین ابن حجر مکی' علامہ برزنجی اور شیخ محمد عبدہ۔[1]

البتہ ابن حجر کے علاوہ دوسرے افراد نے احمد بن حنبل کے فتوئ کفر یا یزید بن معاویہ پر لعنت کے حکم کو روایت کیا ہے۔ اب ان تمام اوامر کے باوجود اگر کچھ افراد احمد بن حنبل کی کلام کی تکذیب کرتے ہوئے یہ کہیں کہ یہ مطلب احمد بن حنبل کی طرف سے ثابت نہیں اور معلوم نہیں کہ احمد نے اس طرح کہا ہے تو ہم ان کے جواب میں کہیں گے: اگر احمد نے یزید کے کفر کا فتوئ نہ دیا ہو تو وہ بھی ان لوگوں کی مانند ہوں گے جنھوں نے حق بات اور حقیقت و واقعیت کو بیان کرنے سے اجتناب کیا ہے اور یزید کے مظالم میں شریک ہوئے ہیں۔

تفتازانی کا نظریہ

سعدالدین تفتازانی شرح مقاصد میں لکھتے ہیں:

انّ ما وقع بین الصحابة من المحاربات و المشاجرات علی الوجه المسطور فی کتب التواریخ' و المذکور علی السنة الثقاة' یدلّ بظاهره علی أنّ بعضهم قد حاد عن طریق الحق

---

(۱) انساب الاشراف: ۱۳/ ۳۹۳، سمعانی اپنی کتاب الانساب میں حافظ شیخ عبدالصمد شیرازی کی تعریف کرنے کے بعد لکھتا ہے: ...... وہ تمام صفات کے باوجود ایک سمجھ دار اور صاحب علم شخص ہے اور اس نے صرف یزید بن معاویہ' عبدالملک مروان اور تمام بنوامیہ پر لعنت کی ہے [روح المعانی: ۲/۱۳۶۷، شہاب الدین آلوسی نے اس کا نام اور اس کی عبارت کو ذکر کیا ہے]' (اہل مصر اور اہل سنت کے متاخر علما میں سے ہے)۔

و بلغ حدّ الظلم و الفسق

''صحابہ کے مابین جو جنگیں و نزاع واقع ہوا ہے اور تاریخ نے انھیں قلم بند کیا اور اہل صدق کی زبان پر جاری ہوا وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بعض صحابہ برحق راستہ سے خارج اور ظلم و فسق سے دوچار ہوئے ہیں۔''

اس بات کی بنا پر کچھ صحابہ کا فاسق ہونا اور مسیرِ حق سے ان کے خارج ہونے کے سلسلے میں سعدالدین تفتازانی کا اقرار مسلم ہے۔ اس نے صحابہ کرام سے ان افعال کے سرزد ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے اس بات کا اضافہ کیا ہے:

و کان الباعث له الحقد و العناد و الحسد و اللداد و طلب الملك و الرياسة و الميل الى اللذات و الشهوات' اذ ليس كلّ صحابي معصومًا و لا كلّ من لقي النبي صلى الله عليه و آله بالخير موسومًا' الاّ أنّ العلماء لحسن ظنّهم بأصحاب رسول الله صلى الله عليه و آله ذكروالها محامل و تأويلات بهاتليق......

''جو چیز اس ظلم و فسق کا باعث بنی وہ کینہ و عناد' حسد' دشمنی' طلبِ دنیا' حبِ ریاست اور خواہشات و لذاتِ نفسانی کی طرف رغبت ہے کیوں کہ ہر صحابی معصوم نہیں ہے اور اس طرح نہیں کہ جو شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے وہ نیک و اچھا مگر یہ کہ علمائے کرام نے حُسنِ ظن کے ذریعے اصحاب کے کاموں کو قرار دیا ہے۔''

پس تفتازانی کے قول کے مطابق صحابہ یقیناً فسق و گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس دعویٰ پر شاہد مندرجہ ذیل کلام ہے:

و أمّا جرى بعدهم من الظلم على أهل البيت النبي صلى الله عليه و آله فمن الظهور بحيث لا مجال للاخفاء و من

الشناعة بحيث لا اشتباه على الآراء، اذتكاد تشهد بها الجماد و العجماء و يبكي له من في الأرض و السماء و تنهد منه الجبال و تنشق الصخور، و يبقى سوء عمله على كرّ الشهور و مرّ الدهور، فلعنة على من باشر أو رضى أو سعى "وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰی" (سورۂ مبارکہ طٰہٰ، آیت ۱۲۷)

"اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور ظلم وستم واضح اور روز روشن کی طرح عیاں تھے اور نزدیک تھا کہ زمینیں اور سنگ ریزے اس کی گواہی دیتے اور آسمانوں وزمین میں موجود تمام اشیا نے ان مظالم پر گریہ کیا۔ پہاڑوں نے اس ظلم کی وجہ سے غم ناک آہ کھینچی اور پتھر شگافتہ ہوئے اور ان جرائم کا بدنما دھبہ ماہ تاب وزمان کی پیشانی پر ہمیشہ کے لیے باقی رہ گیا۔

پس خداوند عالم کی لعنت ہو ہر اس شخص پر جو ان کے ہم راہ ہوا یا ان کے ساتھ اس نے کوشش کی یا ان کے کاموں سے وہ راضی وخوش نود ہوا۔

"بے شک آخرت کا عذاب سخت اور اس کی بقا زیادہ ہے"۔

تفتازانی کلام کو جاری رکھتے ہوئے ایک سوال پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فان قيل: فمن علماء المذهب من لم يُجوّز اللعن على يزيد مع علمهم بأن يستحق ما يربو على ذالك و يزيد.

قلنا: تحاميًا عن أن يرتقي الى الأعلى فالأعلى......

"پس اگر کوئی شخص یہ کہے علمائے مذہب یزید پر لعنت کو صحیح جانتے ہیں تو پھر اس پر لعن طعن کو جائز کیوں نہیں سمجھتے؟ اس کے جواب میں یہ کہنا چاہیے: اس سے پہلے خلفا پر لعن کے سلسلے میں پیش رفت نہ کرنے کی وجہ سے......" (شرح مقاصد: ۲/۳۰۶-۳۰۷)

جی ہاں! اگر یزید پر لعنت کی جائے تو لعنت کا سلسلہ بہت آگے تک بڑھتا ہوا اس کے باپ تک جا پہنچے گا اور معاویہ سے بھی آگے سرایت کر جائے گا۔

اسی وجہ سے جس وقت حافظ عبدالمغیث بن زهیر حنبلی بغدادی سے لوگوں نے پوچھا' تم یزید پر لعنت کرنے سے منع کیوں کرتے ہو؟

اس نے جواب دیا:

انما قصدت كف الا سنة عن لعن الخلفاء و الا فلو فتحنا هذا لكان خليفة الوقت أحق باللعن (رجوع کریں: سیر و اعلام النبلاء:۲۱/۱۶۱)

"میرا ارادہ یہ ہے کہ خلفا پر لعن طعن کرنے والی زبانوں کو لگام دوں' اگر ایسا نہ کیا گیا تو خلیفہ وقت لعن کا زیادہ مستحق ہے۔"

لہٰذا اس بیان کے ذریعے ان لوگوں کا مقصد واضح ہو جاتا ہے جو یزید پر لعنت سے روکتے ہیں۔ شاید یہ لوگ بھی یزید کو لعنت کا مستحق سمجھتے تھے لیکن لعنت کا سلسلہ آگے نہ بڑھے اس لیے یزید پر لعنت سے منع کرتے تھے۔

طبری اور لعن یزید

طبری اپنی تاریخ میں معتضد عباسی کا ایک حکومتی متن روایت کرتا ہے: معتضد' بنو عباس کا ایک خلیفہ تھا اور اس نے بنو اُمیہ و معاویہ اور یزید کی مذمت کے بارے میں ایک حکومتی بیان اسی طرح جاری کیا:

و منه ايثاره بدين الله و دعاوة عباد الله الى ابنه المتكبر الخمير' صاحب الديوك و الفهود و القرود' و أخذه البيعة له على خيار المسلمين بالقهر و السطوة و التوعيد و الاخافة و التهديد و الرهبة' و هو يعلم سفهه و يطلع على خبثه و رهقه' و يعاين سكرانه و فجوره و كفره

"...... معاویہ نے لوگوں کو اپنے متکبر و شراب خور اور مستی

طرف دعوت دی اور اس نے مسلمانوں میں سے برجستہ افراد سے طاقت، وعدہ، دھمکی، خوف و ہراس اور جلاوطنی کے بل بوتے پر بیعت لی حالاں کہ خود اس کا باپ اپنے بیٹے کی حماقت و سفاہت اور اس کی خباثت و پستی سے آگاہ تھا اور اس نے اپنی آنکھوں سے اس کی شراب خوری و گناہ اور کفر کا ملاحظہ کیا تھا۔"

اس عبارت میں آپ غور کیجئے! وہ کہتا ہے:

و ھو یعلم سفھه

"معاویہ یزید کی حماقت سے آگاہ تھا۔"

یہ اہم نکتہ ہے کیوں کہ ابن خلدون جیسے کچھ علمائے اہل سنت کہتے ہیں: ہم معاویہ کے عمل کو صحت پر حمل کریں گے اور یہ کہ اس نے یزید کو اس طرح زبردستی ڈرا دھمکا اور قتل و دھمکی کے ذریعے یہ کام سونپ دیا شاید وہ اپنے بیٹے کو نہیں پہچانتا تھا اور اسے اس کے حالات سے آگاہی نہ ہو۔ معتضد عباسی اس حکومتی بیان میں مزید یہ لکھتا ہے:

فلمّا تمكّن منه ما مكّنه منه و وطّاه له، و عصى الله و رسوله، طلب بثارات المشركين و طوائلهم عندالمسلمين، فأوقع بأهل الحرّة الوقعية الّتي لم يكن في الاسلام أشنع منها و لا أفحش، ممّا ارتكب من الصالحين فيها...... فقال مجاهرًا بكفره مظهرًا الشركه

ليت أشياخي ببدر شهدوا

جزع الخزرج من وقع الأسل

"......جس وقت یزید نے حکومت سنبھالی اور تمام چیزیں اس کے لیے فراہم ہو گئیں تو اس نے خدا و رسولؐ کے فرمان سے منھ پھیر لیا اور مشرکین کا بدلہ لینے کے لیے مسلمانوں میں اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے

لگا اور وہ اہل مکہ کے لیے ایسے واقعہ کا سبب بنا کہ اس سے بدتر و فاحش واقعہ تاریخ اسلام میں نہیں ملتا ہے...... اس کا کفر واضح و آشکار اور اس کا شرک ظاہر تھا۔

اس نے کہا: اے کاش! (جنگ بدر میں مارے جانے والے) بزرگان ہمارے قبیلہ میں سے تھے اور بڑی بے تابی سے خزرج کا ہماری تلوار سے مارے جانے کا مشاہدہ کرتے۔"

جی ہاں! ان تاریخی حقائق سے کئی صدیاں گزر جانے کے بعد آج انٹرنیٹ کی ویب سائٹس میں کتب بنو اُمیہ و ابن تیمیہ کے شاگرد واقعہ حرہ کے بارے میں لیت و لعل سے کام لینے اور اس بدنما داغ کو یزید اور خاندانِ بنو اُمیہ سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔

معتضد عباسی یزید کی شخصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

هذا هو المروق من الدين و قول من لا يرجع الى الله و لا الى دينه و لا الى كتابه و لا الى رسوله و لا يؤمن بالله و لا بماجاء من عندالله

"(یزید) وہی شخص ہے جس نے دین سے منہ پھیرا اور اس کی گفتگو ایسے شخص کا کلام ہے جو نہ خدا، نہ دین، نہ قرآن اور نہ ہی رسولؐ خدا پر اعتقاد رکھتا ہے۔ وہ خدا اور اس کی جانب سے ہر چیز کا منکر اور اس پر ایمان نہیں رکھتا ہے۔"

پھر وہ اس تحریر میں واقعہ عاشورہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لکھتا ہے:

ثمّ من أغلظ ما انتهك و أعظم ما اخترم، سفكه دم الحسين بن على و ابن فاطمه بنت رسول الله صلى الله عليه و آله مع موقعه من رسول الله صلى الله عليه و آله و مكانة منه و منزلته من الدين و الفضل، و شهادة رسول الله صلى الله

علیه و آله له ولآخیه بسیادة شباب أهل الجنّة
اجتراءً علی اللّٰه، و کفرًا بدینه، و عداوة لرسوله، و مجاهدة لعترته، و استهانةً بحرمته. فکأنّما یقتل به و بأهل بیته قومًا من کفّار أهل الترك و الدیلم، لا یخاف من اللّٰه نقمةً و لا یرقب منه سطوةً، فبتر اللّٰه عمره و اجتثّ أصله و فرعه، و سلبه ما تحت یده، و أعدّ له من عذابه و عقوبته ما استحقّه من اللّٰه بمعصیته

''اس نے بڑی بے رحمی سے جنگ حرمت کا ارتکاب کرتے ہوئے عظیم تابودی کو اپنا مقدر بنا لیا، خون فرزند علیؑ و فاطمہؑ دختر رسولؐ خدا یعنی حسینؑ سے اپنے ہاتھوں کو رنگا وہ حسینؑ کہ رسولؐ خدا کے نزدیک جن کا مقام دین داری و فضیلت کے لحاظ سے بلند و بالا تھا اور رسولؐ خدا نے یہ گواہی دی کہ وہ اور ان کا بھائی جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ یہ تمام اعمال و افعال، خدا سے لاپرواہی، دین کا انکار، رسولؐ خدا ان کے اہل بیت علیہم السلام سے دشمنی اور حرمِ الٰہی کی اہانت کی بنا پر انجام پائے۔

انھوں نے اہل بیت علیہم السلام سے اس طرح جنگ و قتال اور ان کو ختم کرنے کی کوشش کی جیسے وہ دیلم و ترک کے علاقے کے کفار سے مقابلہ کر رہے ہیں اور ان تمام اُمور کے باوجود وہ عذابِ الٰہی سے خوف زدہ نہیں ہوئے۔ معتضد عباسی اس تحریر کے خاتمے پر ان لوگوں کو موردِ نفرت قرار دیتا ہے'' (تاریخ طبری: ۸/۱۸۷-۱۸۸)۔

البتہ قرآن و روایات میں ہے: حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضل و برتری پر بہت زیادہ مطالب موجود ہیں لیکن سیدالشہداء علیہ السلام اور اہل بیت علیہم السلام کے فضائل و مناقب کے اثبات کے لیے آیتِ مودّت کافی ہے۔

آلوسی کا نظریہ

اہل سنت کے ایک اور عالم دین جو واضح طور پر یزید پر لعنت کرتے ہیں' آلوسی ہیں۔

اس سلسلے میں وہ آیت مبارکہ:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (سورۂ مبارکہ محمد' آیت ۲۲)

کے ذیل میں تحریر کرتے ہیں' علمائے کرام نے اس آیہ شریفہ کے مطابق یزید پر لعن طعن کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

برزنجی کتاب ''الاشاعہ'' اور ابن حجر مکی کتاب ''الصواعق المحرقہ'' میں امام احمد بن حنبل سے نقل کرتے ہیں کہ جب احمد بن حنبل کے بیٹے عبداللہ نے اپنے والد سے یزید پر لعنت کے بارے میں سوال کیا تو احمد نے کہا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس شخص پر لعنت نہ کی جائے جس پر خداوند عالم نے قرآن مجید میں لعنت کی ہے۔

عبداللہ کہتا ہے: میں نے اپنے والد گرامی سے عرض کیا: میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن میں نے یزید پر لعنت کا مشاہدہ نہیں کیا تو امام احمد بن حنبل نے کہا:

> انّ الله تعالی یقول: "فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ" و ای فساد و قطیعة أشدّ ممّا فعله یزید؟
>
> ''خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ''پس اگر تم تخت حکومت پر بیٹھ جاؤ تو کیا فقط تم سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ تم زمین پر فساد پھیلاؤ اور قطع رحمی کرو؟'' واقعاً اس فساد و گناہ سے بڑھ کر کون سا گناہ و فساد ہے جس کا یزید نے ارتکاب کیا ہے؟''

آلوسی مزید لکھتے ہیں: اس بنا پر یزید پر لعنت کے سلسلے میں توقف کا شکار نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ وہ ایک بدکردار انسان تھا اور اپنی حکومت کے دوران عظیم گناہوں کا مرتکب ہوا ہے۔

آلوسی ان باتوں کو نقل کرنے کے بعد خدا، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت کو خداوند تعالیٰ سے ان افراد کے لیے طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

و الطامة الکبری ما فعله بأهل البیت و رضاه بقتل الحسین علی جدّه و علیه الصلاة و السلام- و استبشاره و اهانته لأهل بیته ممّا تواتر معناه......

"وہ عظیم مصیبت جس سے انھوں نے اہل بیت علیہم السلام کو دوچار کیا انھوں نے ایک دوسرے کو قتل حسینؑ کی بشارت دی اور اہل بیت علیہم السلام کو مورد اہانت قرار دیا۔"

یہ تمام اُمور (سید الشہداءؑ کی شہادت کی خبر) ایسے مسائل ہیں جو معنوی تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان تمام اوصاف کے باوجود ایسے افراد ملتے ہیں جو کہتے ہیں: اس مطلب کی سند کہاں ہے؟ ممکن ہے اس مطلب میں تحریف ہوئی ہو؟

شہاب الدین آلوسی کا عقیدہ وفکر کے لحاظ سے اہل بیت علیہم السلام سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے وہ یہ کہتے ہیں:

وقد جزم بکفره و صرّح بلعنه جماعة من العلماء، منهم: الحافظ ناصر السنّة ابن الجوزی، و سبقه القاضی أبو یعلی، و قال العلامة التفتازانی: لا نتوقف فی شأنه بل فی ایمانه، لعنة الله تعالی علیه و علی انصاره و اعوانه و ممّن صرّح بلعنه: الجلال السیوطی.

وفی تاریخ ابن الوردی و کتاب الوافی بالوفیات: انّ السبّی لمّا ورد من العراق علی یزید خرج فلقی الأطفال و النساء من ذریّة علیّ و الحسین رضی الله تعالی عنهما و الرؤوس علی أطراف الرماح و قد اشرفوا علی ثنیّة جیرون، فلمّا

بر آهم نعب غراب فانشأ يقول......

"بزرگ علما کی جماعت جو یزید کے کفر کے معتقد اور واضح طور پر اس پر لعنت کی وضاحت کرتے ہیں من جملہ ان میں سے درج ذیل ہیں:

ناصر سنت حافظ ابن جوزی اور اس سے پہلے قاضی ابو یعلی ہے اور علامہ تفتازانی کہتا ہے: مجھے اس کی بدزبانی بل کہ اس کے ایمان میں میں توقف کا شکار نہیں اور خداوند عالم کی لعنت ہو اس پر اور اس کے ساتھیوں پر اور ساتھیوں کے ساتھیوں پر۔

یزید پر واضح طور پر لعنت کرنے والوں میں ایک جلال الدین سیوطی ہے تاریخ ابن وردی اور کتاب الوافی بالوفیات میں اس طرح ذکر ہوا ہے:

جس وقت عراق سے اسیران اہل بیت علیہم السلام کو یزید کے پاس لایا گیا تو اس نے خاندان علی وحسین رضی اللہ تعالی عنہما کی عورتوں و بچوں اور نوک نیزہ پر سروں کا مشاہدہ کیا اور جب کوے کی صدا آ رہی تھی تو اس نے اشعار پڑھے۔"

قاضی ابو یعلی اہل سنت کی ایک نامی گرامی شخصیت ہے۔ ابن تیمیہ اس کی باتوں پر بہت اعتماد کرتا ہے اور کتاب "منہاج السنۃ" میں اس سے بہت کچھ منقول ہوا ہے لیکن وہ اس موضوع میں ابو یعلی کی اتباع کرنے اور اس کی بات قبول کرنے کے لیے حاضر نہیں ہے کیوں کہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ دشمنی اسے اس طرح پیروی کی اجازت نہیں دیتی ہے۔

آلوسی اس سلسلے میں مزید تحریر کرتے ہیں:

ان اشعار کا پڑھنا اس کے واضح کفر کی حکایت کرتا ہے اور میرے عقیدہ کے مطابق یزید ایسا خبیث شخص ہے جس کا پیغمبر اکرم پر کوئی ایمان نہیں اور اس کی زندگی یا موت کے بعد اہل مکہ وحرم الٰہی اور پیغمبر اکرم کے اہل حرم کے سلسلے میں جو کچھ انجام پایا وہ قرآن مجید کے ایک ورق کو نجاست میں ڈالنے سے کم نہیں ہے۔

کیوں کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس طرح کا کام انجام دے تو تمام علما اس کے کفر کا فتوئی دیتے ہیں اور میرے خیال میں بزرگ مسلمانوں پر یزید کے حالات و رفتار پوشیدہ اور تاریخ ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے لیکن صرف ایک سبب کی بنا پر بزرگ مسلمانوں نے اس کے خلاف قیام اور اس کی مخالفت نہیں کی اور وہ اس کی حکومت کا رعب و دبدبہ اور ان پر حاکمیت و غلبہ تھا (روح المعانی: ۲۶/۷۲)۔

آلوسی اس گفتگو کے ذریعے صحابہ و غیر صحابہ اور تابعین میں سے ان افراد کے لیے حیلہ و بہانہ تراشنا چاہتا ہے، جنھوں نے ان جرائم کے مقابلے میں سکوت اور یزید کے مقابلے میں قیام نہیں کیا۔ کیا واقعی یہ عذر و بہانہ قابل قبول ہے؟

ابن حزم اندلسی کا نظریہ

ابن حزم اندلسی یزید کے بارے میں لکھتے ہیں:

و من قام لغرض دنیا کما فعل یزید بن معاویه لانهم لا تاویل لهم اصلاً و هو بغي مجرد (رجوع کریں، المحلی: ۱۱/۹۸)

"یزید نے دنیا اور دنیاوی حکومت کے لیے قیام کیا اور اس سلسلے میں کسی قسم کی توجیہ نہیں کی جا سکتی ہے اور یہ فقط ایک سرکشی و طغیانی ہے۔"

اس نکتہ کا ذکر ضروری ہے کہ یہی ابن حزم اہل بیت علیہم السلام کے دشمنوں میں سے تھا اور اس چیز کو مؤرخین نے اس کے حالات زندگی میں قلم بند کیا ہے۔

قاضی شوکانی کا نظریہ

قاضی شوکانی بھی یزید کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

لقد أفرط بعض اهل العلم، کالکر امیه و من و افقهم في الجمود علی أحادیث الباب حتی حکموا بأنّ الحسین السبط (رضی الله تعالی عنه) باغ علی الخمیّر السکیر، الهاتك

لحرمة المطهرة، يزيد بن معاوية بيا للعجب من مقالات تقشعر منها الجلود...... (رجوع کریں، نیل الاوطار: ۷/ ۳۶۲)

"فرزند دختر رسولؐ کی بغاوت کا حکم لگانے والے بعض اہل علم حضرات افراط کا شکار ہوئے ہیں۔ حسینؑ نے ایک شراب خوار اور خانۂ الٰہی کی حرمت پامال کرنے والے شخص یعنی یزید کے خلاف قیام کیا۔ بدن لرزا دینے والی ان کی باتوں پر متعجب ہوں۔"

قاضی شوکانی نے اس بات کے ذریعے عبدالمغیث زہیر حنبلی بغدادی یا ابن عربی جیسے افراد کے نظریہ کی طرف اشارہ کیا ہے' جن کے نظریات ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

ایک دوسرے کے مخالف نظریات

قابل ذکر نکتہ' بعض اہل سنت علما کا متضاد و متناقض موقف اور اختلاف نظر ہے۔ مثال کے طور پر جیسا کہ ہم نے نقل کیا ہے کہ ابن حجر مکی قصیدہ ہمزیہ کی شرح میں یزید کو ملامت اور اس کی سرزنش کرتا ہے لیکن ایک دوسری کتاب بنام "الفتوی الحدیثیہ" میں یزید کے قاتل ہونے اور یہ کہ سید الشہداؑ کی شہادت اس کے حکم کی بنا پر تھی' میں تردید و شک کرتا ہے' بلکہ وہ چاہتا ہے کہ اس کا بھی انکار کرے (الفتوی الحدیثیہ: ۱۹۳)۔

ذہبی بھی اس تناقض گوئی سے دوچار ہوا ہے وہ ایک جگہ پر ایک قسم کی غیر جانب داری کے ساتھ کہتا ہے: ہم نہ تو یزید کو اپنا دوست سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کی سرزنش اور اسے فحش کہتے ہیں اور ایک دوسرے مقام پر وہ کہتا ہے:

كان يزيد بن معاوية ناصبيًا فظًا غليظًا يتناول المسكر و يفعل المنكر افتتح دولته بقتل الشهيد الحسين و اختتمها بواقعة الحرّة، فمتقه الناس فلم يبارك في عمره......

"یزید دین سے خارج ہوا ہے اور وہ ایک ایسا سنگ دل و احمق شخص ہے جو ہمیشہ نشے میں چُور رہتا تھا۔ وہ نہایت قبیح اعمال کا مرتکب ہوا ہے۔ حضرت

امام حسین علیہ السلام کے قتل کے ذریعے اس کی حکومت کا آغاز اور واقعہ حرہ کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوا ہے اور لوگوں کی نفرین و لعنت کی وجہ سے اس کی عمر میں برکت پیدا نہ ہو سکی" (سیرہ اعلام النبلاء، ۴: ۳۷-۳۸)۔

جیسا کہ ہم نے احیائے علوم الدین سے نقل کیا ہے: غزالی بھی تناقض گوئی کا اظہار کرتا ہے۔ تم یزید پر لعنت نہ کرو اور ذکر پڑھنا' لعنت کرنے سے بہتر ہے کیوں کہ شاید یزید نے سیدالشہداء علیہ السلام کے قتل کا حکم نہ دیا ہو اور شاید اس نے توبہ کر لی ہو لہٰذا اس کے لیے بخشش و مغفرت طلب کرو۔ غزالی اپنی ایک دوسری کتاب بنام "سر العالمین و کشف ما فی الدارین" کہ جو اس نے اپنی اواخر عمر میں تالیف کی ہے' میں اس کے برعکس لکھتا ہے اور یزید کو مورد سرزنش قرار دیا ہے۔[1]

البتہ بعض افراد کہتے ہیں: یہ کتاب ابو حامد غزالی کی تالیف نہیں اور غزالی کی طرف اس کتاب کی نسبت کے سلسلے میں تردید کا شکار ہوئے ہیں۔ جیسا کہ کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" کی ابن قتیبہ کی طرف نسبت کے سلسلے میں شک و تردید موجود ہے۔ پہلے اس بات کی طرف اشارہ ہو چکا ہے کہ کتاب "الطبقات الکبریٰ" کو شائع کیا گیا ہے لیکن حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہما السلام کے متعلق اس کے حصہ کو شائع نہیں کیا گیا ہے۔

جی ہاں! حقائق میں تحریف کرنے والے افراد مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں۔ کبھی کتاب کو شائع نہیں کرتے اور کبھی کتاب کا انکار کرتے ہیں اور کبھی ان علما و دانش مند حضرات کے وجود کا انکار کر دیتے ہیں' جنھوں نے اس دنیا میں ساٹھ یا ستر سال زندگی بسر کی ہے لیکن یہ لوگ کہتے ہیں ایسا کوئی شخص موجود نہیں تھا۔

مثال کے طور پر صاحب کتاب "لماذا اخترت مذهب الشيعة الاماميه" شیخ احمد امین انطاکی کے بارے میں یہ لوگ کہتے ہیں: ایسا کوئی فرد موجود نہیں تھا اور یہ شخص شیعوں کی طرف سے خود ساختہ ہے۔

---

(۱) سر العالمین: ۲۳، قابل ذکر ہے کہ یہ کتاب حدیث غدیر اور یہ کہ بعض اصحاب کے بیعت توڑنے کے متعلق مطالب کو بیان کیا ہے اور تمام چیزوں کو ظاہر کیا ہے۔ کچھ علما یہ احتمال دیتے ہیں کہ یہ شخص اواخر عمر میں مستبصر ہو گیا تھا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ شیخ محمد امین اور شیخ احمد امین دو بھائی تھے۔ جب انھوں نے عراق کی طرف سفر کیا تو ہمارے گھر مقیم ہوئے اور میں نے کئی بار صبح و شام کھانے کی مہمانی کا شرف حاصل کیا اور ان کے لیے بستر بچھایا اور اب کچھ وہابی حضرات لکھتے ہیں: اس شخص کو شیعوں نے بنایا ہے اور اس نام کا کوئی شخص موجود نہیں حالاں کہ ہم نے اپنے گھر میں ان کے ساتھ تصویریں بھی بنائی ہیں۔

گراں قدر کتاب ''عبقات الانوار'' کے مصنف نے شواہد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ ''سرالعالمین'' کتاب غزالی کی ہے اور اس سلسلے میں خود ذہبی کہ جس نے کتاب ''میزان الاعتدال'' میں سرالعالمین سے مطلب نقل کیا ہے، سے اسی مطلب پر شاہد پیش کیا ہے۔ جس طرح ذہبی نے ابن قتیبہ کی کتاب ''الامامۃ والسیاسۃ'' سے مطالب کو پیش کیا ہے۔

وہ نقل کے ذریعے اس کتاب کے وجود کو بھی ثابت اور ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اہل فن و تشخیص کے بقول ان کے پاس اس کتاب کا وہ نسخہ موجود ہے جو تیسری صدی کی طرف لوٹتا ہے اور اب بھی قومی اسمبلی تہران کے کتاب خانہ میں یہ کتاب محفوظ ہے۔ میں نے خود اس کتاب کے نسخے کو دیکھا ہے اور اس پر بعض بزرگ اہل سنت کی مہر موجود ہے۔

اس کتاب کا موجودہ کتاب کے ساتھ مقائسہ جو ''الامامۃ والسیاسۃ'' کے نام سے ہے بالخصوص اہم موارد میں ان دو نسخوں کے درمیان کسی قسم کا فرق نہیں ہے۔ اس بنا پر یہ تمام طریقے وہتھکنڈے بے فائدہ ثابت ہوئے اور ان کا مقصد پورا نہیں ہو سکا[1]

خلاصہ

اب تک پیش کردہ مطالب کا خلاصہ درج ذیل ہوگا:

---

(1) ان شرائط میں آقا عزیز طباطبائی رحمہ اللہ جیسی بزرگ شخصیت نے نہایت مشقت و زحمت برداشت کر کے کتاب خانوں سے نسخوں کو لے کر انھیں شائع کروایا ہے۔ اسی طرح آقائے محمودی رحمہ اللہ نے بھی بعض خطی نسخوں انساب الاشراف بلاذری کو دریافت کیا اور پھر چاپ کروایا ہے۔

(۱) یزید نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں معاویہ کو محبت کی وجہ سے وصیت نہیں کی تھی بل کہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ تھا۔

(۲) حجاز میں حکومتی گورنروں کا پروگرام سید الشہداء علیہ السلام کو مکہ سے باہر نکالنا تھا:

(الف) مدینہ کے گورنر ولید بن عقبہ کا سید الشہداء علیہ السلام کے ساتھ سلوک۔

(ب) مکہ کے گورنر عمرو بن سعید کا طور طریقہ اتفاقی نہیں تھا بل کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا۔

(ج) کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر کا کوفہ میں حضرت مسلم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ رفتار و گفتار۔

(۳) سید الشہداء علیہ السلام کو لکھے گئے خطوط ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔

(۴) حضرت امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور وہ اپنے قاتلوں کو پہچانتے تھے۔

(۵) سید الشہداء علیہ السلام کی یزیدیوں کے ناپاک عزائم سے متعلق پیش گوئی۔

(۶) سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں معاویہ کے کردار کا واضح ہونا۔

(۷) واقعہ عاشورہ میں یزید کے کردار کی کیفیت۔

(۸) واقعہ کربلا میں اہل کوفہ کے کردار کی وضاحت۔

(۹) حضرت امام حسین علیہ السلام کو دعوت دینے والے ہی ان کے قاتل تھے۔

بیان شدہ مطالب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سید الشہداء علیہ السلام کے قاتلوں کا تعلق بنوامیہ کے اس گروہ کے ساتھ تھا جو کوفہ میں موجود تھا یا پھر خوارج یا ان لوگوں کے ساتھ تھا جو فوج کے عنوان سے شام سے کربلا روانہ ہوئے تھے۔

عمر سعد کی فوج کے کمانڈروں کی پہچان و شناخت کے سلسلے میں تحقیق میں ہم نے کسی ایسے فرد کو نہیں پایا جو شیعہ ہو جو لوگ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سید الشہداء علیہ السلام کے قاتل شیعہ تھے انھیں معین کرنا چاہیے اور ان افراد کے نام لینے چاہئیں جو امیر المومنین علیہ السلام کی امامت کے قائل

تھے اور ان کے نام سید الشہداؑ کے قاتلوں میں درج ہوئے ہیں۔

وہ ہرگز ایسے دعویٰ کو ثابت نہیں کر سکتے ہیں اور ان کے دعویٰ کے برخلاف سید الشہداؑ کے اصحاب میں ایسے بزرگ قاری قرآن اور پرہیزگار افراد موجود تھے جو اس زمانہ میں لوگوں میں معروف اور قابل احترام تھے۔

.......✿.......

آخری حصّہ

واقعہ کربلا سے متعلّق

بعض مسائل پر ایک اجمالی نظر

دنیا میں پیدا ہونے والے بعض انقلابات اور حادثات

تاریخ واقعہ عاشورہ کے بارے میں جو تین حصے مورد بحث قرار پائے تھے۔ وہ مکمل ہو چکے ہیں اور آخری حصہ میں ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ واقعہ کربلا کے بعد پیش آنے والے بعض واقعات کی یاددہانی کرائی جائے۔

واقعہ کربلا کے بعد کچھ ایسے حوادث رونما ہوئے ہیں جن کے ذکر کرنے سے مومنین کے قلوب کو جلا ملتی ہے اور منافقین کے شکوک و شبہات برطرف ہو جاتے ہیں۔ البتہ اہل سنت کے ساتھ بحث کے دوران ان واقعات کو ان کی معتبر کتب سے نقل کرنے اور سند کے ساتھ ذکر کرنے سے ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں تحقیق کے لیے درج ذیل منابع و مآخذ سے استفادہ کر سکتے ہیں:

- دلائل النبوۃ ابوبکر بیہقی
- معرفۃ الصحابۃ' ابونعیم اصفہانی
- سیرہ اعلام النبلاء' شمس الدین ذہبی
- مجمع الزوائد' ابوبکر ہیثمی
- تاریخ خلفاء' جلال الدین سیوطی
- تاریخ مدینہ دمشق' ابن عساکر دمشقی' کئی اور دوسری کتب اور معتبر منابع۔

واقعہ کربلا اور سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت کے بعد بزم ہستی میں کچھ عجیب و غریب حوادث آشکار ہوئے ہیں' جن میں سے سورج گرہن اور جس پتھر کو بھی اُٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے سے خون کا جاری ہونا...... وغیرہ شامل ہیں۔

ہم اہل سنت کی کتابوں میں چند صحیح السند روایات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو سب کی سب ان کے یہاں صحیح ہیں۔ طبری لکھتے ہیں کہ اُمّ حکیم کہتی ہے:

قتل الحسين عليه السلام و أنا يومئذ جويرية، فمكثت السماء أياماً مثل العلقة

''جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے ہیں میں اس وقت جوان تھی اور ان ایام میں آسمان سرخ تھا'' (مجمع الزوائد:۹/ ۱۹۶-۱۹۷، المعجم الکبیر:۳/ ۱۱۳، حدیث:۲۸۳۶، تاریخ مدینہ دمشق:۱۴/ ۲۲۶، تہذیب الکمال:۶/ ۴۳۲)۔

ابوبکر ہیثمی اس روایت کو طبری سے نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ حدیث کے تمام رُوات صحیح ہیں۔ چناں چہ ابوبکر ہیثمی نے مزید اضافہ کیا ہے کہ جسے ابوقبیل نے یوں نقل کیا ہے:

لمّا قتل الحسین بن علی علیهما السلام انکسفت الشمس کسفةً حتّی بدت الکواکب نصب النهار، حتّی ظننا أنّها هی

''جس وقت حسین ابن علی علیہما السلام درجہ شہادت پر فائز ہوئے تو سورج کو گرہن اور آسمان اس طریقے سے تاریک ہوگیا کہ ستارے ظاہر ہوگئے یہاں تک ہم نے گمان کیا ہے کہ قیامت آگئی ہے'' (مجمع الزوائد:۹/ ۱۹۷)۔

ہیثمی اس روایت کے ذیل میں کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی معتبر اور ثقہ ہیں۔ ہیثمی ایک اور روایت زہری سے نقل کرتے ہیں کہ جو اہل سنت کی نظر میں قابل احترام شخصیت ہیں۔ محمد بن شہاب زہری کہتے ہیں: عبدالملک بن مروان نے مجھ سے پوچھا کہ قتل حسینؑ کے دن کون سا حادثہ رونما ہوا؟ میں نے جواب میں کہا:

لم ترفع حصاة ببیت المقدس الاّ وجد تحتها دم عبیط

''بیت المقدس میں جب بھی کوئی پتھر اُٹھایا جاتا تھا تو اس کے نیچے سے تازہ خون ظاہر اور آشکار ہوتا تھا۔''

عبدالملک نے زہری کی تائید کرتے ہوئے جواب دیا:

انّی و ایّاك فی هذا الحدیث لقرینان

''میں بھی تیری طرح اس واقعہ سے باخبر ہوں۔''

ہیثمی اس روایت کی تائید کے ضمن اور اس کی سند کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس روایت کو نقل کرنے والے تمام راوی قابل اعتماد اور صادق ہیں (مجمع الزوائد:۹/ ۱۹۶، المعجم الکبیر:۳/ ۱۱۹،

المناقب خوارزمی: ۳۸۸)۔

اس مقام پر طبری ایک اور حدیث کو زہری کی سند کے ساتھ اس طرح روایت کرتے ہیں:

ما رُفع بالشام حجرٌ یوم قتل الحسین بن علی علیهما السلام الاّ عن دم (مجمع الزوائد: ۹/۱۹۶؛ المعجم الکبیر: ۳/۱۱۳، حدیث: ۲۸۳۵)

''حسین بن علی علیہما السلام کی شہادت کے بعد سرزمین شام میں جو بھی پتھر اُٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے خون جاری ہوتا تھا۔''

اس سند کے بھی تمام راوی ثقہ ہیں۔ ہیثمی ایک دوسرے راوی سے اس طرح روایت کرتے ہیں:

لمّا قتل الحسین بن علی علیه السلام انتبهت جزورٌ من عسکره، فلمّا طبخت اذا هی دمٌ

''جس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام شہید کر دیے گئے تو امام علیہ السلام کے لشکر سے ایک اُونٹ کو چرا کر لے گئے اور جب اسے پکانے کے لیے ذبح کیا تو اس کا گوشت خون میں تبدیل ہو گیا۔''

ہیثمی اور دوسرے محدثین اس روایت کی سند کے بارے میں کہتے ہیں:

رجاله ثقات (مجمع الزوائد: ۹/۱۹۶؛ المعجم الکبیر: ۳/۱۲۱، حدیث: ۲۸۶۳)

''اس حدیث کے تمام راوی راست گو اور سچے ہیں۔''

ابن کثیر دمشقی نے بھی اس سلسلے میں اپنے نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ ان کی عبارت میں خوب غور و فکر کریں چوں کہ اس کا اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ ابن تیمیہ کا شاگرد ہے وہ اپنی تاریخ میں لکھتا ہے:

و أمّا روی من الأحادیث و الفتن الّتی أصابت من قتله، فأکثرها صحیح، فانّه قلّ من نجیٰ من اولئك قتلوه من آفة و عاهة فی الدنیا، فلم یخرج منها حتّی أُصیب بمرض و

أكثرهم أصابه الجنون (البدایہ والنہایہ:۸/۲۱۹-۲۲۰)

"وہ روایات جو اس بات کی نشان دہی کرتی ہیں کہ قاتلانِ حسینؑ مختلف فتنوں اور بلاؤں سے دوچار ہوئے ہیں' وہ صحیح ہیں۔ وہ واقعی آفت اور بیماری میں مبتلا ہوئے اور ان میں سے اکثر دیوانے اور مجنون ہو گئے تھے۔"

سید الشہداء علیہ السلام پر گریہ اور عزاداری

حضرت امام حسین علیہ السلام کی مصیبت پر گریہ کرنے کی بابت میں فریقین کی کتب میں اس قدر روایات پائی جاتی ہیں کہ جو قابل شمار نہیں ہیں لیکن ہم یہاں پر چند احادیث جو اہل سنت کی معتبر کتب سے اور جو علمائے حدیث کے درمیان صحیح السند ہیں' ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

احمد بن حنبل اس شخص سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جو صفین میں امیر المومنین علیہ السلام کے ہم راہ تھا کہ جب امیر المومنین علیہ السلام کوفہ کو واپس لوٹتے ہوئے سرزمین کربلا پر پہنچے تو ارشاد فرمایا:

فنادى علي عليه السلام اصبر يا أبا عبدالله! اصبر يا أبا عبدالله! بشط الفرات.

قلت: و ماذا؟ قال: دخلت على النبي صلى الله عليه و آله ذات يوم و عيناه تفيضان...... (مسند احمد:۲/۷۸' المصنف:۸/۶۳۲' مسند ابی یعلی:۱/۲۹۸' المعجم الکبیر:۳/۱۰۶ اور دوسرے مآخذ)

"حضرت علی علیہ السلام نے حضرت امام حسین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اے ابا عبداللہؑ! صبر کریں' فرات کے کنارے پر صبر کرنا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے اس بات کی وجہ پوچھی تو امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ایک دن میں پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں شرف یاب ہوا تو دیکھا کہ آپؐ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے تو آپؐ نے کربلا اور فرات کے کنارے پر شہادتِ حسینؑ کی خبر دی۔ خود سید الشہداء علیہ السلام بھی امیر المومنین علیہ السلام کے ہم راہ جنگِ صفین اور راستے میں ساتھ تھے۔"

حافظ ابوبکر ہیثمی اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس روایت کو احمد حنبل' ابو یعلی' بزار اور طبرانی نے نقل کیا ہے اور تمام راوی قابل اعتماد اور صادق ہیں (مجمع الزوائد: ۱۸۷/۹)۔

طبرانی معجم الکبیر میں اس مورد میں ایک روایت اُمّ سلمیٰؓ سے نقل کرتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه و آله جالسًا ذات يوم في بيتي فقال: لا يدخل عليّ أحد.

فانتظرت فدخل الحسين رضي الله عنه' فسمعت نشيج رسول الله صلى الله عليه و آله يبكي' فاطلعت فاذا حسين رضي الله عنه في حجره و النبي صلى الله عليه و آله يمسح جنينه و هو يبكي. فقلت: والله ما علمت حين دخل.

فقال: انّ جبرئيل كان معنا في البيت.

قال: تحبّه؟

قلت: أمّا من الدنيا فنعم.

قال: انّ أُمّتك ستقتل هذا بأرض يقال لها: كربلاء فتناول جبرئيل عليه السلام من تربتها فأراها النبي صلى الله عليه و آله[1]

''ایک دن رسولؐ خدا میرے گھر تشریف فرما تھے اور فرمایا: میرے پاس کوئی بھی نہ آئے اور میں انتظار میں تھی تو میں نے دیکھا کہ حسینؑ پیغمبرؐ اکرم کے پاس تشریف لائے اور اس کے بعد میں نے رسولؐ خدا کے گریہ کی آواز سنی' بہرحال میں نے حجرے میں نگاہ کی تو دیکھا حسینؑ رسولؐ اکرم کے دامن میں ہیں اور ان کی پیشانی کو صاف کرتے ہوئے رو رہے ہیں۔ میں داخل ہوئی اور کہا: خدا کی قسم! میں اس کے داخل ہونے سے آگاہ نہ ہوئی' رسولؐ خدا نے فرمایا: بے شک جبرئیلؑ اس گھر میں ہمارے ساتھ تھے۔

---

(۱) المعجم الکبیر: ۱۰۸/۳-۱۰۹ اور ۱۳۸۹/۲۳ اسی طرح رجوع کریں' کنزالعمال: ۶۵۶/۱۳ اور ۱۲۶/۱۲۔

جبرئیلؑ نے کہا: کیا اس حسینؑ کو دوست رکھتے ہو؟

میں نے کہا: ہاں؟

جبرئیلؑ نے کہا: بے شک تیری اُمت عن قریب حسینؑ کو زمین کربلا میں شہید کردے گی۔

اس وقت جبرئیلؑ نے آں حضرتؐ کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقامِ شہادت کی مٹی دکھائی۔"

اس حدیث سے چند مطالب سمجھے جا سکتے ہیں:

① پیامبر اکرمؐ نے سید الشہداء علیہ السلام پر اس وقت گریہ کیا جب امام علیہ السلام کم سن تھے۔ جب آں حضرتؐ کی رحلت ہوئی تو اس وقت حسین علیہ السلام کی عمر مبارک کتنی تھی؟ لہٰذا اس گریہ پیغمبرؐ کا کوئی مقصد و پیغام ہے۔

② خبر دینے والا جبرئیلؑ ہیں۔

③ گریہ کرنے والے رسولؐ خدا ہیں۔

④ آں حضرت اُمّ سلمیٰؓ کو خبر دیتے ہیں اور مقتل گاہ کی خاک بھی دکھاتے ہیں۔

یہ تمام مطالب موضوع کی اہمیت کو بیان کر رہے ہیں۔

ابوبکر ہیثمی ان احادیث کی صحیح ہونے کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ حدیث طبرانی نے مختلف اسناد سے نقل کی ہے اور تمام روات قابل اعتماد اور ثقہ ہیں (مجمع الزوائد: ۹/۱۸۹)۔

حاکم نیشاپوری نے بھی اس حدیث کو مستدرک علی الصحیحین میں نقل کیا ہے اور شیخین کی شرط پر اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے (المستدرک علی الصحیحین: ۳/۱۷۶-۱۷۷)۔

روایات اہل سنت کے ذکر کا مقصد

اہل سنت کی روایات کو نقل کرنے کے دو مقاصد ہیں:

① نمونہ کے طور پر ہم نے اہل سنت کی احادیث جو صحیح الاسناد ہیں ذکر کی ہیں۔

② اگر اہل سنت نے اس بارے میں روایات کو ذکر کیا ہے اور ان پر مہر تصدیق لگائی ہے تو

پھر جو افراد اہل بیت علیہم السلام کی دوستی کا دم بھرتے ہیں اور اپنے آپ کو اہل ولایت کہتے ہیں اور وہ ان اُمور میں شک کریں تو ان کی حیثیت بھی واضح ہو جائے گی۔

گویا ان کی معرفت اور شناخت طبرانی' احمد حنبل' ابو بکر ہیثمی' بزار اور ابو یعلی موصلی سے بھی کم ہے۔ ہاں! ایسے افراد سے خداوند کیسا سلوک روا رکھے گا؟

بکا اور گریہ کو جاری رکھنا

کبھی تو اس عظیم واقعہ پر گریہ کرنے کا موضوع سامنے آتا ہے اور کبھی یہ کہ کیا اس گریہ کو دائمی اور جاودانہ ہونا چاہیے یہ دوسرا مطلب ہے۔

ابو نعیم اصفہانی اپنی کتاب "حلیۃ الاولیا" میں ہمیشہ گریہ کرنے اور آنسو بہانے کی روایت حضرت امام سجاد علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں یا وہی روایت جو عموماً آپ مجالس و محافل میں سنتے آرہے ہیں کہ حضرت امام سجاد علیہ السلام سے سوال ہوا کہ آپؑ اتنا گریہ کیوں کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: کیوں گریہ نہ کروں؟ میں نے اپنی آنکھوں سے اس واقعہ کو دیکھا ہے۔

اس وقت امام علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کی داستان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: حضرت یوسف علیہ السلام تھوڑی مدت کے لیے حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے' حضرت یعقوب علیہ السلام جانتے تھے کہ یوسفؑ زندہ ہیں لیکن قرآن مجید میں بڑی وضاحت کے ساتھ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنا گریہ کیا کہ آنکھوں کی روشنی ختم ہو گئی۔ لہٰذا میں کیسے گریہ نہ کروں؟ (حلیۃ الاولیاء: ۳/ ۱۳۸)

حضرت امام سجاد علیہ السلام نے واقعہ کربلا پر اتنے آنسو بہائے کہ آپؑ کا شمار ان پانچ افراد میں ہو گیا کہ جنھوں نے اس دنیا میں بہت زیادہ گریہ کیا۔ اُن میں ایک حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا بھی ہیں۔ "وسائل الشیعہ" میں اس موضوع پر روایات پائی جاتی ہیں (وسائل الشیعہ: ۳/ ۲۸۲، باب ۸۷، حدیث ۷)۔

ان روایات کی روشنی میں نہ صرف حضرت امام حسین علیہ السلام کے مصائب پر گریہ کرنا ثابت ہے بلکہ اس کا دائمی اور جاودانہ ہونا بھی ثابت ہے۔ البتہ سید الشہداء علیہ السلام کی عزاداری صرف

آں حضرتؑ پر گریہ کرنے میں منحصر نہیں ہے بل کہ دوسری رسومات کو بھی انجام دینا چاہیے۔

عزاداری اور سوگ واری پر ایک نظر

ہم کہہ چکے ہیں کہ عزاداری اور سوگ واری سید الشہداؑ برپا کرنا صرف گریہ میں منحصر نہیں ہے۔ بل کہ عزاداری کی اور بھی قسمیں ہیں من جملہ بے قراری' رونا پیٹنا اور مرثیہ خوانی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جزع اور نوحہ کرنے کا کیا حکم ہے اور اس کا معنی کیا ہے؟

روایت میں آیا ہے کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقرؑ سے پوچھا کہ جزع کیا ہے؟ تو آپؑ نے ارشاد فرمایا:

أشد الجزع: الصّراخ بالويل و العويل و لطم الوجه و الصدر و جزّ الشعر من النواصي......(وسائل الشیعہ: ۲۷۰-۲۷۱، باب ۸۳، حدیث: ۱)

''بہت زیادہ فریاد کرنا اور آہ زاری کرنا یا چہرے اور سینے پر ہاتھ مارنا اور بالوں کو پریشان کرنا ہے۔''

ایک اور معتبر روایت میں آیا ہے کہ جس میں امامؑ نے فرمایا:

كلّ الجزع و البكلاء مكروه سوى الجزع و البكلاء على الحسين عليه السلام (ایضاً: ۲۸۲، باب: ۸۷، حدیث: ۹)

''حضرت امام حسینؑ کے علاوہ جزع فزع ناپسند اور مکروہ ہے۔''

عزاداری کی ایک اور قسم منہ پر تمانچے مارنا' سینہ پیٹنا اور آہ زاری کرنا ہے۔ یہ تمام موارد خداوند متعال اور مکتب اہل بیت علیہم السلام کے ہاں پسندیدہ اُمور میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا ان تمام اُمور کو انجام دینا چاہیے۔

البتہ ان تمام اُمور کو شرعی حدود میں انجام دینا چاہیے اور مجتہدین عظام نے دوسرے حدود احکام کی طرح ان کی بھی حدود معین کی ہیں اور ہم کو ان کا مطیع ہونا چاہیے۔ اگرچہ بعض افراد جو بغیر کسی دلیل کے بے ہودہ گفتگو کرتے ہیں ان کا حساب و کتاب علیحدہ ہے۔

عزاداری اور سوگ واری کی ایک اور قسم نوحہ خوانی' پیراہن چاک کرنا' سیاہ لباس پہننا

اور اس سلسلے میں لنگر کا اہتمام کرنا' بازار اور دوکانیں بند رکھنا اور درس و تدریس کی تعطیل کرنا بھی ہے۔ ان تمام اُمور پر شرعی دلائل موجود ہیں۔ اہل سنت کے معتبر منابع و مآخذ میں بھی ان اُمور کے جواز کے دلائل موجود ہیں اور اگر ابھی تک کسی نے ان پر سے پردہ نہیں اُٹھایا تو کیا کیا جائے؟

مجلس عزا میں شرکت

راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے عرض کیا:

انّ امرأتي و امراة ابن مارد تخرجان في المآتم فانهاهما فتقول لي امرأتي: ان كان حرامًا فانهنا عنه حتّى نتركه و ان لم يكن حرامًا فلأی شيء تمنعناه؟ فاذا مات لنا ميّت لم يجئنا أحد

"میری اہلیہ اور ابن مارد کی اہلیہ مجالس عزا میں شرکت کے لیے گھر سے باہر نکلتی ہیں اور میں دونوں کو منع کرتا ہوں' میری بیوی جواب میں کہتی ہے: اگر ہمارا جانا حرام ہے تو پھر آپ ہمیں روکیں اور اگر حرام نہیں ہے تو پھر آپ کیوں منع کرتے ہیں؟ لیکن اگر ہمارا کوئی عزیز وفات پا گیا' تو پھر کوئی ہماری ماتم داری میں بھی شریک نہیں ہوگا۔"

عن الحقوق تسألني؟ كان أبي عليه السلام يبعث امّي و امّ فروة تقضيان حقوق أهل المدينة (وسائل الشیعہ: ۲۳۹/۳، باب: ۶۹، حدیث: ۱)

"حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے جواب میں غور کریں' آپؑ نے جواب دیا: تُو نے مجھ سے اجتماعی حقوق کے بارے میں سوال کیا ہے میرے پدر بزرگوار (حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام) اپنی والدۂ گرامی اور زوجہ محترمہ کو (مدینہ میں لوگوں کی ماتم داری میں شریک ہونے کے لیے) بھیجتے تھے تاکہ ان کے حقوق کی پاس داری کی جائے۔"

لہٰذا اس روایات سے درج ذیل مطالب اخذ کیے جا سکتے ہیں:

① ماتم داری میں شریک ہونا معاشرتی حقوق میں سے ہے لہٰذا اس حق کو ادا کرنے کے لیے دوسروں کی ماتم داری میں شرکت کرنے والے کے پاس آنا جانا اور اس کے لواحقین کو تعزیت پیش کرنا ان کا حق ہے۔

② دوسروں کے مراسم عزاداری میں شریک ہونا چاہیے تا کہ وہ بھی ہماری ماتم داری میں شریک ہوں اور یہ مکتب اہل بیت علیہم السلام کے آداب کا حصّہ ہے۔

③ اس قسم کے حق کی ادائیگی دائمی ہونا چاہیے چوں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

ان کان ابی یبعث

''ہمیشہ میرے پدر بزرگوار بھیجتے تھے۔''

④ لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنی خواتین کو مومنین کی ماتم داری میں شریک ہونے سے نہ روکیں۔

ایک اور روایت میں حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا:

انّما تحتاج المرأة فی المأتم الی النوح لتسیل دمعتها......

''عورت کو آنسو بہانے کی خاطر ماتم داری میں شرکت کرنے کی ضرورت ہے'' (وسائل الشیعہ: ۳/۲۴۲، باب: ۷۱، حدیث: ۱)۔

اس نکتہ پر آپ توجہ کریں! حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ نہیں فرماتے کہ میری خادمہ یا کنیز چلی جائے تا کہ فلاں کی ماتم داری میں شرکت کرے بل کہ اپنی مادر گرامی کو جو با عظمت خاتون تھیں اہل مدینہ کی ماتم داری کے لیے بھیجتے تھے۔ یہ اس مطلب کی اہمیت کو بیان کر رہا ہے اور اس معاشرتی حق کو بتلا رہا ہے کہ معاشرے میں جس کے آداب کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ اگر لوگوں کے درمیان اس قسم کا اجتماعی حق موجود تھا کہ ائمہ علیہم السلام ان کی پاس داری اور ترغیب دلاتے ہیں تو خود اہل بیت علیہم السلام کی عزاداری کی مجالس میں شریک ہونا کتنا بڑا حق ہماری گردنوں پر ہے؟ ہمیں اہل بیت علیہم السلام کے حقوق کو ادا کرنا چاہیے۔

جب پیغمبرؐ گرامی کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام دنیا سے چل بسے تو آں حضرتؐ نے اس کی عزا

میں گریہ کیا (وسائل الشیعہ: ۲۸۰/۳، باب: ۸۷، حدیث: ۳)۔

یہ حدیث علمائے اہل سنت نے بھی نقل کی ہے کہ جب پیغمبرؐ اکرم کی ربیبہ بیٹی حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تو حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا نے اس طرح گریہ کیا کہ ان کے آنسو اس کی قبر پر ٹپکنے لگے (ایضا: ۹/۲۷۹، باب: ۸۷، حدیث: ۶)۔

جب رسولؐ خدا کو حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؑ اور زید بن حارثہ کی شہادت کی خبر ملی تو آپؐ نے بہت زیادہ گریہ کیا (ایضا: ۲۳۸، باب ۶۸، حدیث: ۱)۔

اس روایت میں آپ توجہ کریں کہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے کچھ رقم جدا کر رکھی تھی تاکہ ان کے بعد آپؑ کی مجلس عزا برپا کی جائے۔ پیغمبرؐ اکرم کی سنت ہے کہ انھوں نے حکم دیا: حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے اہل و عیال کے لیے کھانا کا بندوبست کریں چوں کہ وہ ماتم داری میں مشغول ہیں (وسائل الشیعہ: ۱۳۸، حدیث: ۳۵۰۹)۔

یہ کتب امامیہ کی روایات ہیں اور اگر ہم ان پر عمل نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی دختر جب دنیا سے رخصت ہوئیں اور آپؑ کو اطلاع ملی "فناح علیها سنة" ایک سال گریہ اور نوحہ خوانی کی گئی اور پھر کچھ مدت کے بعد جب ایک فرزند کا انتقال ہوا تو اُس کے لیے بھی نوحہ خوانی کی گئی اور جس وقت اسماعیل بن جعفرؑ خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے زمانے میں دنیا سے رخصت ہوئے تو آپؑ نے ان کی موت پر بہت زیادہ آہ و زاری کی۔ جب آپؑ سے سوال کیا گیا کہ آپؑ کے گھر میں اس طرح کیوں گریہ زاری اور ماتم داری کی جا رہی ہے تو امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

انّ رسول الله صلی الله علیه و آله قال– لمّا مات حمزة–
لکن حمزة لابواکی له (ایضا: ۲۴۱/۳، باب: ۷۰، حدیث: ۱)

"جب حضرت حمزہ علیہ السلام شہید ہوئے تو رسولؐ خدا نے فرمایا: حمزہؑ دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن ان پر گریہ کرنے والا (اپنے خاندان میں) کوئی

بھی نہیں ہے۔"

عزاداروں کو کھانا کھلانا

عزادار کی پذیرائی کرنا اسلام کے اصولوں میں سے ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک روایت میں فرمایا:

"جب حضرت جعفر طیار علیہ السلام شہید ہوئے اور آپؑ کے اہل و عیال ماتم و مجالس میں مصروف تھے تو رسولؐ خدا نے حکم دیا کہ ان کے عیال کے لیے کھانا تیار کیا جائے اور تین دن تک ان کے ہاں کھانا بھیجا جائے تا کہ وہ عزاداری میں مشغول رہیں لہٰذا پیغمبرؐ اکرم کا یہ طریقہ کار ایک سنت بن گیا ہے کہ مصیبت زدہ کے ہاں تین دن تک کھانا بھیجا جائے" (وسائل الشیعہ: ۳/ ۲۳۵، باب: ۶۷، حدیث: ۱)۔

اسی طرح ایک اور روایت میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

ینبغی لجیران صاحب المصیبة أن یطعموا الطعام عنه ثلاثة أیّام (ایضاً: ۳/ ۲۳۷، باب: ۶۷، حدیث: ۵)

"ہمیں چاہیے کہ مصیبت زدہ کے ہاں تین دن تک کھانا بھیجیں۔"

سیاہ لباس

عزاداری میں سیاہ لباس پہننے کا حکم بھی روایات میں آیا ہے کہ آں حضرتؑ نے فرمایا:

لمّا قُتل الحسین بن علی علیهما السلام لبس نساء بنی هاشم السواد و المسرج و کنّ لا یشتکین من حرّ و لا برد، و کان علی ابن الحسین علیهما السلام یعمل لهنّ الطعام للمأتم (ایضاً: ۳/ ۲۳۸، باب: ۶۷، حدیث: ۱۰)

"جب حضرت امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو بنی ہاشمؑ کی خواتین نے سیاہ

لباس پہنا اور مجلس عزا برپا کی اور حضرت امامِ سجاد علیہ السلام ان کے لیے کھانا آمادہ کرتے تھے۔"

ابن الحدید معتزلی لکھتے ہیں:

فخرج الحسن علیه السلام الی الناس بعد استشهاد أمیرالمومنین علیه السلام و علیه ثیاب سُود

"جب امیر المومنین علیہ السلام شہید ہوئے تو امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سیاہ لباس پہنے ہوئے گھر سے نکلے" (رجوع کریں: شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید: ۱۶/ ۲۲)۔

اس طرح کی روایات اہلِ سنت کے قدیم ترین مآخذ میں حضرت امام حسن علیہ السلام کی شہادت کے سلسلے میں پائی جاتی ہیں۔

خواتین کا بناؤ سنگھار نہ کرنا

فلمّا مات أقام نساء بنی هاشم علیه النوح شهرًا

"جب حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام شہید ہوئے تو بنی ہاشمؑ کی عورتوں نے ایک ماہ تک نوحہ خوانی کی۔"[1]

ایک اور روایت میں عجیب نکتہ ملتا ہے:

حدّت نساءُ بنی هاشم علیه سنةً (تاریخ مدینہ دمشق: ۱۳/ ۲۹۵؛ البدایہ و النہایہ: ۸/ ۴۷-۴۸؛ المنتخب من ذیل المذیل: ۱۹)

"بنی ہاشمؑ کی خواتین نے ایک سال تک آرائش نہیں کی۔"

لفظ "حداد" کا معنی زینت و آرائش نہ کرنا ہے۔ انھوں نے سیاہ لباس پہنے اور عزاداری اور نوحہ خوانی کی مجلس برپا کی اور کوئی زینت وغیرہ نہیں کی یہاں تک کہ سر پر کنگھی بھی نہیں کی۔

---

(۱) تہذیب الکمال: ۶/ ۲۵۲؛ البدایہ والنہایہ: ۸/ ۴۷؛ اسد الغابہ: ۲/ ۱۵؛ ترجمۃ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد: ۸۴-۸۵؛ تاریخ مدینہ دمشق: ۱۳/ ۲۸۳ اور دوسرے مآخذ۔

بازاروں کا بند کرنا

بازاروں کا بند ہونا عزاداری کی رسومات میں سے ہے۔ اس بارے میں تاریخ طبری کے ذیل میں اس قسم کی عبارت پائی جاتی ہے:

مکث الناس یبکون علی الحسن بن علی علیه السلام سبعاً ما تقوم الأسواق

"لوگوں نے حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی عزاداری کے سلسلے میں ایک مہینہ تک بازاروں کو بند رکھا" (ترجمۃ الامام الحسینؑ من طبقات ابن سعد: ۹۰ المنتخب من ذیل المذیل: ۱۹)۔

یہ سنت اور طریقہ کار اب بھی رائج ہے کہ جب کوئی بزرگ شخصیت اور دانش مند چل بسے تو اس کے غم میں عمومی سوگ کا اعلان ہوتا ہے۔ البتہ یہ مطالب ہم نے شیعیان علیؑ کے لیے عرض کیے ہیں اور ناصبیوں اور دشمنانِ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے ہمیں اپنے وظیفہ کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔

کتاب کا خلاصہ

اس کتاب کے مختلف حصوں میں ہم نے جو تحقیق پیش کی ہے اور جن مطالب کو اب تک بیان کیا ہے۔ چند مطالب کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:

پہلا مطلب:

مجالس عاشورہ کو شرعی حدود میں رہتے ہوئے انجام دینا چاہیے اور ان کی حفاظت اہل بیت علیہم السلام کا وہ حق ہے کہ جسے بنو امیہ نے پامال کیا ہے لہٰذا ہمیں جان لینا چاہیے کہ مجالس سیدالشہداء علیہ السلام کی کتنی قدر و قیمت ہے۔

دوسرا مطلب:

دو طریقوں سے معاویہ بن سفیان کو ہم سیدالشہداء علیہ السلام کی شہادت کا سبب قرار دے سکتے ہیں:

① معاویہ نے اپنے ناخلف بیٹے یزید کو لوگوں پر مسلط کر دیا لہٰذا وہ تمام لوگ جنھوں نے یزید کی بیعت کی اور تعاون کیا وہ اس کے تمام خلاف شرع کاموں میں برابر کے شریک ہیں۔

② حضرت امام حسین علیہ السلام کے مدینہ سے نکلنے اور اس کے بعد مکہ اور پھر کربلا و عراق اور روز عاشورہ تک پیش آنے والے مختلف واقعات کی تحقیقات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس قسم کی منصوبہ بندی سوائے معاویہ کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ یزید نے تو اپنے باپ کی وصیت پر عمل کرتے ہوئے اس کو عملی جامہ پہنایا ہے۔ یہ ایک انتہائی اصول اور قابل غور نکتہ ہے اور وہ لوگ کہ جنھوں نے اس سے پہلے نہیں سنا وہ اسے فوراً قبول نہیں کریں گے۔ البتہ ہمیں چاہیے کہ اس پر توجہ کی جائے اور جو گزارشات بیان ہوئی ہیں ان میں مزید غور و فکر کیا جائے۔ ہم دوسروں کے نظریات سے بھی استفادہ کرنے کے قائل ہیں۔

تیسرا مطلب:

کوفہ کے وہ لوگ کہ جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے میں یزید سے تعاون کیا ہے وہ شیعہ نہیں تھے بلکہ وہ لوگ جنھوں نے حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل میں براہ راست حصّہ لیا ہے۔ جو خصوصیات اور دلائل ہم نے بنوامیہ کے پیروکاروں اور آل ابی سفیان کی موجودگی پر قائم کیے ہیں ان کی روشنی میں یہ سب افراد یا تو شام کے رہنے والے تھے یا پھر شیعیان علیؑ نہیں تھے اور اس جرم کو عملی جامہ پہنانے والے اور ان کی حمایت کرنے والے ہرگز شیعہ نہیں ہو سکتے۔ ہم نے اپنی علمی تحقیق میں یزید کی حمایت کرنے والے روسائے عرب اور فوج کے جرنیلوں کی چھان بین کی ہے ہمیں ان میں کوئی بھی شیعہ فرد نظر نہیں آیا۔

چوتھا مطلب:

تاریخ میں واقعہ کربلا کے بارے میں موقف رکھنے کے سلسلے میں اہل سنت کے علما اور دانش ور چند گروہ میں تقسیم ہوئے ہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں علمائے اہل سنت کا کیا موقف رہا ہے اس بارے میں ان کے علما اور دانش ور چند گروہوں میں تقسیم ہوتے ہیں:

پہلا گروہ: وہ ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ یزید کی حکومت شرعی تھی اور وہ اسے امیر المومنین سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو فتنہ و فساد برپا کرنے والا اور باغی خیال کرتے ہیں اور حضرت امام حسین علیہ السلام کے قتل کو جائز قرار دیتے ہیں۔

دوسرا گروہ: علمائے اہل سنت کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام ناحق شہید کیے گئے لیکن ان کی گفتگو میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے بعض ابھی تک شک کرتے ہیں کہ قتل حسینؑ کا حکم یزید نے صادر کیا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ شاید اس نے توبہ کر لی ہو۔ بہر حال یہ دوسرا گروہ جو اکثریت میں ہے اس پہلے والے گروہ جو بنو اُمیہ کا طرف دار ہے' کا مخالف ہے۔

تیسرا گروہ: یہ وہ علمائے اہل سنت ہیں جو بڑے واضح طور پر بیان کرتے ہیں کہ واقعہ کربلا یزید کے حکم سے رونما ہوا۔ لہٰذا وہ یزید کو مجرم خیال کرتے ہیں اور یہاں تک اس گروہ کے بعض علما نے اقرار کیا ہے کہ یزید لعنت کا مستحق ہے اور بعض مقام پر تو اس کا کفر بھی ثابت کیا ہے۔

پانچواں مطلب:

شیعیانِ علیؑ کی ذمہ داری ہے کہ وہ مجالس عزا برپا کریں اور شرعی حدود میں رہتے ہوئے حتی المقدور اس کی حفاظت کی کوشش کریں۔ اس لیے کہ واقعہ عاشورہ کی بازگشت امامت جیسے اہم مسئلہ کی طرف ہوتی ہے اور امامت اُصولِ دین میں سے ہے لہٰذا واقعہ عاشورہ اصل دین کے ساتھ مربوط ہے۔ اس راہ میں کوشش و سعی اصل دین کی حفاظت ہے اور دین کی بنیادوں کو تقویت پہنچانے کے مترادف ہے۔

مجالس سید الشہدا علیہ السلام میں صرف عاطفی اور جذباتی پہلو کو مدنظر نہیں رکھنا چاہیے' بل کہ اس میں اعتقادی اور عبادی پہلو بھی موجود رہے۔ فقہ اسلامی میں بہت سارے مسائل ایسے بھی ہیں کہ جن میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ صرف فقہی نہیں ہے بل کہ اس کا تعلق اصل دین سے بھی ہے۔ سید الشہدا علیہ السلام کی عزاداری اور مجالس' شعائر دین ہیں' یہ صرف دعویٰ نہیں ہے بل کہ واقعیت اور عین حقیقت کتاب کی ابتدا میں کیے گئے مسائل میں غور کرنے

یہ معنی خود بہ خود روشن ہو جائے گا۔

چھٹا مطلب:

عالم اسلام کا ایک اقلیتی ٹولہ جو یزید کا ہم فکر اور اس کے اعمال کی توجیہ وتاویل کرتا ہے اور سید الشہداء علیہ السلام کو غیر مناسب الفاظ سے یاد کرتا ہے، کو چھوڑ کر عالم اسلام کے تمام مذاہب کے افراد مجالس سید الشہداء علیہ السلام میں شرکت کرتے ہیں اور عزاداری کے سلسلے میں اہل تشیع کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کرتے ہیں اور اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ عقیدت ومحبت اور تشیع کے ساتھ ہم دردی کا اظہار کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ افراد اس سلسلے میں ہمارے ساتھ متحد ہیں اور ان میں سے اگر کوئی حقیقت کی جستجو کرنا چاہتا ہے تو تحقیق کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

اہل سنت کے تمام مذاہب کو چاہیے کہ اس متعصب اور دشمن اہل بیت علیہم السلام گروہ کے مقابلے میں اپنا نظریہ واضح طور پر بیان کریں، یعنی انھیں بھی چاہیے کہ ہماری طرح اس سخت گیر اور متعصب گروہ پر مکمل کر تنقید کریں اور حق اثبات اور باطل کی نفی کریں، تا کہ اس متعصب گروہ کے نظریہ کو تمام اہل سنت کا نظریہ نہ سمجھا جائے۔ چوں کہ مختلف شہروں میں برادران اہل سنت بڑھ چڑھ کر مجالس حضرت امام حسین علیہ السلام میں شرکت کرتے ہیں۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ ہمارے ساتھ مل کر ان چند دین فروش ملاؤں کے خلاف اظہار نفرت اور بیزاری کریں جو عزاداری سید الشہداء علیہ السلام کو بے ہودہ خیال کرتے ہیں۔

درحقیقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی داستان ایک اسلامی واقعہ ہے۔ اگر امام علیہ السلام کی تحریک اور واقعہ عاشورہ نہ ہوتا تو دین اسلام بھی موجود نہ ہوتا۔ اس لیے کہ بنو اُمیہ دین کی اساس اور بنیاد ختم کرنے کے درپے تھے۔ لہٰذا تمام اسلامی مذاہب کو واقعہ کربلا کی قدردانی کرنی چاہیے اور اہل بیت علیہم السلام اور ان کے باوفا اصحاب نے جو تکلیفیں اور اذیتیں برداشت کی ہیں ان کا حق ادا کرنا چاہیے۔

.......○.......



Islamic Truth Center

Untold Facts About ASHOORA

Ayatollah Sayyed Ali Husayni Milani

ایران ـ قم ـ صفائیہ، کوچہ ۳۴، کوچہ ایرانی زادہ، بلاک ۳۳
فون ۷۷۳۹۹۶۸ـ۰۲۵۱ـ۰۰۹۸ فیکس: ۷۷۳۲۲۱۲ـ۰۲۵۱
www.al-haqaeq.org